وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ
اور بے شک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہے (القلم)

شمائل ترمذی

مع اردو ترجمہ و شرح

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ
بانی، مدرسہ نصرۃ العلوم، جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

مقدمہ، اضافہ، حاشیہ

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی
مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ، پاکستان

طبع اوّل

جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں ۔

نام کتاب ــــــــــ شمائل ترمذی مع اردو ترجمہ و شرح جلد اوّل
افادات ــــــــــ مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ
مرتّب ــــــــــ الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)
مقدمہ، اضافہ و حاشیہ ــــــــــ مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی
مطبع ــــــــــ حسن پرنٹرز لاہور
ناشر ــــــــــ مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
سرورق ــــــــــ محمد امان اللہ قادری
کتابت ــــــــــ حافظ شوکت محمود صدیقی
قیمت ــــــــــ ۱۳۰ روپے
تاریخ طبع اوّل ــــــــــ ربیع الاوّل ۱۴۱۸ھ بمطابق جولائی ۱۹۹۷ء

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
۲۔ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
۳۔ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
۴۔ کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
۵۔ مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ ۱۶ کراچی
۶۔ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
۷۔ اسلامیہ کتب خانہ نزد بت بلڈنگ اڈہ گامی ایبٹ آباد
۸۔ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ

فہرست مضامین شمائل ترمذی
مع
اردو ترجمہ وشرح جلد اوّل

مقدمہ

از: محمد فیاض خان سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّابَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔

؎ جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

(حضرت نانوتویؒ)

آقائے نامدار خاتم الانبیاء، رحمۃ للعلمین، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل پوری دُنیا خصوصًا عرب کا خطہ کفر و شرک اور رسومات باطلہ کی بھیانک تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جنگ وجدل، ظلم وجور کی ارزانی وبہتات اور قتل و غارت گری ناسور بن کر اہلیانِ عرب کے رگ وریشہ میں پیوست ہوچکا تھا۔ جہالت و ناخواندگی نے تہذیب وشائستگی کو ان سے کوسوں دُور بھگا دیا تھا۔ شرم وحیا سے عاری، بچیوں کو زندہ درگور کرنے والے کفر وشرک کے ظلمت کدوں میں بھٹک رہے تھے۔ شراب وکباب، عیاشی وفحاشی سے قلبی تسکین حاصل کی جاتی تھی، بیہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی کو قابلِ فخر گردانا جاتا تھا شعر وشاعری میں کمال اور برتری کو ہی خاندانی وقار کا باعث تصوّر کیا جاتا تھا، قبائلی رقابتوں اور لڑائیوں نے پوری قوم کو افتراق وتشتت کی مہلک بھٹی میں جھونک رکھا تھا۔ ایسے پُر آشوب و دگرگوں حالات میں کسی مصلح کی اشد اور بے انتہا ضرورت تھی جو اس بگڑی ہوئی قوم کو راہ راست پر لانے کی سعی کے ساتھ

انھیں درسِ توحید سے آشنا کراتا ان میں پائی جانے والی رسوماتِ فاسدہ اور خرافاتِ باطلہ کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ انھیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت بھی دیتا۔ تو اللہ رب العزّت نے عرب کی سرزمین میں انھی کی قوم میں سے اپنا آخری پیغمبر مبعوث فرما کر دنیائے کفر کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی قوم کے لیے روشنی کا ایک بلند مینارہ قائم فرمایا آمنہ کی گود سے اپنے پیارے اور محبوب کو دُنیا میں لا کر جدِّ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کی دُعا اور حضرت عیسیٰ مسیح اللہ علیہ السّلام کی بشارت کو وجود بخشا جسے الطاف حسین حالی نے اپنے اشعار میں بڑے احسن انداز میں اس طرح پرو دیا ہے۔

؎ ہُوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہُوئی۔ کفر و شرک کی تاریکی کافور ہُوئی اور نورِ ایمان و توحید کی شعاعوں سے سطحِ ارضی منور ہوئی جو لوگ خواہشاتِ نفسانی اور اہواء و آراء کی اتھاہ تاریکیوں اور باہمی شقاق و خلاف کے گہرے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے وہ سلامتی کی کھلی اور روشن راہوں پر گامزن ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت سے ان میں تہذیب و شائستگی کا جوہر پیدا ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت و سیادت میں وہ دُنیا کی اقوام پر چھا گئے اور انکی عظمت و سطوت کے علم قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاورز کے ایوانوں میں بلند ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کی بدولت دشمن بھی آپکی مدح پر مجبور ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمدّن اور سوسائٹی کی اصلاح میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے رہتی دُنیا تک لوگ اس سے استفادہ کرسکیں گے۔ یقیناً آپ اقوامِ عالم کے محسنِ اعظم ہیں جس کا اقرار غیر مسلم انگریزوں نے بھی اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ جیسا کہ پروفیسر السنہ شرقیہ جنیوا یونیورسٹی مسٹر ایڈورڈ مونٹ رقمطراز ہے: "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاحِ اخلاق اور سوسائٹی کے متعلق جو کامیابی ہوئی اسکے اعتبار سے آپکو انسانیت کا محسنِ اعظم یقین کرنا پڑتا ہے۔" (مقدمہ تاریخ ہند ج ۲ ص ۳۴۰)

و الفضل ما شهدت به الاعداء

"فضیلت تو وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔"
چنانچہ انگلستان کے مشہور مصنف اور رائٹر واشنگٹن ارونگ نے ۱۸۴۷ء میں سیرت محمد پر کتاب لکھی، اور جرمن کے ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۵۱ء میں، ہولینڈ کے ایچ گریم نے ۱۸۹۸ء میں اور انگلینڈ کے میور نے بھی ۱۸۶۱ء میں سیرت محمد پر مستقل کتاب لکھی انکے علاوہ بھی بیسیوں غیر مسلم مصنّفین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کتابیں لکھی ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ یہ لوگ آپ پر ایمان نہ رکھتے ہوئے بھی آپ کی سیرت اور اخلاق کے معترف ہیں۔

شعبہ شمائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں جن میں سے ایک اہم پہلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل کا بھی ہے شمائل کا موضوع ہی ایک ایسا موضوع ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی سیرت وصورت، چال ڈھال، آپ کی نشست و برخاست آپکی حالت امن و جنگ، آپکا سونا جاگنا، آپکا کھانا پینا، آپکا میل جول، آپکی ختم نبوت اور مہر نبوت سب ہی کا بیان ہے۔ آپکی عمر مبارک اس میں پیش آمدہ واقعات وحالات، آپ کی عسرت و تنگدستی، آپکی فتوحات، آپکا لباس اور آپ کی استعمال کی اشیاء، آپکا مزاح و مذاق، آپکی حسنِ معاشرت پر سیر حاصل ابحاث اس میں موجود ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ نبی کے جو شمائل کا بیان ہے	محبّوں کے لیے آرام جاں ہے
زبان ہند میں اس کو سناؤں	رلاؤں عاشقوں کو اور ہنساؤں

(کافی)

غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر ہر پہلو اور گوشے پر اس شعبہ شمائل کے ذریعے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس موضوع پر علماء امّت نے متعدد مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان میں سب سے فائق کتاب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شمائل ترمذی ہے جو صحت کے ساتھ ہر لحاظ سے اعلیٰ اور اقدم ہے اور مدّت مدید سے درسِ نظامی کے نصاب میں درجہ عالمیہ دورۂ حدیث شریف کے طلباء کو سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے اس کتاب کے بارے میں حضرت مُلّا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات پر ترمذی نے کیا ہی اچھی

کتاب لکھی ہے مختصر و جامع اور مکمل مطالعہ کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سیرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں آپکی سیرت کا ہر گوشہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے بیشک کبھی کبھی کان، آنکھ سے پہلے عاشق ہو جایا کرتے ہیں اسی لیے تو کہا ہے:

ے والاذن تعشق قبل العین احیاناً

(جمع الوسائل ج ١ ص ٢)

شمائل ترمذی کی عربی اردو شروحات

اس کتاب کی اہمیت کی وجہ سے بزرگانِ دین نے اسکی متعدد شروحات بھی ہر زبان کے اندر لکھی ہیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں جنھیں اکثر تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے۔

١۔ امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اشرف الوسائل۔
٢۔ عبدالجواد الدومی احمد رحمۃ اللہ علیہ کی شرح الاتحافات الربانیۃ بشرح الشمائل المحمدیۃ۔
٣۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح زہر الخمائل علی الشمائل۔
٤۔ محمد بن قاسم بن احمد المغربی المالکی المعروف بالجسوس رحمۃ اللہ علیہ کی شرح الفوائد الجلیلۃ البھیۃ علی الشمائل المحمدیۃ۔
٥۔ حضرت ملّا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح جمع الوسائل فی شرح الشمائل۔
٦۔ ابراہیم بن محمد البیجوری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ۔
٧۔ علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ بر جمع الوسائل۔
٨۔ امام اہلسنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ شمائل ترمذی اردو زبان میں۔
٩۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی اردو زبان میں۔
١٠۔ زیرِ نظر شمائل ترمذی کی شرح بھی اسی مبارک اور اہم سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسکی پہلی جلد قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے یہ شمائل ترمذی کے صرف پچیس ابواب پر مشتمل ہے اس کتاب کے کل چھپن ابواب ہیں جن میں چارصد احادیث ہیں باقی ابواب کی شرح انشاء اللہ العزیز جلد دوم میں شائع ہوگی شمائل ترمذی کا یہ ترجمہ اور شرح دراصل والدِ محترم مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی

عبد الحمید سواتی مدظلہ العالی کی وہ تقریر ہے جو انھوں نے دورانِ تدریس ۱۹۹۴ء میں درجہ عالیہ دورہ حدیث شریف کے طلباء کو شمائل ترمذی پڑھاتے وقت فرمائی تھی جسے مدرسہ نصرۃ العلوم کے شعبہ حفظ و ناظرہ کے صدر مدرس قاری محمد عبداللہ صاحب زید مجدہ نے احقر کے توجہ دلانے پر بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ کیا اور اسکے بعد محترم بزرگ الحاج لعل دین صاحب ایم اے علومِ اسلامیہ نے بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ کے ساتھ اسے صفحہ قرطاس پر منتقل فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ احقر کو اللہ رب العزت نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس کتاب کی تدریس کا متعدد بار موقع بھی دیا تو اسی دوران مطالعہ میں کچھ مفید باتیں سامنے آئیں جنھیں اس کتاب کے حاشیے میں یا دورانِ تحریر ہی بین القوسین (BRAKET) میں احقر نے درج کر دیا ہے۔ رواۃ کے سن موالید و وفیات انکے اسماء و کنی اور مختصر تعارف بھی احقر نے ہی اپنی جانب سے اکثر مقامات میں زائد درج کر دیا ہے تاکہ اس کتاب کو پڑھنے والے عوام الناس کے ساتھ ساتھ طلباء عظام کیلئے بھی یہ کتاب مفید اور نافع بن جائے۔

اس ترجمہ و شرح کی پہلی جلد کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ کتاب کے آغاز میں اصولِ حدیث کی ابحاث درج کی گئی ہیں۔

۲۔ شمائلِ ترمذی کا پورا متن اور اس کی عبارت پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں۔

۳۔ ہر درس اور باب کا اوپر علیحدہ درس اور باب نمبر لکھا گیا ہے۔

۴۔ احادیث کا لفظی ترجمہ علیحدہ درج کیا گیا ہے اور تشریح کا عنوان علیحدہ ہے۔

۵۔ ہر حدیث پر شمائل ترمذی کی ترتیب سے حدیث کا نمبر بھی درج کیا گیا ہے۔

۶۔ احادیث کے راویوں کا اجمالی مگر مفید تعارف درج کیا گیا ہے۔

۷۔ تمام ابحاث میں غیر ضروری طوالت سے حتی الامکان اجتناب کیا گیا ہے۔

۸۔ احادیث میں اگر کسی واقعہ، غزوہ یا قصہ کی طرف اشارہ ہے تو اسے بھی مختصراً واضح کیا گیا ہے۔

۹۔ کتاب میں مذکور اکثر حوالہ جات، احادیث یا دیگر کتب کو اصل کتب کے ساتھ بقید صفحہ درج کر دیا گیا ہے۔

۱۰۔ بعض مقامات میں فقہی مسائل بھی ذکر کیے گئے ہیں اور مسلکِ احناف کو دلائل کیساتھ ترجیح بھی دی گئی ہے۔

۱۱۔ قارئین کرام کی سہولت کیلئے شرح کے دوران بعض اہم عنوانات کی سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔

۱۲۔ اکثر ابواب کے آغاز میں پورے باب کا خلاصہ مختصر طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

۱۳۔ احادیث سے مستنبط ہونے والے مسائل و احکام کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۴۔ احادیث میں تعارض کے مقامات میں بہترین توجیہات سے اسکا عمدہ حل اس شرح کا طرۂ امتیاز ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب جہاں عوام النّاس کے لیے مفید ہوگی وہاں اہلِ علم، علمائے کرام اور طلباء عظام کے طبقہ میں بھی مقبول ہوگی بعض مقامات میں یقیناً عربی عبارات عوام النّاس کے لیے ثقیل ہونگی لیکن طلباءِ عظام کے استفادہ کے لیے انھیں درج کرنا بھی ناگزیر تھا۔ اللہ ربّ العزّت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے حسبِ سابق اس کتاب کی کتابت و طباعت کا بارِ گراں انجمن محبّانِ اشاعتِ قرآن کے علم دوست اور مخیّر حضرات ہی برداشت کر رہے ہیں جو یقیناً ایک صدقہ جاریہ ہے اللہ تعالیٰ تمام معاونین کے جان و مال میں برکت نصیب فرمائے اور انکی اس نیک سعی و کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے آخرت کا ذخیرہ بنائے اور تمام حضرات کی جسمانی، روحانی، مادی پریشانیوں کو ختم فرمائے۔ والدِ محترم حضرت صوفی صاحب مدظلّہ کی صحت کے لیے بھی تمام حضرات دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحتِ کاملہ عاجلہ نصیب فرمائے تاکہ یہ مفید عام سلسلہ تا دیر جاری و ساری رہے اور وہ اس کی سرپرستی فرماتے رہیں۔

ایک ضروری وضاحت اس کتاب میں چونکہ احقر نے اپنی جانب سے کافی مقامات پر اضافہ حواشی بریکٹ وغیرہ لگا کر بعض چیزیں درج کی ہیں لہٰذا ایسے مقامات میں کسی بھی قسم کے سقم کی تمام تر ذمہ داری بندہ کی طرف ہی منسوب کی جائے نہ کہ حضرت والدِ محترم مدظلہ کی جانب۔ نیز واضح اور بیّن غلطی کی نشاندہی کرنے والے کا شکریہ ادا کیا جائے گا اور اسکی اصلاح کی کوشش کی جائیگی اس کتاب کی طباعت کے دوران احقر کے ساتھ مولانا حافظ محمد اشرف یاسین صاحب فاضل و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم نے پروف ریڈنگ میں بھرپور حصّہ لیا اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کو بھی قبول فرمائے اور ذخیرۂ آخرت فرمائے آمین یا الٰہ العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

احقر محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

(۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ بمطابق ۴ جون ۱۹۹۷ء)

اُصولِ حدیث

از : مفسرِ قرآن حضرت مولانا صُوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

اُصولِ حدیث کی تعریف : اصولِ حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعے حدیث کے احوال معلوم کیے جائیں۔

اُصولِ حدیث کا موضوع : اصولِ حدیث کا موضوع حدیث ہے۔

اُصولِ حدیث کی غرض وغایت : اصولِ حدیث کی غرض وغایت یہ ہے کہ جس کے ذریعے حدیث کے احوال معلوم کر کے مقبول پر عمل کیا جائے اور غیر مقبول سے بچا جائے (تاکہ نجات کا ذریعہ ہو)

سُنّت : بعض محدثین کے ہاں لفظ سُنّت اور حدیث مترادف الفاظ ہیں۔ اور بعض کے ہاں لفظ حدیث صرف قول پر اور سُنّت قول، فعل اور تقریر تینوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حدیث : قول وفعل اور تقریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہیں۔

تقریر : کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی جائے یا کوئی کام آپ کے سامنے کیا جائے اور آپ اس پر خاموش رہیں انکار نہ فرمائیں اس کو تقریر کہتے ہیں۔

حدیث، خبر اور اثر : کا ایک ہی معنیٰ ہوتا ہے بعض حدیث اور خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور اثر کو صحابہؓ اور تابعینؒ کے قول وفعل وغیرہ

پر اطلاق کرتے ہیں ۔

سند یا اسناد : حدیث کے نقل کرنے والے راویوں کو کہتے ہیں ۔
متن : خود حدیث کے الفاظ یا مضمون کو متن کہتے ہیں ۔
صحابی : اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہو۔ صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں ۔ صحابہؓ پر جرح کرنی روا نہیں ۔ (الصحابة کلھم عدول) ۔ (صحابہؓ کا دور ۱۱۰ھ تک ہے) ۔
تابعی : اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں کسی صحابی سے ملاقات کی ہو یا اس کو دیکھا ہو اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہو ۔ (تابعین کا دور ۲۱۰ھ تک ہے)
حدیث مرفوع : جس کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو ۔
موقوف : جو صحابی تک پہنچے ۔
مقطوع : جو تابعی تک پہنچے ۔
متصل : اگر حدیث کے راویوں میں سے کوئی راوی ساقط نہ ہو تو اس کو متصل کہتے ہیں ۔
معلّق : اگر ابتداء (سند سے ایک یا زیادہ راویوں میں) سے کوئی راوی ساقط ہو جائے تو اس کو معلّق کہتے ہیں ۔
مرسل : اگر آخر سے راوی ساقط ہو یعنی تابعی کے بعد تو اس کو مرسل کہتے ہیں ۔
معضل : اگر درمیان سے مسلسل دو راوی ساقط ہوں تو اس کو معضل کہتے ہیں ۔
شاذ : اگر خود راوی ثقہ ہو لیکن دوسرے ثقات راویوں کے خلاف روایت کرے تو اس کو شاذ کہتے ہیں ۔
متفق علیہ : وہ حدیث ہوتی ہے جس پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا اتفاق ہو اور بعض کے نزدیک جبکہ دونوں ایک ہی صحابی سے روایت کریں ۔
علیٰ شرطہما : وہ حدیث جس کے راوی "بخاری و مسلم" کے راوی ہوں یا ضبط و عدالت میں

ان کی مثل ہوں۔
منکر: اگر راوی ثقہ نہ ہو تو اس کو منکر کہتے ہیں۔
معروف: منکر کے مقابل کی روایت کو معروف کہتے ہیں۔
معلل: اگر روایت میں کچھ اسباب خفیہ قادحہ ہوں حالانکہ ظاہری طور پر اس کی حالت سلامتی والی ہو تو اس کو معلل کہتے ہیں یہ اسباب کبھی متن میں اور کبھی سند میں ہوتے ہیں۔
متابع: اگر دو راوی اس میں ایک دوسرے کے موافق روایت کریں تو اسکو متابع کہتے ہیں۔
شاہد: اگر ایک صحابی سے نقل کریں تو اس کو شاہد کہتے ہیں۔
مدلس: اگر راوی اپنے شیخ کا ذکر نہ کرے بلکہ اوپر والے راوی کا ذکر اس طرح کرے کہ اس سے سماع کا شبہ ہو تو اس کو مدلس کہتے ہیں اور اس عمل کو تدلیس کہتے ہیں۔
مضطرب: ایک حدیث کو کبھی ایک طریق پر روایت کرے اور کبھی دوسرے طریق پر یا متن میں تقدیم و تاخیر، کمی و زیادتی واقع ہو، یا راوی کبھی ایک اور کبھی دوسرا ذکر کرے تو اس کو مضطرب کہتے ہیں۔
محفوظ: وہ حدیث ہے جو شاذ کے مقابل ہو۔
منقطع: وہ حدیث ہے کہ اسکی سند متصل نہ ہو بلکہ کہیں کہیں سے راوی گرا ہوا ہو۔
مسلسل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں صیغ اداء کے یا راویوں کے صفات یا حالات ایک ہی طرح کے ہوں۔
متواتر: ہر طبقہ میں اتنے راوی اس روایت کو نقل کریں کہ عادتاً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال سمجھا جائے۔ اس میں راویوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں تو اسکو حدیث متواتر کہتے ہیں۔
مشہور و مستفیض: ہر طبقہ میں تین سے کم راوی نہ ہوں تو اسکو مستفیض یا مشہور کہتے ہیں۔
عزیز: ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہوں تو اس کو عزیز کہتے ہیں۔
غریب: جس میں ایک راوی ہو۔
فرد مطلق: صحابی سے روایت کرنے والا متفرد ہو تو اس کو فرد مطلق کہتے ہیں۔
فرد نسبی: بعد کے روایت میں کوئی راوی متفرد ہو تو اس کو فرد نسبی کہتے ہیں۔

خبر واحد (اخبار احاد) : متواتر کے علاوہ مشہور، عزیز، غریب سب کو خبر واحد کہتے ہیں۔
محکم : جس روایت کے مخالف کوئی دوسری روایت نہ ہو تو اسکو محکم کہتے ہیں۔
مختلط : وہ حدیث ہے جس کا راوی تو ثقہ ہو لیکن بڑھاپے یا نابینا ہونے کی وجہ سے یا کتب کے ضائع ہونے کی وجہ سے روایت میں گڑبڑ کر جاتا ہو ایسے راوی کی روایت اختلاط سے پہلے زمانہ کی حجت ہے بعد کی حجت نہیں ہے۔
مختلف : جس کے مخالف کوئی دوسری حدیث موجود ہو تو اس کو مختلف کہتے ہیں۔
منسوخ : جس کا حکم اُٹھا دیا گیا ہو اس کو منسوخ کہتے ہیں۔
ناسخ : پہلے حکم کو اٹھانے والی حدیث کو ناسخ کہتے ہیں۔
عادل : جو مسلمان عاقل بالغ ہو اور سلیم ہو اسبابِ فسق اور خارمِ مروت سے اس کو عادل کہتے ہیں۔
عدالت : تقوٰی و مروت کے التزام کی طرف مائل کرنے والا ملکہ عدالت کہلاتا ہے۔
تقوٰی : شرک، کفر، نفاق، بدعت، فسق وغیرہ اعمالِ سیئہ سے اجتناب کرنے کو کہتے ہیں۔
مروت : ان نقائص سے بچنے کو کہتے ہیں جو ادابِ انسانیت کے خلاف ہوں۔
ضابط : جو شخص متیقظ، حافظ غیر مغفل اور غیر شاک ہو روایت کے تحمل اور ادا دونوں وقت میں۔
صحیح : جو روایت عادل تام الضبط متصل السند غیر معلل ولا شاذ کی نقل سے روایت کی گئی ہو اس کو صحیح کہتے ہیں۔
صحیح لذاتہ : جس کے سب راوی عادل کامل الضبط ہوں اور اسکی سند بھی متصل ہو معلل اور شاذ بھی نہ ہو اس کو صحیح لذاتہ کہتے ہیں۔
ضبط : کہ روایت کو اس طرح محفوظ رکھے کہ اسکے حاضر کرنے پر قادر ہو۔
صحیح لغیرہ : اس روایت کو کہتے ہیں جس میں صحیح لذاتہ کی تمام شرائط جمع نہ ہوں اگرچہ کثرت طرق سے اسکے نقص کی تلافی ہو۔

حسن لذاتہ : جس کے راویوں میں ضبط ناقص ہو، باقی شرائط صحیح کے موجود ہوں۔
حسن لغیرہ : ضعیف حدیث میں اگر تعدد طرق نے اس کے ضعف کو دور کر دیا ہو تو اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔
ضعیف : جس روایت میں وہ شرائط جو صحیح یا حسن میں ہوتی ہیں وہ نہ پائی جائیں تو اس کو ضعیف کہتے ہیں۔
مقبول : وہ حدیث ہے کہ صدق رواۃ کی وجہ سے جمہور کے نزدیک اسکی روایت قابلِ قبول ہو اور اس پر عمل واجب ہو۔
مردود : وہ حدیث ہے کہ جس کی سند کے راویوں کا صدق راجح نہ ہو اور اس پر عمل روا نہ ہو۔
موضوع : جس روایت کا کوئی راوی کاذب ہو اس کو موضوع کہتے ہیں۔
متروک : جس روایت کا کوئی راوی متہم (بالکذب) ہو اس کو متروک کہتے ہیں۔
مقلوب : ایک راوی کی جگہ دوسرا (باپ کے بجائے بیٹا و بالعکس وغیرہ) یا متن کے لفظ میں تقدیم و تاخیر واقع ہو تو اس کو مقلوب کہتے ہیں۔
مصحَّف : خطی صورت باقی رکھتے کے باوجود (شیئاً ستاً) نقاط، حرکات و سکون کی وجہ سے جس میں غلطی واقع ہو۔ اسکو مصحف کہتے ہیں مصحف کو بعض اوقات محرف بھی کہتے ہیں۔
مدرج : اگر راوی کا کلام متن میں درج ہو جائے تو اس کو مدرج کہتے ہیں۔
مسند : جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔
معنعن : جس میں لفظ عَن سے روایت کی گئی ہو۔
المتفق والمفترق : اگر راویوں کے نام اور ان کے آباء کے نام متفق ہوں اور انکے اشخاص مختلف ہوں تو اس قسم کو المتفق والمفترق کہتے ہیں۔
الموتلف والمختلف : اگر نام خط میں (صورت خطی) متفق ہوں اور نطق میں مختلف ہوں۔ نقاط جیسا یحی و نجی یا شکل میں جیسا شریح و سریح تو اس قسم کو الموتلف و المختلف کہتے ہیں۔

مناولۃ : کتاب یا صحیفہ کا دے دینا یہ اگر مقرون بالاجازۃ ہو تو معتبر ہے ورنہ نہیں۔
الوجادۃ : کتاب وغیرہ کو ایسے خط سے پاتا ہے جس کو پہچانتا ہے اس کو وجادۃ کہتے ہیں اس کے لیے بھی اجازت شرط ہے۔
مبہم یا مجہول العین : وہ راوی جس کا نام مذکور ہو مگر اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو اس کو مبہم یا مجہول العین بھی کہتے ہیں۔
مستور یا مجہول الحال : اگر ایسے ہی راوی سے دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اسکی توثیق نہ کی گئی ہو تو اس کو مجہول الحال یا مستور بھی کہتے ہیں۔

محدثین کے پانچ درجات

طالب : جو علم حدیث حاصل کرنے کے لیے اس سے اشتغال رکھتا ہے اس کو طالب (طالب الحدیث) کہتے ہیں۔
محدّث : جو علم حدیث کو پڑھتا پڑھاتا ہے اس کو محدّث کہتے ہیں۔
حافظ الحدیث : جس کو ایک لاکھ احادیث سند و متن کے ساتھ یاد ہوں۔
الحجّۃ : جس کو تین لاکھ احادیث متن و سند کے ساتھ یاد ہوں۔
الحاکم : جس کو جمیع مرویات متن و سند کے ساتھ یاد ہوں۔
سمعت وحدثنی : شیخ اگر تنہا شاگرد کو خود پڑھ کر سنائے۔
سمعنا یا حدثنا : جماعت کے ساتھ۔
اخبرنی : شاگرد تنہا استاد کے سامنے پڑھے۔
اخبرنا : جماعت کے سامنے پڑھے۔
انبئنی یا انبئنا : یہ اجازت کے لیے ہوتا ہے۔
انا مخفف ہوتا ہے اخبرنا کا، اور نا مخفف ہوتا ہے حدثنا کا اور کبھی ثنا بھی حدثنا کا اور ثنی حدثنی کا۔ متقدمین کے نزدیک حدثنی ـــــ اور

اخبرنی دونوں لفظ مترادف ہیں اور متاخرین کے نزدیک فرق ہے جو تعاریف میں گزرا ان کے علاوہ اور الفاظ بھی کتب میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً قراءت، قال لی فلان، ذکر لی فلان، روی لی فلان، کتب لی فلان، عن فلان قال فلان، روی فلان، ذکر فلان، کتب فلان، قراءۃ علیہ وانا اسمع۔

توثیق وتعدیل کے الفاظ: ثقۃ، ثبت، حجۃ، حافظ، ضابط، متفق علیہ، جید الحدیث، صدوق، حسن الحدیث، لا بأس بہ، مقارب الحدیث، صالح الحدیث، صدوق انشاء اللہ، صویلح، شیخ وسط، محلہ الصدق، لیس بہ بأس وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

جرح کے الفاظ: دجال، کذاب، وضاع، یضع الحدیث، متہم بالکذب، متروک، لیس بثقۃ، ساقط، واہ، لیس بشئ، ضعیف جداً، لیس بحجۃ، سئ الحفظ، لایحتج بہ، متفق علی ترکہ، سکتوا عنہ، ذاہب الحدیث، فیہ نظر، ہالک ضعفوہ، صدوق لکنہ مبتدع، لین، لیس بقوی وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

جرح کرنے والے کے شرائط

جرح کرنے والا عالم متقی صاحب ورع ہو اور متعصّب بھی نہ ہو اور جرح وتعدیل کے اسباب کا علم رکھتا ہو متعنت اور متشدد بھی نہ ہو۔

طعن: روایت میں طعن کے اسباب درج ذیل ہیں:

کذب یا متہم بالکذب ہونا یا فحش غلطی کرنا، غفلت یا فسق یا وہم یا مخالفت یا راوی کے بارہ میں جہالت یا سوءِ حفظ یا بدعت ہوتے ہیں۔

بدعت: دو قسم کی ہوتی ہے۔

مکفرہ: اس کی روایت مقبول نہیں۔

مفسقہ: اگر داعیہ بھی نہ ہو اور مستحل کذب بھی نہ ہو اور متفرد بھی نہ ہو تو اسکی روایت مقبول ہوگی۔

جرح مفسر و تعدیل مفسر : دونوں بالاتفاق مقبول ہیں لیکن جرح مبہم و تعدیل مبہم کے مقبول ہونے میں گو بعض بزرگوں سے اختلاف منقول ہے مگر زیادہ صحیح یہی قول ہے کہ جرح مبہم بالکل مقبول نہیں اور تعدیل مبہم مقبول ہے۔ جرح و تعدیل میں تعارض کی صورتیں چار صورتیں ہیں۔

۱۔ جرح مبہم و تعدیل مبہم ، ۲۔ جرح مبہم و تعدیل مفسر، ۳۔ جرح مفسر و تعدیل مبہم، ۴۔ جرح مفسر و تعدیل مفسر۔

پہلی اور دوسری صورت میں جرح غیر معتبر اور تعدیل معتبر ہے۔ تیسری اور چوتھی صورت میں جرح معتبر اور تعدیل غیر معتبر ہے بشرطیکہ وہ جرح مفسر کسی ایسے شخص سے صادر نہ ہوئی ہو جو جرح کرنے میں متشدد ، متعصّب یا متعنت شمار کیا گیا ہے۔

اقسام کتب حدیث

الجوامع : جامع علم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں عقائد احکام ، رقاق اداب داکل و شرب ، سفر ، قیام ، قعود وغیرہ تفسیر ، تاریخ و سیر ، فتن ، مناقب و مثالب مذکور ہوں۔ یعنی آٹھ فنون اس میں مذکور ہوں۔

سیر و اداب و تفسیر و عقائد ——— فتن ، اشراط ، احکام و مناقب

جیسے بخاری و ترمذی۔

التخریجات : وہ کتب جن میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کا ماخذ اسانید کے ساتھ بیان کیا جائے جیسے تخریج الرافعی ، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ۔

المسندات : مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابہ کی ترتیب پر احادیث مذکور ہوں۔ حروفِ ہجّا ، یا سبقت اسلام یا شرافت وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے ، جیسے مسند بزار ، مسند احمد ، مسند دارمی۔

معاجم : معجم محدثین کے نزدیک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں شیوخ کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہوں کبھی حروف ہجّا اور کبھی مشائخ کے تقویٰ و فضل کی بناء پر ، جیسے معجم طبرانی۔

سیر: وہ کتب جن میں حضور کی سیرت اور زندگی کے حالات مذکور ہوں جیسے سیرۃ ابن جوزی۔ سیرۃ ابن اسحٰق۔

اجزاء: جزء، ایک شیخ کی روایات یا ایک مسئلہ کے بارہ میں احادیث، جس میں جمع کی گئی ہوں جیسے جزء القراءۃ وجزء رفع الیدین للبخاری وجزء القراءۃ للبیہقی۔

سنن: جس میں فقہی مسائل کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے سُننِ ابی داؤد وسنن نسائیؒ وسننِ ابنِ ماجہ۔

اربعینیات: جس میں چالیس احادیث جمع کی گئی ہوں۔

الرسائل: وہ کتب جن میں صرف ایک ہی باب کی حدیثیں جمع کر دی جائیں۔ جیسے ابنِ جوزیؒ اور حافظ ابوموسیٰ مدینیؒ نے لکھی ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب "الرسالہ فی اصول الفقہ"۔

المغازی: وہ کتب جن میں حضورؐ کے غزوات کا ذکر ہو جیسے مغازی ابنِ اسحٰق، مغازی موسیٰ بن عقبہ۔

الزوائد: وہ کتب جن میں مرکزی کتب پر زائد احادیث پیش کی جاتی ہیں خواہ وہ مرکزی کتب کی اسانید کے معیار پر ہوں یا نہ ہوں جیسے مجمع الزوائد۔

مستخرجات: مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں جو کسی دوسری کتاب کی تائید کے لیے جمع کی گئی ہو جیسا کہ مستخرج اسمٰعیل بخاری کے لیے اور مستخرج ابوعوانہ مسلم کی تائید کے لیے۔

اختلاف الحدیث: وہ کتب جن میں ایک مضمون کی مختلف احادیث کو بیان کر کے ان کو تطبیق دی جائے جیسے اختلاف الحدیث للشافعی۔

مستدرکات: مستدرک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی شرط پر روایات جمع کی گئی ہوں جیسا کہ مستدرک للحاکم بخاری ومسلم کی شرط پر۔

مفرد: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک شخص کی کل مرویات ذکر ہوں۔

غرائب الحدیث: وہ کتاب ہے جس میں ایک محدّث کے مفردات ذکر ہوں جو کسی شیخ سے ہیں۔

مسلسلات : وہ کتاب ہے جس میں کسی راوی کی مخصوص حالت یا مخصوص قول کا ذکر ہو اور اوّل سے آخر تک وہ سندیوں ہی چلتی رہے ۔ جیسے مسلسلاتِ سیوطی، مسلسلاتِ ابن الجب عصرون ، مسلسلاتِ دیباجی ۔

العلل : وہ کتاب ہے جن میں معلول حدیثوں کا ذکر ہوتا ہے جیسے کتاب العلل للبخاری ۔ علل دارقطنی ۔

الاطراف : وہ کتابیں ہیں جن میں کسی حدیث کا کوئی ایک حصّہ ایسے انداز پر نقل کیا جائے جو باقی حدیث پر دال ہو اس کی تمام اسانید جن سے وہ ثابت ہے جمع کر دیں یا کتب مخصوصہ کے ساتھ مقید کر دیں جیسے الاشراف علی معرفۃ الاطراف لابن عساکر، تحفۃ الاشراف لابی الحجاج مزی ۔

الامالی : ایسی کتابیں کہ استاد لکھوائے اور شاگرد لکھتے رہیں جیسے امالی ابنِ حجر، امالی ابنِ عساکر ۔

الشمائل : ایسی کتابیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات ، فضائل و محاسن ذکر ہوں جیسے شمائل ترمذی ۔

متفق علیہ : بخاری مسلم

ثلاثۃ : ترمذی ابوداؤد نسائی

اربعۃ : " " " ابنِ ماجہ

خمسۃ : " " " " احمد

ستّۃ : " " " " " شیخین

الجماعۃ : " " " " " " احمد

صحیحین : بخاری مسلم

سننِ اربعۃ : ترمذی ابوداؤد نسائی ابنِ ماجہ

صحاح ستّۃ : بخاری مسلم ابوداؤد نسائی ترمذی ابنِ ماجہ

بعض ابنِ ماجہ کی بجائے مؤطا امام مالک کو شمار کرتے ہیں اور بعض مسند دارمی کو ۔

مراتب صحاح ستہ: پہلا مرتبہ بخاری کا، دوسرا مسلم، تیسرا ابوداؤد، چوتھا نسائی۔ پانچواں ترمذی اور چھٹا ابن ماجہ کا ہے۔

مذاہب اصحاب ستہ: امام بخاریؒ مجتہد یا شافعی، امام مسلمؒ شافعی، ابوداؤدؒ حنبلی یا شافعی، امام نسائیؒ شافعی، امام ترمذیؒ شافعی، امام ابن ماجہؒ شافعی۔

شیخین: محدثین میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو شیخین کہا جاتا ہے۔

رجال الصحیح: سے بخاری کے راوی مراد ہوتے ہیں۔

طبقات کتب الحدیث: (عند الامام ولی اللہؒ)

۱۔ الطبقۃ الاولیٰ: الصحیحین والموطا الامام مالک۔

۲۔ " الثانیۃ: سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مجتبیٰ النسائی، مسند احمد۔

۳۔ " الثالثۃ: مسند ابی یعلیٰ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابوداؤد طیالسی، کتب بیہقی، کتب طحاوی، طبرانی۔

۴۔ " الرابعۃ: کتب الوعاظ، کتب الضعفاء لابن حبان، کامل ابن عدی، کتب الخطیب وابی نعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن النجار دیلمی، مسند خوارزمی۔

۵۔ " الخامسۃ: موضوعات ابن جوزی، موضوعات شیخ محمد طاہر نہروانی۔

چند ضروری اصطلاحات

مشافہۃً: یہ کہ استاد شاگرد آمنے سامنے ہوں۔

قراءۃً: جب شاگرد استاد کے سامنے پڑھے اور استاد سنے تو اسے قراءۃً کہتے ہیں۔

سماعۃً: جب ایک شاگرد پڑھے اور باقی سن رہے ہوں تو انکے حق میں سماعۃً ہوتا ہے۔

اجازۃً: اگر استاد روایت کی اجازت دے دے تو اسے اجازۃً کہتے ہیں۔

ح: اسانید میں بعض جگہ لفظ ح آتا ہے یہ تحویل سے مخفف ہے۔ اہل مغرب اس کو تحویل پڑھتے ہیں اور اہل مشرق اسے حا ہی پڑھتے ہیں یہ اس لیے ہوتا ہے کہ

ح کے نیچے سند ڈبل ہوتی ہے اور راوی سند کو اوپر والے راویوں کے سپرد کر دیتا ہے اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر والی سند عالی اور نیچے والی سند سافل ہوتی ہے اور بسا اوقات ایک راوی متن کے الفاظ کچھ ذکر کرتا ہے اور دوسرا کچھ اور ذکر کرتا ہے۔

ن : یہ لفظ نسخہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ایک نسخہ یہ بھی ہے۔

الیٰ : یہ انتہاء اور غایت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۱۲ : اکثر کتب میں جہاں عبارتیں ختم ہوتی ہیں یا حاشیے ختم ہوتے ہیں وہاں ۱۲ کا عدد لکھا ہوتا ہے جو کہ فن ابجد کے الفاظ سے ح ۸ اور د ۴ کا بدل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مضمون ختم ہو گیا ہے یہ آخری حد اور انتہا ہے۔ آگے کچھ نہیں۔

موالید و وفیات الائمۃ الاربعۃ

نام	ولادت	وفات
ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت	(۷۷ھ) ۸۰ھ	۱۵۰ھ
مالکؒ بن انس	۹۵ھ	۱۷۹ھ
شافعیؒ محمد بن ادریس	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
احمدؒ بن حنبل	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ

موالید و وفیات مصنفین صحاح ستہ

نام	ولادت	وفات
بخاریؒ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ
مسلمؒ بن الحجاج نیشاپوری	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ
ابوداؤدؒ سلیمان بن الاشعث السجستانی الازدی	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
ترمذیؒ ابو عیسیٰ محمد بن سورہ ترمذی	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ
نسائیؒ احمد بن شعیب	۲۱۴ھ	۳۰۳ھ
ابن ماجہؒ ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی	۲۰۹ھ	۲۷۳ یا ۲۷۵ھ

علم حدیث کی چند مشہور کتب و شرحات

۱ تا ۶۔ صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابنِ ماجہ)۔
۷۔ مؤطا امام مالک المتوفیٰ ۱۷۹ھ۔
۸۔ مؤطا امام محمد ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی، المتوفیٰ ۱۸۹ھ
۹۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ، المتوفیٰ ۲۴۱ھ
۱۰۔ سنن دارمی ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، المتوفیٰ ۲۵۵ھ
۱۱۔ کتاب الآثار الامام محمدؒ المتوفیٰ ۱۸۹ھ
۱۲۔ شرح معانی الآثار ابی جعفر الطحاوی احمد بن محمد بن سلمہ بن سلامہ الازدی الحنفی المتوفیٰ ۳۲۱ھ
۱۳۔ مشکل الآثار " " " " " " "
۱۴۔ مشکوٰۃ المصابیح ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب المتوفیٰ ۷۴۲ھ
۱۵۔ سنن دارقطنی علی بن عمر الدارقطنی، المتوفیٰ ۳۸۵ھ
۱۶۔ مسند رزین، ابوالحسن رزین بن معویۃ العبدری، المتوفیٰ ۵۲۰ھ
۱۷۔ سننِ کبریٰ للبیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی، المتوفیٰ ۴۵۸ھ
۱۸۔ حصن حصین للجزری، شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن یوسف الجزری الشافعی المتوفیٰ ۸۳۳ھ
۱۹۔ مسند ابی حنیفہ، ابوحنیفہ النعمان بن ثابت الکوفی، المتوفیٰ ۱۵۰ھ
۲۰۔ مصنف عبدالرزاق، ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، المتوفیٰ ۲۱۱ھ
۲۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی، المتوفیٰ ۲۳۵ھ
۲۲۔ مسند ابوداؤد طیالسی، سلیمان بن داؤد بن الجارود الفارسی البصری، المتوفیٰ ۲۰۴ھ
۲۳۔ صحیح ابن السکن۔
۲۴۔ جمع الفوائد للسفارینی۔
۲۵۔ الزہد ہناد بن السری الکوفی التمیمی، المتوفیٰ ۲۴۳ھ
۲۶۔ مسند ابوعوانہ یا المستخرج صحیح ابی عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی، المتوفیٰ ۳۱۶ھ

۲۷۔ مستدرک للحاکم ابوعبداللہ محمد نیساپوری، المتوفی ۴۰۵ھ
۲۸۔ بلوغ المرام، شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی، المتوفی ۸۵۲ھ
۲۹۔ کنز العمال، علاؤ الدین المتقی بن حسام الدین الہندی البرہان فوری، المتوفی ۹۷۵ھ
۳۰۔ مشارق الانوار، رضی الدین حسن الصاغانی، المتوفی
۳۱۔ مجمع الزوائد للہیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر الھیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ
۳۲۔ عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی ابوبکر، المتوفی ۳۶۴ھ
۳۳۔ ریاض الصالحین، محی الدین ابی زکریا یحییٰ بن شرف النووی، المتوفی ۶۷۶ھ
۳۴۔ نووی شرح مسلم " " " " "
۳۵۔ موارد الظمان علی زوائد ابن حبان نورالدین علی بن ابی بکر الھیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ
۳۶۔ ابن ابی الدنیا ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید اللہ بن سفیان القرشی، المتوفی ۲۸۱ھ
۳۷۔ صحیفۃ ہمام بن منبہ ابوعقبہ ہمام بن منبہ، المتوفی
۳۸۔ کتاب الزہد والرقاق لابن المبارک المروزی، المتوفی ۱۸۱ھ
۳۹۔ مسند بزار، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق العتکی البزار، المتوفی ۲۹۲ھ
۴۰۔ مسند ابویعلیٰ، احمد بن علی بن المثنیٰ التیمی الموصلی، المتوفی ۳۰۷ھ
۴۱۔ ادب المفرد للبخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، المتوفی ۲۵۶ھ
۴۲۔ سنن سعید بن منصور، سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی المکی، المتوفی ۲۲۷ھ
۴۳۔ مسند اسحٰق ابن راھویہ، المتوفی ۲۳۶ھ۔
۴۴۔ جامع الاصول من احادیث الرسول، ابی السعادات مبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری، المتوفی ۶۰۶ھ
۴۵۔ کتاب الایمان لابن مندہ محمد بن اسحٰق بن یحییٰ بن مندہ، المتوفی ۳۹۵ھ۔
۴۶۔ العلل الواردہ فی الاحادیث النبویہ المعروف علل دارقطنی ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی، المتوفی ۳۸۵ھ۔
۴۷۔ الترغیب والترھیب للمنذری ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، المتوفی ۶۵۶ھ
۴۸۔ جمع الجوامع، للسیوطی، المتوفی ۹۱۱ھ۔

۴۹۔ آثار السنن للنیموی، محمد بن علی النیموی، المتوفی ۱۳۲۲ھ۔
۵۰۔ زجاجۃ المصابیح لعبداللہ شاہ حیدر آبادی ابی الحسنات، المتوفی ھ۔
۵۱۔ انوار السنن شمس الدین ڈیروی۔
۵۲۔ ترجمان السنۃ لبدر عالم، المتوفی ھ۔
۵۳۔ معارف الحدیث لمنظور نعمانی، المتوفی ۱۴۱۸ھ۔
۵۴۔ اعلاء السنن ظفر احمد عثمانی تھانوی، المتوفی ۱۳۹۴ھ۔
۵۵۔ مصابیح السنۃ للبغوی، ابی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ۵۱۰ھ۔
۵۶۔ شرح السنّۃ " " " " " "
۵۷۔ خلاصۃ المشکوٰۃ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، المتوفی ۱۹۶۲ء
۵۸۔ المنتقی لابن جارود ابو محمد عبداللہ بن علی بن الجارود النیساپوری، المتوفی ۳۰۷ھ۔
۵۹۔ معجم الکبیر، ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ۔
۶۰۔ " الاوسط " " " " " "
۶۱۔ " الصغیر " " " " "
۶۲۔ مسند الامام الشاشی ابو سعید الہیثم بن کلیب الشاشی المتوفی ۳۳۵ھ۔
۶۳۔ فیض قدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی محمد المدعو بعبدالرؤف المناوی، المتوفی ۱۰۰۳ھ۔
۶۴۔ کتاب الآثار الامام ابی یوسفؒ، المتوفی ۱۸۲ھ۔
۶۵۔ مسند امام الشافعی، ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ، المتوفی ۲۰۴ھ۔
۶۶۔ معرفت سنن والآثار للبیھقی ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیھقی، المتوفی ۴۵۸ھ۔
۶۷۔ السراج المنیر شرح الجامع الصغیر علی بن احمد بن محمد بن ابراہیم العزیزی المتوفی ۱۰۷۰ھ۔
۶۸۔ شعب الایمان ابو بکر احمد بن حسین البیھقی، المتوفی ۴۵۸ھ۔
۶۹۔ تہذیب الآثار ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری، المتوفی ۳۱۰ھ۔
۷۰۔ کشف الاستار عن زوائد البزار علی الکتب الستۃ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ المتوفی ۸۰۷ھ۔

۷۱ ۔ السنن الصغیر ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی ، المتوفیٰ ۴۵۸ھ ۔
۷۲ ۔ السنن الماثورہ ، محمد بن ادریس الشافعی ، المتوفیٰ ۲۰۴ھ
۷۳ ۔ مسند ابی الجعد ابوالحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری، المتوفیٰ ۲۳۰ھ ۔
۷۴ ۔ مسند الحمیدی ، ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی ، المتوفیٰ ۲۱۹ھ ۔
۷۵ ۔ عقود الزبرجد علی مسند الامام احمد جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی المتوفیٰ ۹۱۱ھ ۔
۷۶ ۔ صحیح ابنِ خزیمہ ، ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ السلیمی النیساپوری، المتوفیٰ ۳۱۱ھ ۔
۷۷ ۔ شرح ثلاثیات مسند الامام احمد محمد السفارینی الحنبلی ، المتوفیٰ ھ ۔
۷۸ ۔ جامع المسانید ، ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی ، المتوفیٰ ۶۶۵ھ ۔
۷۹ ۔ مسند الفردوس ، ابومنصور شہردار بن شیرویہ الدیلمی ، المتوفیٰ ھ ۔
۸۰ ۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ابوحاتم محمد بن حبان البستی، المتوفیٰ ۳۵۴ھ ۔ بترتیب علاؤ الدین علی بن بلبان الفارسی ، المتوفیٰ ۷۳۹ھ ۔
۸۱ ۔ کتاب فردوس الاخبار بماثور الخطاب المخرج علی کتاب الشہاب الحافظ شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی ومعہ تسدید القوس حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ ۔
۸۲ ۔ مسند الشامیین من مسند الامام احمد بن حنبلؒ ۔
۸۳ ۔ مختصر زوائد مسند البزار علی الکتب الستۃ ومسند احمد شہاب الدین ابی الطفیل بن حجر العسقلانی ، المتوفیٰ ۸۵۲ھ ۔
۸۴ ۔ لامع الدراری علی جامع البخاری ابی مسعود رشید احمد گنگوہیؒ المتوفیٰ ۱۳۲۳ھ ضبط ابی زکریا محمد یحییٰ الصدیقی ، المتوفیٰ ۱۳۳۴ھ ۔
۸۵ ۔ فیض الباری ، محمد انور شاہؒ المتوفیٰ ۱۳۵۲ھ مع حاشیہ البدر الساری الیٰ فیض الباری محمد بدر عالم میرٹھی ۔
۸۶ ۔ تحفۃ الاحوذی ، عبدالرحمٰن مبارک پوری ، المتوفیٰ ۱۳۵۳ھ ۔
۸۷ ۔ فتح الباری لشرح صحیح الامام ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری ، الامام الحافظ

احمد بن علی بن حجر العسقلانی، المتوفیٰ ۸۵۲ ھ۔

۸۸۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للشیخ الامام العلامۃ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی، المتوفیٰ ۸۵۵ ھ۔ (نوٹ: اسی کو عینی شرح بخاری بھی کہتے ہیں۔)

۸۹۔ کرمانی شرح صحیح البخاری، محمد بن یوسف بن علی بن عبدالکریم الکرمانی، المتوفیٰ ۷۸۶ھ۔

۹۰۔ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ابی العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی، المتوفیٰ ۹۲۳ ھ۔ (نوٹ: قسطلانی شرح بخاری بھی اسی کو کہتے ہیں)۔

۹۱۔ تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، الحافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، المتوفیٰ ۸۵۲ھ۔

۹۲۔ فتح الملہم بشرح صحیح الامام مسلم بن الحجاج القشیری، العلامۃ المحدث، المفسر، المتکلم الکبیر الشیخ شبیر احمد العثمانی، المتوفیٰ ۱۳۶۹ ھ۔

۹۳۔ عارضۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی الامام الحافظ ابن العربی المالکی، المتوفیٰ ۵۴۳ ھ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

احقر عبدالحمید سواتی

۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ بمطابق ۴ جون ۱۹۹۷ء

شمائلِ ترمذی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی
قَالَ الشَّیْخُ الْحَافِظُ اَبُوْعِیْسٰی مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسَی بْنِ
سَوْرَۃَ التِّرْمِذِیُّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

تعارف

سب سے پہلے اس کتاب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

نامِ کتاب اس کتاب کا نام شمائل الترمذی ہے جسے امام محمد بن عیسٰی ترمذیؒ نے تالیف کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کی اصل کتاب جامع ترمذی ہے جو کہ صحاحِ ستّہ جیسی اہم کتابوں میں سے ایک ہے۔ حدیث کی اس اہم ترین کتاب کے تتمّہ کے طور پر امام ترمذیؒ نے دو مزید کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ ایک کا نام کتاب العلل ہے جو کہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ اور جامع ترمذی کے آخر میں منسلک ہے اور دوسری یہ شمائل ترمذی ہے جس کا آج ہم آغاز کر رہے ہیں۔

شمائل جمع ہے شمال کی اور یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر شمال بالفتح (شَمال) ہو تو اس کا معنیٰ شمال کی طرف سے آنے والی ہوا ہوتا ہے۔ اور اس میں چھ لغات استعمال ہوتے ہیں۔ شِمَالٌ۔ شَمْأَلٌ، شَمِلٌ، شَوْمَلٌ۔ شَمَلٌ۔ شَمُلٌ۔ اور اگر شمال بالکسرہ (شِمال) ہو تو اس کا معنیٰ بائیں طرف ہوتا ہے۔ جیسے وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ (الواقعہ: ۴۱)

اور بائیں ہاتھ والے، اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ شمال کا دوسرا معنیٰ طبیعت، خصلت اور عادت ہوتا ہے۔ اس مقام پر[1] ملّا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نے شمائل (جمع شمال) کا یہی معنیٰ لیا ہے اور مُراد اس سے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عادات، اخلاق وخصائل ہیں جو کہ کتاب زیرِ درس میں امام ترمذیؒ نے جمع کیے ہیں۔

[2] وَاِذَا صَحَوْتُ فَلَا اُقَصِّرُ عَنْ نَّدًى
وَكَمَا عَلِمْتِ شَمَائِلِيْ وَتَكَرُّمِيْ (سبعہ مُعلقہ)

ترجمہ: "اور جب مَیں ہوش میں ہوتا ہوں تو سخاوت میں کوئی کمی نہیں کرتا جیسا کہ تو میرے اخلاق وخصائل کو اچھّی طرح جانتی ہے۔"

[3] فَقَدَتْ شَمَائِلَ مِنْ لِّزَامِكَ حُلْوَةً
فَتَبِيْتُ تُسْهِرُ اَهْلَهَا وَتُفَجِّعُ (حماسہ باب المراثی)

ترجمہ: "ایک چھوٹی بچی کی والدہ کے فوت ہونے پر شاعر نے یہ کہا کہ اس بچی نے گم کردی ہیں تیری چھاتی کے ساتھ چمٹنے کی میٹھی خصلتیں پس وہ رات کو گھر والوں کو بیداری اور غم میں مبتلا کرتی ہے۔"

[4] تَبَارَكَ اللّٰهُ مَآ اَحْلٰى شَمَائِلَهُ
فَكَمْ اَمَاتَتْ وَاَحْيَتْ فِيْهِ مِنْ مُّهَجٍ (ابنِ فارضؒ)

ترجمہ: "اللہ مبارک بنا دے کس قدر شیریں اور میٹھی ہیں آپ کی عمدہ خصلتیں، بہت سی فنا کردی ہیں جانیں اور بہت سی زندہ کردی ہیں ان خصلتوں نے۔"

اس کتاب کا نام شمائل ترمذی بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس کا معنیٰ تو امام ترمذیؒ کے عادات وخصائل بنتا ہے مگر حقیقت میں اس کتاب کا موضوع حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عادات وخصائل ہیں۔ دراصل شمائل ترمذی سے مراد ہے: اَلشَّمَائِلُ الَّتِيْ جَمَعَهَا وَاَلَّفَهَا الْاِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسَى التِّرْمِذِيُّ۔ یعنی یہ وہ کتاب ہے جسے امام ترمذیؒ نے جمع اور تالیف کیا ہے۔ اس قسم کی اضافت کو اضافتِ مناسبت یا ملابست کہتے ہیں جو اپنے اندر محذوف

---

[1] جمع الوسائل ص ۳/۱، [2] المعلقۃ السادسۃ ص ۸۰، [3] حماسہ ص ۱۵۵، [4] دیوان ابن الفارض ص ۸۶ (فیاض)

معنے رکھتی ہے۔ بہرحال شمائلِ ترمذی کا معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ کتاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وخصائل کا مجموعہ ہے جسے امام ترمذیؒ نے جمع کیا ہے۔

شعبہ شمائل

علم حدیث کے جملہ شعبوں کی تعداد اسّی ۸۰ سے بھی تجاوز کرتی ہے۔ تاہم امام حاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) نے علوم الحدیث میں اس علم کے اڑتالیس ۴۸ شعبے شمار کیے ہیں۔ ان میں شمائل بھی علمِ حدیث کا ایک اہم شعبہ ہے جس سے مراد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے عادات وخصائل، آپکے اخلاقِ حمیدہ، آپ کی نشست وبرخاست، آپ کا اٹھنا بیٹھنا، آپ کی شکل وصورت، رنگ ڈھنگ، قدمبارک اور چال وغیرہ ہے اور یہی اس شعبے کا موضوع ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات سے تعلّق رکھنے والا ایک شعبہ سیرت بھی کہلاتا ہے جو آپ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں کتاب السّیر یا کتاب المغازی کے نام سے موسوم ابواب میں پڑھتے ہیں مگر اس سے مراد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا وہ پہلو ہوتا ہے جس کا تعلّق جہاد اور مغازی سے ہوتا ہے جو آپ کی زندگی میں انجام دیے گئے۔ البتہ شمائل کے شعبہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سفر واقامت کا ذکر بھی آئے گا مگر اس کا اصل موضوع آپ کے ذاتی عادات و خصائل ہیں جن میں سفر کے لیے آنا جانا بھی شامل ہے۔

شمائل اور سیرت کے موضوع پر امام محمد بن اسحٰقؒ (المتوفی ۱۵۱ یا ۱۵۲ھ) سے لے کر آج تک بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ تاہم ان دونوں موضوعات میں قدرے فرق ہے۔ سیرت بیان کرتے وقت مؤرخین روایت کی سند کو چنداں اہمیت نہیں دیتے، اس لیے اس میں ضعیف روایات بھی بیان کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیرت میں بہت سے اکاذیب بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ اور سیرت پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ شمائل کے موضوع پر سند کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اور حتی الامکان زیادہ تر صحیح روایات کو شامل کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر قاضی عیاضؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) نے دو جلدوں میں بڑی اچھی کتاب (شفا) لکھی ہے حلبیؒ اور بعض دوسرے لوگوں نے بھی اس

موضوع پر بڑی محنت کی ہے۔ تاہم شمائل کے شعبہ میں سب سے بہتر کتاب یہ شمائل ترمذی ہے۔ اس کتاب کی فضیلت دو وجوہ سے ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ امام ترمذیؒ جیسے مستند امام کی تالیف ہے اور دوسری یہ کہ اس میں زیادہ تر صحیح روایات جمع کی گئی ہیں موضوع کی مناسبت سے اس کتاب میں ضعیف روایات بھی ضرور ہیں مگر بہت کم۔ تاہم اپنے اختصار، جامع اور بہتر سند کے لحاظ سے شمائلِ ترمذی اب تک اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں بہترین کتاب ہے اور سب سے اقدم بھی ہے۔ اس کتاب کے الفاظ ذرا مشکل ہیں۔ اس کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے تاکہ یہ طلبا کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ اس لیے کہ شمائل ترمذی اس موضوع پر مختصر مگر سب سے عمدہ کتاب ہے اور سند کے لحاظ سے بھی سب دیگر کتابوں پر فائق ہے۔ اس کتاب میں جملہ چارصد (۴۰۰) روایات بیان کی گئی ہیں جن کو چھپن (۵۶) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے لہٰذا کسی بھی باب میں طوالت محسوس نہیں ہوتی۔

آغازِ خطبہ

میں نے ابھی آپ کے سامنے کتاب سے خطبہ پڑھا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور سلامتی اس کے بندوں میں سے ان پر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔ یہ دراصل سورۃ النمل کی آیت ۵۹ ہے۔ جسے خطبہ بنا دیا گیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط ءٰآللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ "اے پیغمبرؐ! آپ کہہ دیں کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے سزاوار ہیں اور اس کے بندوں پر سلام ہے جن کو اُس نے منتخب کیا ہے۔" بہرحال یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی اہم بات کرنا مقصود ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جاتی ہے، پھر اُس کے مکرم بندوں پر سلام بھیجا جاتا ہے اور اس کے بعد مطلوبہ بات کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اسی اُصول کے مطابق شمائلِ ترمذی کے آغاز میں بھی یہ خطبہ پڑھا گیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ

مصطفیٰ۔ حمد باری تعالیٰ کے بعد انبیاء علیہم السّلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، یا صرف سلام بھی کافی ہے جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں امام ترمذیؒ کے شاگردوں نے لکھا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ خطبہ ہذا کے دو الفاظ حمد اور سلام میں سے حمد کو ال لاکر معرفہ بنایا گیا ہے یعنی اَلْحَمْدُ جب کہ سَلَامٌ کو نکرہ رہنے دیا گیا ہے حالانکہ انشائے کلام کا تقاضا ہے کہ اس کو بھی معرفہ بنایا جاتا یعنی اس پر بھی ال لاکر اَلسَّلَامُ کہا جاتا۔ مگر آپ نحو میں پڑھ کر آئے ہیں کہ محدثین اور شارحین فرماتے ہیں کہ اس تفاوت کا خاص لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ تاہم اگر آپ اس بات پر غور کریں کہ حمد کو معرفہ اور سلام کو نکرہ کیوں لایا گیا ہے تو ایک باریک سا نکتہ سمجھ میں آئے گا، اور وہ یہ ہے کہ حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے جبکہ سلام کا تعلق انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی تعریف میں کچھ تھوڑا بہت تو فرق ہونا چاہیئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر شے سے اعلیٰ و ارفع ہے لہٰذا اُس کی تعریف کے کلمہ کو تو ال کے ساتھ معرّف بناکر اَلْحَمْدُ کر دیا گیا ہے اور انبیاء علیہم السّلام تو بہرحال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس سے کم درجہ میں ہیں، لہٰذا اُن کے لیے تعریفی کلمہ کو نکرہ یعنی سلام ہی رہنے دیا گیا ہے۔

بعض[1] کہتے ہیں کہ نکرہ بھی تعظیم کے لیے آتا ہے اگر اس اُصول کو بھی درست تسلیم کر لیا جائے کہ معرفہ اور نکرہ دونوں الفاظ تعریف پر دلالت کرتے ہیں تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں اَلْحَمْدُ کے ال کو زائد تصوّر کیا جائے گا اور یہ بحث ختم ہو جائیگی۔

البتہ ایک دوسرا اشکال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سَلَامٌ کو عام طور پر انشا مانا جاتا ہے جو کہ دُعا ہے یعنی سلامتی ہو اللہ کے منتخب بندوں پر۔ البتہ تعریف کے موقع پر انشا کی نسبت خبر زیادہ اولیٰ ہوتی ہے اور اس میں استحکام بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ سَلَامٌ کو خبر تسلیم کرنے کی صورت میں اس کا معنیٰ ہوگا، سلامتی ہے

---

[1] المواھب اللدنیہ للبیجوریؒ المتوفی سنہ ۱۲۷۶ھ ص ۳ (فیاض)۔

اللہ کے منتخب بندوں پر۔ مگر یہ معنیٰ خلافِ واقعہ ہوگا کیونکہ دنیوی زندگی میں اللہ کے نبی ہمیشہ سلامتی میں نہیں رہے بلکہ اُنھوں نے تو اس دُنیا میں بڑی بڑی تکالیف اُٹھائی ہیں۔ مخالفین نے اُنھیں گالیاں دیں، پتھر مارے حتیٰ کہ بعض انبیاء کو شہید کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السّلام بیماریوں میں مبتلا ہُوئے، ہجرت پر مجبور ہوئے اور انھوں نے دشمنوں کے ساتھ بڑی بڑی جنگیں لڑیں۔ ایک حدیث[1] کے الفاظ اس طرح ہیں: اَشَدُّ الْبَلَاءِ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلِ فَالْاَمْثَلِ یعنی دُنیا میں سب سے زیادہ تکالیف تو اللہ کے نبیوں پر ہی آئیں۔ اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سَلَامٌ کو خبر بنانے سے سلامتی ہے والی خبر فی الواقعہ درست نہیں ہے تاہم مفسّرین اور محدّثین اس اشکال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السّلام، ملائکہ مقربین اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہے۔ مِنَ الْاٰفَاتِ الدِّيْنِيَّةِ وَالْاِعْتِقَادِيَّةِ دینی اور اعتقادی مصائب سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی کسی دینی فتنے میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ معصوم رہتے ہیں، البتہ وہ آفاتِ دُنیا میں ضرور مبتلا ہوئے ہیں۔ اس طرح سلامتی ہے والے جملے کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ کے نبیوں پر دینی اور اعتقادی لحاظ سے ہمیشہ سلامتی ہے اگرچہ دنیاوی طور پر اُنھیں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ الغرض: سَلَامٌ کا یہ معنیٰ بھی درست ہے اور دُعائیہ کلمہ یعنی سلامتی ہو اللہ کے منتخب بندوں پر، یہ بھی درست ہے۔

افتتاحیہ کتاب شمائلِ ترمذی

خطبہ کے بعد کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے: قَالَ الشَّيْخُ الْحَافِظُ اَبُوْعِيْسٰى مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى بْنِ سَوْرَةَ التِّرْمِذِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

(ترجمہ) شیخ حافظ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی نے کہا ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ کتاب شمائل ترمذی امام ترمذیؒ کی تالیف کردہ ہے

---

[1] ابنِ کثیر ص۴۰۰ ج۳، وقرطبی ص۳۲۵ ج۱۳، وجمع الوسائل ص۴ ج۱ (فیاض)

مگر کتاب کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے کہ امام ترمذیؒ نے یوں فرمایا۔ ظاہر ہے جو شخص خود کسی کتاب کا مصنف، مؤلف یا مرتب ہو وہ خود تو نہیں کہتا کہ میں نے یوں کہا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قَالَ کے فاعل امام ترمذیؒ نہیں ہو سکتے بلکہ کوئی اور شخصیت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر تلامذہ ٹھیک ہوں اور عبارت کے غلط معانی اخذ نہ کریں تو واقعہ کے اظہار میں بھی کوئی تردّد نہیں ہونا چاہیئے یعنی یہ الفاظ خود امام ترمذیؒ کے ہی ہو سکتے ہیں۔

البتہ زیادہ بہتر تاویل یہ ہے کہ لفظ قَالَ کے فاعل امام صاحبؒ نہیں بلکہ آپ کے کسی شاگرد کے ہیں زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ الفاظ امام ترمذیؒ کے شاگرد ابوالعباس محمد بن محبوب مروزی (المتوفی ۳۴۶ھ) کے ہیں جنھوں نے امام ترمذیؒ کی اکثر کتابوں کو جمع کیا ہے۔ یہ کلام کسی دوسرے شاگرد کا بھی ہو سکتا ہے جس نے تعارف کے طور پر کہا ہے کہ میرے شیخ نے یوں کہا ہے۔

قَالَ کے بعد لفظ الشّیخ ہے جو عام طور پر پچاس سالہ یا اس سے زیادہ عمر کے بوڑھے آدمی کے لیے بولا جاتا ہے مگر علمی اصطلاح میں شیخ سے مُراد وہ آدمی ہوتا ہے جو کسی فن میں کامل ہو، جیسا کہ آپ ابتدائی کتابوں میں پڑھتے ہیں: وَلَوْ کَانَ شَابًّا یعنی کسی فن میں کامل آدمی اگر جوان عُمر بھی ہو تو اسے شیخ ہی کہیں گے، تو مطلب یہ ہوا کہ فنِ حدیث میں کامل ہونے کی بنا پر امام ترمذیؒ کو شیخ کا لقب دیا گیا ہے۔

اس کے بعد آپکے تعارف میں الحافظ کا خطاب آیا ہے یعنی امام ترمذیؒ فنِّ حدیث میں کامل ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ الحدیث بھی تھے۔ علمِ حدیث کے جاننے والوں کے لیے اپنے مدارج کے مطابق ان کے لیے مختلف اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ اگر یہ اصطلاحات آپ کے ذہن نشین ہوگئیں تو آگے آپ کو بہت کام دیں گی۔ یاد رکھنا جو شخص[1] علمِ حدیث کو پڑھتا ہے، سیکھتا ہے اور اس علم کو طلب کرتا ہے، اُسے طالب الحدیث کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم سب طالب الحدیث ہیں اور جو شخص حدیث کو جانتا ہے، طلباء کو حدیث پڑھاتا ہے، وہ محدّث، عالم یا استاذ کہلاتا ہے۔ اور جس شخص کو ایک لاکھ متون احادیث بمع اسانید اور علل زبانی یاد ہوں، وہ

[1] جمع الوسائل صہ ۱/۲ (فیاض)

حافظ الحدیث کا لقب پاتا ہے۔ پھر جس شخص کو تین لاکھ احادیث مع اسانید اور علل زبانی یاد ہوں، اس کو الحجہ کہتے ہیں۔ اور جس شخص کو جملہ احادیث مع اسانید و علل یاد ہوں اور وہ علمِ حدیث کے نشیب و فراز بھی جانتا ہو، اس کو حاکم کہیں گے۔ اس طرح گویا علمِ حدیث کے جاننے والوں کے لیے پانچ اصطلاحات مروج ہیں یعنی طالب الحدیث، محدّث، حافظ الحدیث، حجّۃ اور حاکم۔ ان اصطلاحات کی رُو سے امام ترمذیؒ کو الحافظ یعنی حافظ الحدیث کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔

پہلے زمانے میں الحاکم اور الحجہ جیسے القابات کے حاملین لوگ بھی پائے جاتے ہیں مگر اب نہیں ملتے۔ مستدرک کے مصنف حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) تھے۔ اسی طرح احناف کے بھی ایک حاکم ہوئے ہیں جنھیں سزائے موت ہوگئی تھی جو حاکم الشہید[۱] کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اب تو حافظ الحدیث بھی ناپید ہو چکے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) کے بعد کوئی حافظ الحدیث نہیں ہُوا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ (المتوفی ۱۴۱۵ھ) کو ہزاروں حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ مگر مروجہ اصطلاح کی رُو سے آپ بھی حافظ الحدیث نہیں تھے کیونکہ اس لقب کے لیے ایک لاکھ احادیث کا مع اسناد و علل زبانی یاد ہونا ضروری ہے۔ ہمارے استاذ الاساتذہ حضرۃ مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کو بخاری شریف مکمل طور پر یاد تھی۔ بڑے قابلِ قدر عالم تھے مگر حافظ الحدیث وہ بھی نہیں تھے کیونکہ ایک لاکھ احادیث ان کو بھی یاد نہیں تھیں[۲]۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ علمی ترقی کا دور تھا۔ لوگوں کے بڑے بڑے حافظے ہوتے تھے۔ لہٰذا ان خطابات کے حاملین بھی دُنیا میں موجود تھے مگر موجودہ دور میں حاکم اور حجّہ تو درکنار کسی حافظ الحدیث کا ملنا بھی دشوار ہے۔

تعارف امام ترمذیؒ

امام ترمذیؒ کا تعارف آپ کے کسی شاگرد نے اس طرح کرایا ہے کہ آپ کا نام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ ہے۔ ظاہر ہے کہ اصل نام

۱؎ ابو الفضل محمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن عبدالمجید بن اسمٰعیل بن حاکم مروزی بلخی المتوفی ۳۳۴ھ

۲؎ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو بھی تیس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں لیکن اصطلاحی حافظ الحدیث نہیں تھے۔ (فیاض)

تو محمد بن عیسیٰ ہے اور ابو عیسیٰ آپ کی کنیت ہے مگر اس کنیت پر یہ اعتراض[1] وارد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے لہٰذا ابو عیسیٰ (عیسیٰ کا باپ) کنیت تو اشکال پیدا کرتی ہے اور یہ ایک عام اصول ہے کہ جس نام میں اشتباہ پیدا ہو وہ نام نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ غیر اولیٰ سمجھا جائے گا۔ اس کے باوجود امام ترمذیؒ نے ابو عیسیٰ ہی کنیت اختیار کی البتہ اس کنیت کے جواز میں یہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ یہ کنیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے تو درست نہیں کیونکہ بلاشبہ آپ کو اللہ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا مگر آپ کے علاوہ دوسروں کے لیے یہ کنیت رکھی جا سکتی ہے۔ اس کی مثال آپ ابو داؤد شریف کی روایت[2] میں پڑھیں گے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (المتوفیٰ ۵۰ھ) کو ابو عیسیٰ کی کنیت کے ساتھ پکارا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ کنیت غیر اولیٰ تو ہے مگر عدم جواز نہیں ہے۔

بہرحال مؤلف شمائل ترمذی کا پورا نام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک (سُلمی) بُوغی ترمذیؒ ہے۔ آپ کی نسبت روسی ترکستان میں نہر جیحون کے کنارے پر واقع شہر ترمذ[3] کی طرف ہے جو اس زمانے میں علم و تہذیب کا مرکز تھا۔ آپ کی پیدائش ترمذ شہر سے چھ میل پر واقع قصبہ بُوغا میں ہوئی مگر بڑے شہر ترمذ کے قریب ہونے کی وجہ سے آپ ترمذی مشہور ہو گئے یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے گوجرانوالہ سے ملحقہ گاؤں کنگنی والا سے متعلقہ کسی شخصیت کو گوجرانوالوی کہہ دیا جائے۔ بہرحال آپ قصبہ بوغا ملحقہ شہر ترمذ میں پیدا ہوئے اور پھر علم حدیث کے حصول کے لیے ساری متمدن دنیا کا سفر اختیار کیا۔ امام ترمذیؒ کی وفات بھی اپنے شہر میں ہی ہوئی۔

امام ترمذیؒ کی سوانح حیات میں ایک یہ چیز بھی ملتی ہے کہ وُلِدَ اَکْمَہُ[4] یعنی

---

[1] جمع الوسائل شرح الشمائل ص ۶ ج ۱ ملا علی القاری الحنفیؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ

[2] ابو داؤد ص ۳۲۲ ج ۲، والعرف الشذی ص ۲۷ و مستدرک حاکم ص ۲۴۷ ج ۳۔

[3] تِرْمِذ، تَرْمِذ اور تُرْمُذ تینوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ تِرْمِذ زیادہ مشہور ہے۔ جمع الوسائل ص ۶ ج ۱

[4] جمع الوسائل شرح الشمائل ص ۶ ج ۱۔ (فیاض)

آپ پیدائشی طور پر نابینا تھے مگر بعض روایات[1] کے مطابق پیدائشی نابینا نہیں تھے بلکہ بعد میں بصارت میں خرابی آگئی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال درجے کا حافظہ دیا تھا۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے جن میں جامع ترمذی، کتاب العلل، علل صغیر، علل کبیر اور یہ شمائل وغیرہ شامل ہیں۔ میں نے شمائل کا مطلب اور امام ترمذیؒ کا تعارف آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ امام ترمذیؒ کی سند تو آپ یہاں ہر روایت کے بعد پڑھیں گے۔ البتہ امام ترمذیؒ تک سند ہماری یہ ہے۔

مولانا اعزاز علیؒ کا تعارف

میں نے یہ کتاب شمائل ترمذی اپنے شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ (المتوفی ۱۳۷۴ھ) امروہی سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھی تھی۔ آپ نے اس دارالعلوم میں ۴۵ سال تک تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ حدیث کے علاوہ صرف، نحو، ادب اور فقہ بھی پڑھاتے تھے اور بعض علوم میں تو آپ بالکل ائمہ جیسے تھے۔

آپ وقت کے امام اور عظیم المرتبت استاذ تھے۔ آپ قصبہ امروہ کے رہنے والے تھے اور کمبوہ خاندان سے تعلق تھا۔ آپ کی یہ بہت بڑی صفت تھی کہ نہ تو آپ پان کھاتے تھے اور نہ کبھی ہنستے تھے۔ آپ مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ دیوبندی (المتوفی ۱۳۳۹ھ) کے نمایاں شاگردوں میں سے تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں ناظم تعلیمات مدرس اور مفتی بھی رہے ہیں۔ وقت کے سخت پابند تھے۔ جونہی ان کے پیریڈ کی گھنٹی بجتی، کھٹ سے کلاس میں داخل ہو جاتے۔ اُدھر جب وقت ختم ہونے کی گھنٹی سُنتے تو جو لفظ منہ میں ہوتا اُسے بھی چھوڑ کر جماعت سے باہر چلے جاتے۔ اُن کے درس کا گھنٹہ بڑا بلیغ شمار ہوتا تھا۔ اُن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ سلام کرنے میں کسی دوسرے کو پہل نہیں کرنے دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے آپ کو پہلے سلام کرنے کی کوشش کی مگر کوئی شخص بھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آپ ایک سے انتہا با اخلاق

---

[1] تہذیب التہذیب ص۳۸۹/۹ و تذکرة الحفاظ ص۱۸۷/۲ (فیاض)

اور رعب دار انسان تھے۔ حافظِ قرآن اور ایک شفیق استاذ تھے۔ علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔ مَیں نے آپ کو اس کتاب سے متعلق تعلیم کی سند اور اجازت کی سند بھی بتلادی ہے۔ آج تو تمہید کے طور پر اتنی باتیں ہی کافی ہیں۔ کل سے انشاء اللہ تعالیٰ اصل کتاب کا آغاز کریں گے۔

---

(۱) بَابُ مَا جَآءَ فِی خَلْقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُلیہ مبارک کے بیان میں۔

اَخْبَرَنَا اَبُوْ رَجَآءٍ قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ رَبِیْعَۃَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّہٗ سَمِعَہٗ یَقُوْلُ... الحدیث۔ (حصہ اوّل)

(ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

(ترجمہ) ابو رجاء قتیبہ بن سعید نے ہمیں خبر دی کہ مالک بن انس نے روایت کی ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے، اور انھوں نے روایت بیان کی انس بن مالکؓ سے کہ انھوں نے اُن کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔

ربطِ دروس کل کے درس میں میں نے کتاب ہٰذا کے نام شمائل ترمذی کی کچھ وضاحت کر دی تھی اور عرض کیا تھا کہ شمائل جمع ہے شمال کی جس کا ایک معنیٰ تو بائیں طرف ہوتا ہے، اور دوسرا معنیٰ طبیعت، عادت اور خصلت ہوتا ہے۔ اس مقام پر شمائل دوسرے معانی میں آیا ہے۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وخصائل جنھیں امام ترمذیؒ نے جمع کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کے متعلق بھی کچھ ضروری باتیں میں نے آپ کو بتا دی تھیں۔ امام ترمذیؒ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ اس طرح آپ کی عمر ستر سال بنتی ہے۔ میں نے کل یہ بھی آپ کو بتلا دیا تھا کہ ایک روایت کے مطابق امام ترمذیؒ پیدائشی نابینا تھے۔ جب کہ دوسری روایت کے مطابق آپ بعد میں نابینا ہوئے۔ دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں تاہم زیادہ تریہی بات[۱] مشہور

---

[۱] جمع الوسائل شرح الشمائل ص۱ ج۱ (فیاض)

ہے۔ وُلِدَ اَکۡمَہُ۔ یعنی آپ پیدا ہی نابینا ہوئے تھے۔ اس کے باوجود آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، عبادت گزار اور خدا کے مقبول بندے تھے۔ آپ کمال درجے کا حافظہ رکھتے تھے اور آپ کی لکھی ہوئی کتابیں دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہیں۔ آپ امام بخاریؒ کے شاگرد اور دیگر بڑے بڑے ائمہ کے اُستاذ تھے۔ ابوزرعہ رازیؒ (المتوفی ۲۶۴ھ) اور دیگر بڑے بڑے حضرات نے امام ترمذیؒ کے علمی کمال کی گواہی دی ہے۔ آپ کی فضیلت کے سلسلہ میں آپ ترمذی شریف میں پڑھیں گے کہ امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) اگرچہ آپ کے اُستاذ ہیں مگر انھوں نے اپنے شاگرد امام ترمذیؒ سے بھی دو روایتیں لی ہیں۔ امام ترمذیؒ کا اپنا بیان ہے کہ یہ روایت امام بخاریؒ نے مجھ سے سُنی ہے[1]۔ یہ بات آپ متن حدیث میں پڑھیں گے۔

میں نے شمائل ترمذی کے بارے میں آپ کو بتایا تھا کہ یہ مختصر اور جامع کتاب ہے، اور اس میں مندرج روایات شمائل کی دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ صحیح ہیں۔ دوسری کتابوں میں تو اناب شناب روایات بھی درج ہیں مگر اس کتاب کی روایات زیادہ مستند ہیں، البتہ بعض ضعیف روایات بھی آپ پڑھیں گے۔ اس کتاب میں بعض مشکل الفاظ بھی ہیں جنھیں سبقاً سبقاً پڑھ کر یاد کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ شمائل کا موضوع بڑا اہم ہے جس کا تعلق حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات یعنی آپ کے عادات و خصائل کے ساتھ ہے۔ آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ ہر ایماندار آدمی کا دل اس کی روایات کو جاننا چاہتا ہے۔

پہلا باب اس کتاب کا پہلا باب بَابُ مَا جَآءَ فِیۡ خَلۡقِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ ہے۔ یعنی یہ باب حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کے بیان میں ہے۔ لفظ باب کو دو طریقوں سے پڑھ سکتے ہیں۔ پہلی صورت تو وہی ہے جو کتاب میں درج ہے یعنی بَابُ مَا جَآءَ

[1] ترمذی صفحہ ۴۷۵ ج ۲ باب التفسیر اور دوسری روایت جو امام ترمذیؒ سے امام بخاریؒ نے لی ہے وہ ترمذی شریف باب مناقب علیؓ صفحہ ۵۳۵ ج ۲ میں موجود ہے۔ (فیاض)

فِیْ خَلْقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ اور اگر اسکو دوسرے طریقے سے مبتدا اور خبر بنا کر پڑھیں گے تو یوں ہوگا ھٰذَا بَابُ مَا جَاءَ فِیْ خَلْقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ ترکیب دونوں طرح درست ہے، آپ کا جو جی چاہے اختیار کرلیں۔

یہاں پر لفظ خَلْق آیا ہے، خُلُق نہیں جو کہ آگے آئے گا ۔ خَلْق اور خُلُق کے معانی میں فرق ہے ۔ خَلْق کا لفظی معنیٰ پیدائش ہے ۔ اور خَلَقَ یَخْلُقُ خَلْقًا باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے جس کا معنیٰ ایجاد کرنا یا پیدا کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے ۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصّٰفّٰت: ۹۶) تم کو بھی اور جو کچھ تم بناتے ہو، سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے ۔حضرت آدم علیہ السّلام کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: ۵۹) کہ اُس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے ایجاد کیا۔ نیز لفظ خَلْق مخلوق کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسے فرمایا: ھٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ (لقمان : ۱۱) یہ تو اللہ کی مخلوق ہے پس مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے علاوہ دوسروں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے ؟ یہ معبودانِ باطلہ تو مکھی کا ایک پر بھی پیدا نہیں کرسکتے مگر تم ان کو معبود مان کر خواہ مخواہ شرک کا ارتکاب کر رہے ہو۔ الغرض : خَلْق کا معنیٰ مخلوق بھی ہوتا ہے اور پیدائش بھی ۔ مگر اس مقام پر خَلْق سے مطلق پیدائش بھی مُراد نہیں بلکہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ظاہری شکل وصورت مُراد ہے ۔ اس باب میں مختلف صحابہؓ سے مروی چودہ احادیث پیش کی گئی ہیں ۔ اس کتاب کی جملہ چار صد احادیث کو چھپن ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے آج ہم پہلے باب کا آغاز کر رہے ہیں جس میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شکل وصورت کے متعلق احادیث لائی گئی ہیں ۔

یہ تو میں نے لفظ خَلْق کا معنی اور مفہوم بیان کیا۔ اس سے ملتا جلتا دوسرا لفظ خُلُق ہے جس کا اطلاق انسان کے اخلاق پر ہوتا ہے ۔ اس لحاظ سے ہم خَلْق اور خُلُق میں امتیاز اس طرح کریں گے کہ خَلْق میں ظاہری چیزیں مثلاً شکل و

صورت، رنگ، قد، چال ڈھال وغیرہ آئے گی، جب کہ خُلق میں باطنی اشیاء مثلاً علم، حلم، صبر و شکر وغیرہ کا بیان ہوگا۔ اسی چیز کو محدثینِ کرام اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خَلق سے مُراد فِیْ بَیَانِ ظَاهِرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اُس ظاہر کے بارے میں احادیث آئیں گی جن کو حِس اور بصر کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے اور خُلق سے مُراد وہ باطنی اشیاء ہیں جن کو بصیرت کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خَلق سے متعلق ہے اور اس میں آپ کی ظاہری شکل و صورت مبارکہ کا بیان ہوگا۔ تاہم محدثین کرام اس کا عام فہم ترجمہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حُلیہ مُبارکہ ہی کرتے ہیں۔ لفظ حُلیہ یا حِلیہ دونوں طرح دُرست ہے۔

علم حدیث علم حدیث ایک وسیع علم ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا محدثین کرام نے اس کے اسّی سے زیادہ شعبے گنوائے ہیں کسی علم کے بارے میں جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس علم یا فن کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت کا تعین کیا جائے۔ محدثین کرام علمِ حدیث کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ یہ وہ علم ہے[۱] مَا يُبْحَثُ فِيْهِ عَنْ اَقْوَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَفْعَالِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ وَسِيْرَتِهٖ اور حضرت شاہ رفیع الدّین دہلوی (المتوفی ۱۲۳۳ھ) اس تعریف میں وَاَذْوَاقِهٖ کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ علم حدیث وہ علم ہے جو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اقوال، افعال، تقریر، اخلاق، سیرت اور ذوق وغیرہ سے متعلق بحث کرتا ہے اور حدیث[۲] کا موضوع ذاتِ رسول ہے مگر مطلق ذات نہیں، کیونکہ مطلق ذات تو انسان کا جسم ہے جو طب کا موضوع ہے جو انسان کی صحت و سقم کے بارے میں کلام کرتا ہے۔ مگر حدیث سے مُراد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مبارکہ ہے[۳] مِنْ حَيْثُ اَنَّهٗ رَسُوْلٌ اَوْ نَبِيٌّ اس حیثیت سے کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی ہیں۔ گویا حدیث میں وہ باتیں آئیں گی جن کا تعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رسالت اور نبوّت کے ساتھ ہے اور پھر علم حدیث

---

[۱] مناوی ص۸ [۲] جمع الوسائل ص۲ ج۱، [۳] مناوی ص۷ (فیاض)

کی غرض وغایت کیا ہے ؟ اس کو مختصر طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے[1] تَحْصِیْلُ سَعَادَۃِ الدَّارَیْنِ کہ اس سے مقصود دُنیا اور آخرت دونوں مقامات کی سعادت حاصل کرنا ہے۔

سندِ حدیث تمام محدثین نے احادیث جمع کرتے وقت اُس کی اسناد کو اوّلیت دی ہے۔ چنانچہ کتبِ حدیث میں ہر حدیث کے متن سے پہلے اس کی سند نقل کی گئی ہے۔ ائمہ حدیث نے سندِ حدیث کا آغاز مختلف الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً اَخْبَرَنِیْ یا اَخْبَرَنَا، حَدَّثَنِیْ یا حَدَّثَنَا، نَاوَلَنِیْ یا نَاوَلَنَا، اَجَازَنِیْ یا اَجَازَنَا، اَنْبَأَنِیْ یا اَنْبَأَنَا مذکورہ ہر دو لفظ میں سے پہلا لفظ واحد پر دلالت کرتا ہے جب کہ دوسرا جمع پر اگرچہ یہ تمام الفاظ تقریباً ہم معنیٰ ہیں تاہم تفہیم کے اعتبار سے ان میں معمولی سا فرق بھی ہے۔ مثلاً حَدَّثَنِیْ یا حَدَّثَنَا اس مقام پر بولا جاتا ہے جب کہ درسِ حدیث کے موقع پر اُستاذ حدیث کی عبارت کو پڑھے اور شاگرد اُس کو سُنیں۔ اگر سماعت کرنے والا ایک تلمیذ ہے تو وہ کہے گا حَدَّثَنِیْ کہ مَیں نے اپنے اُستاذ سے سُنا۔ اور اگر متعدد تلامذہ ہیں تو وہ جمع کا صیغہ حَدَّثَنَا استعمال کریں گے۔ یعنی ہمارے اُستاذ نے اس طرح بیان کیا ـــ جسے ہم نے سُنا۔ اسی طرح جہاں اَخْبَرَنِیْ کا لفظ آئے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کا متن کسی ایک شاگرد نے پڑھا اور اُستاذ نے اسکی تصدیق اور وضاحت کی۔ اگر بہت سے طلباء نے بیک وقت عبارت سُنی، پڑھنے والا اگرچہ ایک ہو اور شیخ نے اس کی وضاحت کی تو وہ اَخْبَرَنَا کہیں گے۔ پھر اَنْبَأَنِیْ یا اَنْبَأَنَا کا لفظ وہاں استعمال ہوتا ہے، جہاں پر نہ متن کی پڑھائی ہوتی ہے اور نہ سماعت ہوتی ہے، بلکہ استاذ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے کہ تم اس کو بیان کر سکتے ہو۔ اگر مجاز یعنی اجازت لینے والا ایک آدمی ہے تو وہ اَنْبَأَنِیْ کہے گا اور زیادہ ہیں تو وہ اَنْبَأَنَا کا لفظ استعمال کریں گے۔ یہ تینوں اصطلاحات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں تاکہ آئندہ علمِ حدیث کے سیکھنے میں آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

ہمارے شیخ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ)

---

[1] جمع الوسائل ص۲/۱ ومناوی ص۷ (بیاض)

نے بخاری شریف کی جلد ثانی ہمیں تحدیث کے طریقے پر پڑھائی ۔ آپ خود حدیث کا متن پڑھتے تھے اور خوب پڑھتے تھے اور پھر خود ہی اُس کی تشریح کرتے تھے ۔ ہمیں آپ کی تلاوت سُننے کی بے حد کشش ہوتی تھی ۔ البتہ بخاری شریف کی پہلی جلد کی تعلیم چونکہ دن کے وقت ہوتی تھی ، وہ آپ نے اخبار کے طریقے پر پڑھائی ، یعنی جب تلمیذ عبارت پڑھتا تھا تو شیخ اس کی وضاحت فرماتے تھے ۔ (عبارت پڑھنے کی باری مقرر ہوتی تھی ۔)

راوی ابو رجاءؒ الغرض ؛ شمائل ترمذی کی پہلی حدیث اخبار کے طریقے پر آئی ہے ۔ اَخْبَرَنَا اَبُوْ رَجَاءٍ قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ ہمیں ابو رجاء قتیبہ بن سعید نے خبر دی ۔ ابو رجاء آپ کی کنیت اور قتیبہ بن سعید نام ہے مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ابو رجاءؒ کے سامنے پڑھی گئی جس نے اس کی تصدیق کی اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عبارت کو سُننے والے بہت سے تلامذہ تھے کیونکہ یہاں پر جمع کا صیغہ اَخْبَرَنَا استعمال ہُوا ہے ۔ ابو رجاءؒ بہت بڑے ائمہ حدیث میں سے ہیں ۔ آپ امام مسلمؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) بلکہ صحاح ستہ کو جمع کرنے والے سارے محدثین کے استاذ ہیں ۔

راوی مالک بن انس اصبحیؒ ابو رجاء قتیبہ بن سعید نے یہ روایت مالک بن انس سے لی ۔ یہاں پر عَنْ کا لفظ آیا ہے ۔ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ ۔ یہ وہی مالک بن انس اصبحی ہیں جو اپنے دَور میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے ۔ آپ کی ولادت [2] ۹۳ھ میں ہُوئی جب کہ امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہُوئے ۔ اس لحاظ سے یہ دونوں بزرگ ہم عصر ہیں تاہم امام حنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) عمر میں امام مالکؒ سے تیرہ ۱۳ سال بڑے ہیں ۔ امام ابوحنیفہؒ نے تو بعض صحابہؓ کو دیکھا ہے اور بعض سے روایات بھی نقل کی ہیں ۔ اس لحاظ سے آپ صغار تابعین میں شامل ہیں البتہ امام مالکؒ نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا لہٰذا آپ تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں ۔

---

[1] المتولد ۱۰۸ یا ۱۰۹ یا ۱۴۸ھ والمتوفی ۲۴۰ھ

[2] امام مالکؒ اپنی والدہ کے بطن میں تین سال رہے ہیں ۔ المواہب اللدنیہ ص ۔ (فیاض)

امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے آپ کی خدا پرستی کی وجہ سے حکام بھی آپ سے خائف رہتے تھے۔ آپ نے حکامِ وقت کی خواہش پر کبھی غلط فتویٰ نہیں دیا، جس کی وجہ سے آپ پر سخت آزمائشیں بھی آئیں مگر آپ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ ایک دفعہ مار مار کر آپ کا بازو توڑ دیا گیا، مگر پھر بھی آپ نے حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ کا یہ واقعہ تو مشہور ہے کہ حکام آپ سے طلاق مکرہ کے جواز کا فتویٰ لینا چاہتے تھے مگر آپ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اس "جرم" کی پاداش میں آپ کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا گیا۔ اُس زمانے میں یہ سخت قسم کی سزا سمجھی جاتی تھی کیونکہ جس مجرم کے جُرم کی تشہیر مقصود ہوتی تھی اُس کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا جاتا تھا۔ امام مالکؒ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا مگر آپ اُس حالت میں بھی یہی کہتے تھے مَنْ یَّعْرِفُنِیْ فَقَدْ یَعْرِفُنِیْ جو شخص[1] مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا وہ بھی سُن لے اَنَا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ کہ مَیں مالک بن انس ہوں۔ وَ اَنَا اَقُوْلُ اور مَیں بیانگِ دُہل اعلان کرتا ہوں۔ طَلَاقُ الْمُکْرَہِ لَیْسَ بِوَاقِعٍ کہ طلاق مکرہ یعنی زبردستی کی طلاق ہرگز واقع نہیں ہوتی۔

اس قسم کی ابتلاء دیگر حق پرستوں کو بھی ملیں جن میں باقی تینوں ائمہ امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) اور امام احمدؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) بھی شامل ہیں۔ تاہم امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ سب سے زیادہ زیرِعتاب آئے۔ حکامِ وقت اپنی بات منوانا چاہتے تھے مگر یہ ائمہ کرامؒ نہیں مانتے تھے۔

بہرحال خدا پرستی کی وجہ سے امام مالکؒ کی دہشت وقت کے حاکموں سے بھی زیادہ تھی۔ آپ کی مجلس میں موجود لوگ آپ کے رُعب و دبدبہ سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں خلیفۂ وقت کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ الغرض! نہ صرف عام لوگ آپ سے دہشت کھاتے تھے بلکہ آپ کی حق پرستی کی وجہ سے حکام بھی آپ سے خوف کھاتے تھے۔

برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کی حکومت تھی مگر وہ یہاں کے علمائے حق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ)، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) اور امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) سے سخت خائف رہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ خدا پرست لوگ ہیں اور اپنی حق پرستی کی وجہ سے یہ کسی وقت بھی انگریزی حکومت کا تختہ اُلٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ انگریزوں نے ان آزادی پسند ہستیوں کو سخت تکالیف پہنچائیں۔ حتّٰی کہ بعض حضرات برصغیر سے ہجرت کرجانے پر مجبور ہو گئے۔ مولانا سندھیؒ پچیس ۲۵ سال جلاوطن رہے۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں تھے تو انگریزوں نے وہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ خفیہ پولیس ہر وقت ان کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھتی تھی کہ کہیں آپ اُس زمین میں بھی انگریزوں کے خلاف فضا قائم نہ کردیں۔ ایک موقع پر مولانا سندھیؒ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ انھوں نے اپنے پیچھے پیچھے آنے والے ایک شخص کو پہچان کر سخت سُست کہا، اور فرمایا، ظالم! تم اللہ کے گھر میں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حکامِ وقت امام مالکؒ کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے تھے کیونکہ وہ اُن کی حق گوئی اور حق پرستی سے سخت خائف رہتے تھے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے، مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ البتہ دونوں ائمہ ہم عصر تھے، ان کی آپس میں ملاقات اور علمی مذاکرہ بھی ہُوا ہے، مگر اس کو تلمذ کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کے علمی مرتبہ کے قائل تھے۔ امام مالکؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ امام ابو حنیفہؒ اس قدر صاحبِ عقل وفراست شخصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اس قدر قوتِ استدلال عطا کی ہے کہ اگر وہ لکڑی یا پتھر کے کسی ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر دکھائیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ بھی سمجھتے تھے کہ امام مالکؒ نہایت خدا پرست اور عظیم المرتبت شخصیّت ہیں۔ امام ابو یوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ البتہ امام محمدؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) کے اور امام شافعیؒ کے شیخ ہیں۔

امام مالکؒ کا سنِ پیدائش ۹۳ھ اور سنِ وفات ۱۷۹ھ ہے۔ آپ مدینہ منورہ کے قدیم قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہیں اور آپ کی قبر حضرت عثمانؓ کی قبر کے قریب ہی ہے۔

آپ کی سوانح حیات میں عجیب و غریب باتیں ملتی ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص سات ماہ کا سفر کر کے امام مالکؒ کی خدمت میں مدینہ پہنچا۔ اُس کی قوم جانتی تھی کہ امام مالکؒ اُس وقت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بعض مسائل کا حل معلوم کرنے کے لیے اُس شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ مدینہ پہنچ کر اس شخص نے آپ کی خدمت میں مسائل پیش کیے۔ امام مالکؒ نے بعض مسائل کے جواب دے دیے اور بعض کا جواب نہ دے سکے اور صاف کہہ دیا کہ کسی اور عالم سے دریافت کر لو۔ وہ شخص بڑا پریشان ہُوا اور عرض کی کہ حضرت میری قوم نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور مَیں اتنا طویل سفر کر کے اور مشقّت برداشت کر کے حاضر ہوا ہُوں۔ اگر مَیں تمام مسائل کے جوابات نہ پا سکا تو اپنی قوم کو کیا جواب دوں گا؟ امام مالکؒ نے برجستہ جواب دیا کہ اپنی قوم کے لوگوں سے صاف صاف کہہ دینا کہ مالک نے ان سوالات کے جوابات تو دے دیے ہیں مگر باقی سوالات کے متعلق اپنی جہالت کا اقرار کیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ ان کے متعلق مَیں نہیں جانتا۔

غرضیکہ آپ ایسے عظیم انسان تھے جو تکلّف میں نہیں پڑتے تھے، جس چیز کا علم نہیں صاف کہہ دیتے کہ میں نہیں جانتا۔ برخلاف اس کے کہ آپ موجودہ دور میں کسی عالم کے سامنے کوئی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ بھی رکھ دیں تو وہ لاعلمی کے باوجود کوئی انٹ شنٹ جواب ضرور دے گا خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

راوی ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ [۱]

امام مالکؒ نے یہ روایت عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن [۱] سے لی ہے۔ یہ امام مالکؒ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ہیں۔ بڑے عالم اور مجاہد آدمی تھے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ یہ رائی کہلاتے تھے۔ آپ کے

---

[۱] ابو عثمان کنیت ہے ربیعہ لقب اور فروخ نام ہے۔ (فیاض)

علاوہ اسحٰق ابن راہویہؒ (المتوفی ۲۳۸ھ) ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ وغیرہ سب رائی تھے، یعنی یہ لوگ مسائل کے حل کے لیے حسبِ ضرورت اجتہاد بھی کر لیتے تھے اس لیے ان کو رائی کہا جاتا تھا۔ ان حضرات کے اسی عمل کی بناء پر بعض غیر مقلد حضرات رائی کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ یہ لوگ نص کے مقابلے میں اپنی رائے چلاتے تھے حالانکہ رائی کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ حضرات منصوصات پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں ضرورت ہوتی تھی اجتہاد بھی کرتے تھے۔ بہرحال ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رائی تھے جن کی وفات پر امام مالکؒ نے کہا تھا: "افسوس! آج علم کی حلاوت ہی ختم ہو گئی۔ (المواہب اللدنیہ ص۷) جو لطف ربیعہؒ کی مجلس میں آتا تھا، اب وہ کہاں ملے گا؟" انھوں نے ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

ربیعہؒ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے کہ ان کا باپ جہاد کے لیے خراسان یا کسی دوسرے دُور دراز علاقے میں چلا گیا۔ جب وہ انتیس ۲۹ سال کے بعد اپنے گھر واپس آیا تو مسجد میں دیکھا کہ کوئی آدمی حدیث پڑھا رہا ہے۔ بیوی سے پوچھا کہ یہ کون عالم ہے جو مسجد میں حدیث کا درس دیتا ہے؟ بیوی نے بتلایا کہ یہ تمھارا ہی بیٹا ہے جسے تم پیٹ میں چھوڑ کر سفر پر چلے گئے تھے۔ یہ جان کر آپکے باپ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔

راوی انس بن مالکؓ

ربیعہؒ نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے اخذ کی ہے۔ گویا شمائل ترمذی کی پہلی حدیث کے راوی خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ ہیں۔ جب حضور علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو حضرت انسؓ کی والدہ اُمِّ سلیمؓ نے انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا کہ حضور، اس بچے کو اپنی خدمت کیلیے قبول فرمالیں۔ چنانچہ حضرت انسؓ سفر و حضر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بجالاتے رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دُنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت حضرت انسؓ جوان عُمر تھے۔ ایک موقع پر حضرت انسؓ کی والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس بچے کے حق میں دُعا کریں

---

[1] آپکی کنیت ابوحمزہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپکو پیار سے ذوالاذنین بھی کہتے تھے۔ (نیاس)

تو آپؐ نے اس طرح دُعا فرمائی[1]: اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَبَارِکْ لَہٗ فِیْہِ
اے اللہ! میرے اس خادم کے مال اور اولاد میں اضافہ فرما اور اس کےلیے برکت عطا فرما۔ آپ نے یہ دُعا بھی فرمائی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ اے اللہ! اسکی غلطیوں کو معاف فرما دے۔ چنانچہ حضرت انسؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پہلی دو دعاؤں کی قبولیت کا پھل تو مَیں نے اپنی زندگی میں پا لیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تیسری دُعا کو بھی قبول فرما کر میری لغزشوں کو معاف کر دے گا اور مجھے جنت میں داخلہ مل جائے گا۔

اولاد میں کثرت والی دُعا سے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھے اتنی زیادہ اولاد عطا فرمائی ہے کہ مَیں نے اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں سے ۱۲۵ لڑکوں[2] اور دو لڑکیوں کی تدفین کی ہے۔ یہ صرف آپ کی صلبی اولاد کا ذکر ہے اس میں پوتے پوتیاں وغیرہ شامل نہیں۔

آپ کی دوسری دُعا یعنی مال میں اضافہ کا یہ حال تھا کہ بصرہ میں آپ کا ایک باغ ایسا تھا جو سال میں دو دفعہ پھل دیتا تھا حالانکہ عام لوگوں کے باغات سال بھر میں ایک ہی دفعہ پھل لاتے تھے۔ آپ کے باغ میں ریحان (نیازبو) کا ایک پودا تھا جس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ اللہ نے آپ کو یہ فضیلت بھی بخشی تھی کہ آپ کو ہر رات خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔

حضرت انسؓ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں مدینہ سے بصرہ چلے گئے تھے اور آپکی[3] وفات

---

[1] المواہب اللدنیہ صک   [2] المواہب اللدنیہ صک

[3] حضرت انسؓ کی تاریخ ولادت اور وفات کے متعلق کوئی حتمی بات کتب میں درج نہیں ہے بعض کے نزدیک آپ کی عمر ایک سو سات برس ہے جبکہ بعض کے نزدیک ایک سو دس برس ہے اور بعض کے نزدیک ایک سو ترلیسٹھ برس ہے اور اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت انسؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت سات برس کی یا آٹھ برس یا دس برس۔ پھر آپ کی تاریخِ وفات کے متعلق بھی بعض نے سنہ ۹۰ھ

وہیں پر طاعون (جارف) سے ہُوئی۔ (یہ بصرہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔ مناوی ۱)
آپ نے دیکھا ہے کہ حدیث زیرِ درس کی سند اَخۡبَرَنَا سے شروع ہُوئی ہے یعنی اَخۡبَرَنَا اَبُوۡ رَجَآءٍ اور پھر اگلے دو سلسلے لفظ عَنۡ کے ساتھ چلائے گئے ہیں یعنی عَنۡ مَّالِكِ بۡنِ اَنَسٍ، عَنۡ رَبِيۡعَةَ اور عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ۔ یہ معنعن کا طریقہ سند کہلاتا ہے اور آگے بہت سی اسناد اس طریقے کے مطابق بھی آئیں گی۔ اس طریقہ کی بحث آپ صحیح مسلم کے مقدمہ کے آخر میں پڑھیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

شمائلِ ترمذی کی پہلی حدیث کے راوی خادمِ رسُول حضرت انس بن مالک رضؓ ہیں۔ آگے الفاظ ہیں:
اَنَّهٗ سَمِعَهٗ کہ انھوں نے اُن کو سُنا۔ یہ بات سمجھنے والی ہے کہ اَنَّهٗ میں ہٗ کی ضمیر ربیعہ کی طرف راجع ہے اور سَمِعَهٗ میں ہٗ کی ضمیر حضرت انس رضؓ کی طرف لوٹتی ہے تو اس طرح معنیٰ ہوگا کہ ربیعہ نے حضرت انس رضؓ کو سُنا۔ نحوی طور پر سَمِعَهٗ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سَمِعَ کا مفعول تو کوئی آواز ہوتی ہے جو سُنی جاتی ہے مگر یہاں اس کا مفعول حضرت انس رضؓ کی ذات آرہی ہے، لہٰذا حضرت انس رضؓ کو سُننے کا کیا مطلب؟ محدّثینِ کرام اس اشکال کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ یہاں پر سَمِعَهٗ سے مُراد سَمِعَ مِنۡهُ یعنی ربیعہ نے حضرت انس رضؓ سے سُنا۔ اس کی مثال موسیٰ علیہ السّلام کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:

بعض نے ۹۱ھ، بعض نے ۹۲ھ اور بعض نے ۹۳ھ نقل کیا ہے۔ علامہ عزالدین ابی الحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری المعروف بابنِ الاثیرؒ المتوفی ۶۳۰ھ نے حضرت انس رضؓ کے متعلق مندرجہ بالا جملہ اقوال نقل کرنے کے بعد ۹۳ھ کو ہی آپ کی وفات کا صحیح سن قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ ص ۱۲۷، ۱۲۸۔ نیز حافظ ابن حجر العسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ نے آپ کی وفات کے متعلق ۹۱ھ، ۹۳ھ اور ۹۵ھ کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ واقرب ما قیل وفاتہ سنۃ ۹۳ھ آپ کی وفات کا سن ۹۳ھ ہی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۷۸ ج ۱) (فیاض)

واقعہ میں بھی ملتی ہے ۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا (الاعراف : ۱۵۵)
اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستّر آدمی منتخب کیے تاکہ انھیں کوہِ طور پر لے جائیں
یہاں بھی لفظی معنیٰ یہ بنتا ہے کہ موسیٰ ؑ نے اپنی قوم کو ستر آدمی منتخب کیے ۔ حالانکہ مطلب
یہ ہے کہ اپنی قوم میں سے ستّر آدمی چُنے ۔ گویا قَوْمَہٗ دراصل مِنْ قَوْمِہٖ ہے اسی
طرح اس حدیث کا لفظ سَمِعَہٗ دراصل سَمِعَ مِنْہُ ہے یعنی ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن
نے حضرت انسؓ سے سُنا یعنی اُنکو یہ کہتے ہوئے سُنا یَقُوْلُ آپ نے یہ کہا ۔ اسکی وضاحت آپ
اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ سَمِعَ قَوْلَہٗ ربیعہؒ نے حضرت انسؓ کی یہ بات سُنی جو یوں فرما
رہے تھے ۔ اگر اس کی توجیہ اس طرح کی جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا ۔

یا پھر اس اشکال کا حل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سَمِعَہٗ میں ذات مبدل منہ ہے اور
یَقُوْلُ بدل ہے ۔ بدل دراصل مقصود بالذات ہوتا ہے جبکہ مبدل منہ کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا
اب بدل تو یَقُوْلُ کی صورت میں آگیا ہے لہٰذا اس طریقے سے بھی کوئی اشکال نہیں رہتا کہ
ربیعہؒ نے انسؓ سے سُنا ۔

صلوٰۃ وسلام اور ترضّی ایک یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جب بھی کسی صحابی کا نام آئے تو ترضّی
کریں یعنی صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہ وعنہم کہیں یعنی اگر کسی ایک
صحابی کا نام بھی آئے تو اُس کے ساتھ دوسرے تمام رواۃ حدیث کو بھی بالتبع شامل کرکے
عنہ وعنہم کہیں ۔ آپ اس ترضّی سے بالکل نہ گھبرائیں ۔ اور جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی ذاتِ مبارکہ کا ذکر ہو وہاں صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے نہ گھبرانا ۔ ہر روایت کو پڑھتے سُنتے
وقت ان باتوں کا آپ کو خود خیال رکھنا ہوگا ۔ چنانچہ حدیث کی فضیلت میں ایک یہ چیز
بھی آتی ہے کہ اسکی تعلیم وتعلّم کے دوران درود شریف کثرت سے پڑھا جاتا ہے بعض لوگ تو
آپکو منکرینِ درود کا خطاب دیتے ہیں مگر اس بات کا فیصلہ آگے عنداللہ چل کر ہوگا کہ کون آدمی
زیادہ درود شریف پڑھتا رہا ہے ۔ ابھی یہ پہلے باب کی پہلی حدیث بیان ہو رہی ہے سند اور
بعض دوسری چیزوں کی وضاحت میں نے کر دی ہے اب اگلے درس میں انشاء اللہ
حدیث کے متن کا بیان ہوگا +

درس : ۳　　　　　　حدیث ۱ حصہ دوم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ فَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

ترجمہ: " ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت بیان کی ہے کہ ربیعہؒ نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نمایاں لمبے نہیں تھے اور نہ آپ کوتاہ قامت تھے ، نہ تو آپ کا رنگ مبارک بالکل سفید تھا اور نہ آپ گندم گوں تھے ۔ آپ کے بال مبارک نہ تو بہت زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ آپ مکہ مکرمہ میں دس سال تک اقامت پذیر رہے اور مدینہ طیبہ میں بھی دس سال تک ٹھہرے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ سال کی عمر میں اُٹھا لیا اور آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے ۔"

حُلیہ مُبارک

۱۔ قدوقامت

شمائل ترمذی کے پہلے باب "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پیدائش کے بارے میں" سے متعلق میں نے کچھ تشریح عرض کردی تھی ۔ پھر پہلی حدیث کی سند کے بارے میں بھی ضروری

باتیں بتادی تھیں۔ اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حُلیہ مبارکہ کے مختلف پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ الْبَائِنِ۔ کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قدوقامت کے لحاظ سے نمایاں لمبے نہیں تھے۔ طویل کا معنیٰ لمبا ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ بائن کی صفت شامل ہے بَانَ، یَبُوْنُ، بَوْنًا کا معنیٰ دُور ہونا، جُدا ہونا یا بعید ہونا ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ آپ نمایاں لمبے قد والے نہیں تھے۔ اس سے مطلق لمبائی کی نفی نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ لمبے تو ضرور تھے مگر زیادہ لمبے نہیں تھے۔ زیادہ لمبے قد کو تو پنجاب کے لوگ پسند نہیں کرتے بلکہ اُسے تحقیراً لمبا تڑنگا یا لمبو یا لم ڈھینگ کہہ کر پکارتے ہیں۔ گویا نبی علیہ السّلام والصّلوٰۃ کے قد مبارک میں کسی قدر درازی ضرور تھی مگر اتنا لمبا بھی نہیں تھا کہ اسے بے وقعت سمجھا جائے۔ اور آگے مزید تشریح ہے وَلَا بِالْقَصِیْرِ یعنی آپ کوتاہ قامت بھی نہیں تھے۔ مطلب یہ کہ آپ کا قد مبارک اس قدر چھوٹا بھی نہیں تھا کہ جس کو ٹھِنگنے سے تعبیر کیا جا سکے۔ گویا آپ نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ کوتاہ قامت۔ دوسری روایت میں مزید تفصیل موجود ہے۔ مناویؒ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) کہتے ہیں کہ امام ذہلی[1] نے حضرت ابوہریرہؓ[2] (المتوفی ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ) سے بسندِ حسن بیان کیا ہے[3]: کَانَ رَبْعَۃً وَھُوَ اِلَی الطُّوْلِ اَقْرَبُ۔ یعنی قد مُبارک میانہ تھا اور کسی قدر درازی کی طرف مائل تھا۔ عام طور پر ساڑھے پانچ اور چھ فٹ کے درمیانی قد کو مناسب قد سمجھا جاتا ہے۔ تاہم دراز قامت لوگ تو سات فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔ عبدالغفار خاں مرحوم تو ساڑھے سات فٹ کے قریب طویل تھا۔ بہرحال تقصیر کوتاہ قامت کے لیے بولا جاتا ہے۔ لفظ قَصِیْر باب کَرُمَ یَکْرُمُ سے آتا ہے۔ جب یہ کہا جائے ھُوَ قَصِیْرٌ تو اس کا

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس بن ذویب ذہلی المتوفی ۲۵۸ھ

[2] نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے جبکہ زمانہ جاہلیت میں انکا نام عبدِشمس تھا۔ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے [3] مناوی ص ۱۴ (فیاض)

مطلب یہ ہے کہ وہ کوتاہ قامت آدمی ہے۔ اگر یہ لفظ باب نَصَرَ سے ہو تو اسکا معنیٰ کمی کرنا ہوتا ہے جیسے صلوٰۃ القصر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ۔ (النساء : ۱۰۱) جب تم سفر میں ہو تو نماز کو کم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی بحالتِ سفر تم نماز میں کمی کر سکتے ہو۔ گویا جب کسی لفظ کا باب تبدیل ہو جاتا ہے تو اُس کا معنیٰ بھی بدل جاتا ہے اور بعض اوقات ایک ہی باب والے لفظ کے متعدد معانی بھی آتے ہیں۔

علاوہ ازیں قصّار دھوبی کو بھی کہتے ہیں، جو کپڑوں کو دھوتے وقت کوٹتا ہے، اور انھیں زور زور سے پھٹے پر مارتا ہے۔ وہ بھی اسی مادے سے آتا ہے مگر یہاں باب کَرُمَ یَکْرُمُ سے آیا ہے۔

ایک شخص کی بیوی ذرا بدشکل تھی، اس کی مذمت کرتے ہوئے اس نے کہا، اس کی حالت یہ ہے کہ:[1]

ذَقَنٌ نَاقِصٌ وَّأَنْفٌ غَلِيظٌ ۔۔۔ وَجَبِينٌ كَسَاحَةِ الْقِسْطَارِ

یعنی اس کی ٹھوڑی عیب دار اور ناقص ہے، ناک غلیظ اور موٹی ہے اور پیشانی ایسی ہے جیسے سُنار کا پھٹا ہوتا ہے جس پر ترازو اور سامان رکھا جاتا ہے۔

اور اس کے قد کی مذمّت میں اس نے یہ کہا:[2]

قَامَتُهُ الْقُصُعُلِ الضَّئِيلِ وَكَفٌّ ۔۔۔ خِنْصَرَاهَا كَذَيْنَقَا قَصَّارِ

اس کا قد تو حقیر بچھو جتنا چھوٹا ہے اور چھنگلیاں (اس کے ہاتھ کی چھوٹی انگلیاں) دھوبی کے پھٹے یا دھوبی کے موٹے ڈنڈے کی طرح ہیں جس کے ساتھ یا جس کے اوپر وہ کپڑے کوٹتا ہے۔ بہرحال قصص کوٹنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے مگر اس حدیث میں یہ لفظ باب کَرُمَ یَکْرُمُ سے ہے جس کا معنیٰ کوتاہ قامت ہے۔

۲۔ رنگِ مبارک

یہ تو آپ کے قد و قامت کا بیان ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نہ تو زیادہ لمبے قد والے تھے اور نہ ہی چھوٹے قد والے تھے بلکہ آپ کا قد مبارک مناسب طور پر کسی قدر درازی کی طرف مائل تھا۔ اب اگلا بیان

---

[1] حماسہ باب مذمۃ النساء صفحہ ۳۶۴ ، [2] حماسہ باب مذمۃ النساء صفحہ ۳۶۵ (فیاض)

آپ کے رنگ مبارک کے متعلق ہے۔ اس حدیث مبارک کے الفاظ یہ ہیں : وَلَا بِالْاَبْیَضِ الْاَمْهَقِ نہ تو آپ کا رنگ بالکل سفید تھا۔ امہق بالکل سفید چیز چونا یا کاغذ وغیرہ کو کہتے ہیں جو سُرخی یا سیاہی کی طرف مائل نہ ہو، بلکہ آپ کا رنگ مبارک ایسا تھا جیسے سفیدی میں سُرخی ملی ہُوئی ہو۔ ایسا رنگ بڑا خوب صُورت اور پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ آگے الفاظ ہیں : وَلَا بِالْاٰدَمِ اور نہ ہی آپ کا رنگ گندم گوں تھا، آدم دراصل اَءْدَمَ تھا جس کے دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے لیے الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اُدمت اس رنگ کو کہتے ہیں جس میں گندم گونی ہو یعنی سیاہی کا عنصر کچھ زیادہ ہو۔ آگے ہلکی گندم گونی کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ غرضیکہ آپ کا رنگ مبارک ایسا بھی نہیں تھا جس میں گندم گونی زیادہ ہو۔ امام شافعیؒ[1] نے تو اس شخص کی تکفیر کی ہے جو کہتا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رنگ کالا تھا۔ کیونکہ یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بالکل خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رنگ سُرخ و سفید تھا جس میں کسی قدر گندم گونی پائی جاتی تھی۔

۳۔ بال مُبارک

حضرت انسؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں کے متعلق فرماتے ہیں وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ، جَعْدٌ۔ جُعُودَتٌ کا معنیٰ جسم کی مضبوطی ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا معنی بالوں کا گھنگھریالہ پن بھی ہوتا ہے یعنی شکستہ بال ہونا، اور قطط اس کی صفت ہے یعنی شدید الجعودۃ ہونا یعنی آپ کے بالوں میں زیادہ شکستگی نہیں تھی بلکہ معمولی سی شکستگی تھی۔ دوسرے لفظوں میں آپ کے بال زیادہ گھنگھریالے نہیں تھے بلکہ آگے سے تھوڑے سے مڑے ہُوئے تھے وَلَا بِالسَّبِطِ اور نہ ہی بال مبارک بالکل سیدھے تھے۔ یہ لفظ تین طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ یعنی سَبَطٌ، سَبِطٌ اور سَبْطٌ مطلب یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بال مبارک بالکل سیدھے بھی نہیں تھے، بلکہ ان میں کسی قدر شکستگی پائی جاتی تھی۔ ان مشکل الفاظ کی تشریح آگے خود امام ترمذیؒ نے بھی کی ہے۔

---

[1] مناوی ص۱۵ (فیاض)

بعثت نبوی بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَاْسِ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً۔ اللہ تعالے نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ رأس کا عام فہم معنی سر ہوتا ہے، اور کبھی یہ لفظ انتہا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسے کلام میں محض ربط پیدا کرنے کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت سے متعلق تین قسم کی روایات ملتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ چالیسویں سال کے وسط میں یا چالیسویں سال کے آخر میں۔ بہرحال جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السّلام کو مبعوث فرمایا۔ ویسے تو آپ کی نبوت و رسالت ازل سے ثابت تھی، اور عالم برزخ میں بھی ثابت تھی، لیکن اس مادی جہان میں آکر جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی تو آپ کو وصف نبوت و رسالت مبعوث فرمایا گیا۔

عُمرِ مُبارک فَاَقَامَ بِمَکَّۃَ عَشْرَ سِنِیْنَ آپ نبوت کے ملنے کے بعد شہر مکہ میں دس سال تک مقیم رہے۔ وَبِالْمَدِیْنَۃِ عَشْرَ سِنِیْنَ اور آپ مدینہ طیبہ میں بھی دس سال تک رہے۔ جب آپ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے تو وہاں دس سال تک قیام کیا۔ فَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَاْسِ سِتِّیْنَ سَنَۃً۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ سال کی عمر میں اس دُنیا سے اُٹھا لیا۔

یہاں پر تھوڑا سا اشکال پیدا ہوتا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق بعثت کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تیرہ سال تک مکہ میں اور دس سال تک مدینہ میں مقیم رہے اس لحاظ سے آپ کی عمر مُبارک تریسٹھ سال بنتی ہے اور بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں بھی آپ کی یہی عُمر مبارک مذکور ہے۔ دراصل آپ کی عمر کے متعلق تین قسم کی روایات ملتی ہیں یعنی ساٹھ سال، تریسٹھ سال اور پینسٹھ سال۔ ایسی روایات کی پوری تحقیق کرنی چاہیے۔ کیونکہ اسی قسم کی متضاد روایات کا سہارا لے کر منکرین حدیث، حدیث کا ہی انکار کر دیتے ہیں اور اس سارے بیش قیمت ذخیرہ کو ڈھکوسلوں کا نام دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ اصل میں علمی ناواقفیت کا نتیجہ

ہوتا ہے۔ پہلے حدیث کا مطلب اور محدثین کی اصطلاح کو سمجھو۔ اگر پھر بھی بات سمجھ میں نہ آئے تو بے شک اعتراض کرو۔ بغیر سوچے سمجھے اعتراض کو بے وقوفی پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے اصل بات یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ تیرہ سال مکّہ میں اور دس سال مدینہ میں اقامت پذیر رہے اور اس طرح ترلیسٹھ سال کی عمر میں آپ نے اس دُنیا سے رحلت فرمائی۔ اکثر روایات اسی بات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ساٹھ اور پینسٹھ سال والی روایات قابلِ توجیہ ہیں۔ ساٹھ سال والی روایات کی توجیہ یہ ہے کہ عرب لوگ اپنے محاورے میں کسر کا ذکر نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف اصل عدد کو لے کر کسر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس روایت میں مکّہ میں تیرہ سال قیام کو دس سال کہا گیا ہے اور عمر مُبارک کو ترلیسٹھ کی بجائے ساٹھ سال پر محمول کیا گیا ہے۔ اسی طرح پینسٹھ سال کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات عرب لوگ ولادت اور وفات کے سال کو الگ شمار کرتے ہیں۔ آپ کی صحیح عمر مبارک تو ترلیسٹھ سال ہی ہے مگر ولادت اور وفات کے سال کو اگر الگ شمار کر لیا جائے تو وہ پینسٹھ سال ہو جائیں گے۔ اس لحاظ سے بعض روایات میں پینسٹھ سال کا ذکر بھی ملتا ہے اس طریقہ سے مختلف روایات کی تطبیق ہو جاتی ہے۔

سفید بال حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رحلت ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی وَلَیْسَ فِیْ رَأْسِہٖ وَلِحْیَتِہٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَۃً بَیْضَآءَ اور اس وقت تک آپ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔ اگر بغور سفید بالوں کو شمار کیا جاتا تو سترہ، اٹھارہ کے قریب ہوں گے یا زیادہ سے زیادہ انیس ہو سکتے ہیں، بیس بہر حال نہیں تھے۔ دراصل مراد یہ ہے کہ آپ کے بہت تھوڑے بال سفید ہوئے تھے حالانکہ بالوں کی سفیدی کے اسباب تو موجود تھے۔ آگے اس کتاب میں بھی اور دیگر کتب احادیث (ترمذی ص۳۷۳، مستدرک حاکم ص۳۴۳ ج۲) میں آپ کا یہ فرمان موجود ہے۔ شَیَّبَتْنِیْ

سُوْرَۃُ ھُوْدٍ وَّالْوَاقِعَۃُ وَالْمُرْسَلٰتُ ۔ یعنی سورۃ ہود، واقعہ اور مرسلات میں بیان کردہ آخرت کے واقعات نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام کے بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی کے اسباب تو موجود تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بھی محفوظ رکھا۔ بالوں کا سفید ہو جانا کوئی معیوب چیز نہیں بلکہ یہ تو وقار کی علامت ہے۔ روایت ہے: اَوَّلُ مَنْ شَابَ اِبْرَاھِیْمُ کہ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السّلام کی داڑھی مبارک میں سفید بال آئے تھے، آپ سے پہلے کسی شخص کو سفید بال نہیں آئے۔[1]

ابراہیم علیہ السّلام سفید بال دیکھ کر حیران ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا، پروردگار! یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو وقار کی علامت ہے اس پر ابراہیم علیہ السّلام نے دعا کی تھی کہ مولا کریم! اگر یہ وقار ہے اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ وَقَارًا۔ تو اس وقار میں اضافہ فرما۔ اسی لیے تو اسلام کی حالت میں کبر سنی کو پہنچنے والے آدمی کی فضیلت آئی ہے۔ ارشاد ہے[1]: مَنْ شَابَ فِی الْاِسْلَامِ شَیْبًا جو شخص اسلام کی حالت میں بڑی عمر کو پہنچا اور اس کے بال سفید ہو گئے۔ بشرطیکہ اس کی زندگی فی سبیل اللہ یعنی اچھے کام انجام دیتے ہوئے گزری ہو تو اس پر بھی اجر ہے۔ گویا ایک مسلمان آدمی کے لیے سفید بال آنا اس کی کامیابی کی علامت ہے۔

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام طور پر عورتیں سفید بال آجانے کو پسند نہیں کرتیں بلکہ اسے معیوب سمجھتی ہیں۔ کہ خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو زیادہ سفید بال آنے سے بھی محفوظ رکھا۔ آگے ذکر آئے گا کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بالوں میں تیل لگا کر کنگھی کرتے تھے تو یہ تھوڑے سے سفید بال بھی نظر نہیں آتے تھے۔

عورتوں کے علاوہ شاعر لوگ بھی سفید بال آنے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے:

---

[1] جمع الوسائل صـ ۱۳ ج۱ و ترمذی صـ ۲۹۳ ج۱ (فیاض)

ــه[1] وَالشَّيْبُ شَيْنٌ لِمَنْ اَرْسٰى بِسَاحَتِهٖ
لِلّٰهِ دَرُّ السَّوَادِ اللِّمَّةِ الْخَالِيْ

اور بالوں کی سفیدی (بڑھاپا) تو عیب ہے جس کے صحن میں اُتر پڑے۔ اللہ تعالےٰ نے خوبی رکھی ہے کالے بالوں اور کالی زلفوں میں جو عمر کے پہلے حصّے میں ہوتی ہیں۔

بہرحال عورتیں ہوں یا شاعر، ان کو سفید بالوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ایسے عیوب سے بھی محفوظ رکھا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔

---

[1] دیوان عبید بن الابرص صہ۱۰۲ (فیاض)

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً وَّلَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ حَسَنَ الْجِسْمِ وَكَانَ شَعْرُهٗ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَّلَا سَبْطٍ اَسْمَرَ اللَّوْنِ اِذَا مَشٰى يَتَكَفَّاُ ۔　(ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

ترجمہ: ”ہمارے پاس بیان کیا حمید بن مسعدۃ بصری نے ، اُن سے بیان کیا عبدالوہاب ثقفی نے ۔ انھوں نے حمید سے ، اُنھوں نے روایت کی حضرت انس بن مالکؓ سے ، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قد مبارک درمیانہ تھا ، آپ نہ تو نمایاں لمبے قد والے تھے اور نہ ہی کوتاہ قامت ۔ آپ کا جسم مبارک بڑا حسین تھا ، اور آپ کے بال مبارک نہ تو زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے ، آپ کا رنگ مبارک ہلکا سا گندم گونی تھا ۔ جب آپ چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ ڈھلوان کی طرف اُتر رہے ہیں ۔“

قرأتِ حدیث کا طریقہ

دیکھو اب میں آپ کو حدیث پڑھنے کا طریقہ بھی بتلاؤں ۔ جب حدیث پڑھنے لگو تو اس طرح شروع کرو ، وَبِہٖ قَالَ ۔ یہ الفاظ حدیث کا اصل متن شروع کرنے سے پہلے کہو ، اس کے بعد پڑھو حَدَّثَنَا ..... ان زائد الفاظ کا مطلب یہ ہے بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلَی الْاِمَامِ التِّرْمِذِيِّ کہ ہم یہ حدیث امام ترمذیؒ تک سندِ متصل کے ساتھ پڑھ رہے ہیں ۔ سندِ متصل سے مراد سلسلہ شیوخ ہے

جن کے واسطہ سے آپ شمائل ترمذی پڑھ رہے ہیں۔ آپ یہ کتاب مجھ سے پڑھ رہے ہیں اور میں نے آپ کو سندِ متصل بتا دی تھی کہ میرے شیخ مولانا اعزاز علیؒ (المتولد ۱۳۰۰ھ والمتوفی ۱۳۷۴ھ) تھے جن سے میں نے یہ کتاب دارالعلوم دیوبند میں پڑھی اور پھر اُن کے بہت شیوخ جن کے بڑے شیخ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ تھے۔ اسی سند کے ساتھ ہم یہ کتاب پڑھ رہے ہیں۔ لہٰذا آپ جب بھی آئندہ حدیث پڑھنا شروع کریں، وَبِہٖ قَالَ کے الفاظ کے ساتھ شروع کریں۔ اس کے بغیر تو آدمی مبہوت و حیران ہو جاتا ہے کہ اس کے شیخ کا ہی پتہ نہیں کہ وہ کون ہے؟

شہر بصرہ کی تاریخ امام ترمذیؒ اپنے استاذ حمید ابن مسعدۃ بصری سے روایت بیان کرتے ہیں۔ ان کو حمید ابن مسعدۃ بَصری، بِصری اور بُصری تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔ موجودہ بصرہ شہر حضرت عمر ابن الخطابؓ (المتوفی ۲۳ھ) خلیفہ ثانی کے عہدِ خلافت میں ان کے حکم سے آباد ہوا۔ دراصل اس جگہ پہلے بھی کسی زمانہ میں ایک عظیم شہر آباد تھا مگر وہ حوادثاتِ زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پرانے شہر کے کچھ کھنڈرات پائے جاتے تھے مسلمانوں نے وہاں پر ایک نیا شہر آباد کیا۔

قدیم بصرہ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے یہاں ہمارے ہاں تقریباً تین ہزار سال پہلے ٹیکسلا ایک بہت بڑا شہر ہوا کرتا تھا۔ پھر حوادثاتِ زمانہ نے اس کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا، اور اب اس کی جگہ ایک نیا شہر آباد ہو رہا ہے۔ پرانے زمانے کے کھنڈرات کی کھدائی ہوتی رہتی ہے جس سے مہاتما بدھ کے زمانے کی تہذیب کے بہت سے آثار ملے ہیں۔

اسی طرح قدیم بصرہ کی تباہی کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۱۷ھ میں بصرہ شہر نئے سرے سے آباد ہوا۔ اسی طرح ۱۸ھ میں مسلمانوں نے کوفہ کا نیا شہر بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد کیا۔ ان دونوں شہروں نے بڑی ترقی کی اور عرصہ دراز تک علم و تہذیب کے مرکز بنے رہے ان دونوں شہروں میں بہت سے صحابہؓ بھی آکر

آباد ہو گئے۔ تاریخی روایت کے مطابق صرف کوفہ میں ایک ہزار چار سو صحابہؓ نے اقامت اختیار کر لی تھی۔ اس حدیثِ مبارکہ کے راوی حضرت انس بن مالکؓ صحابی اور خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بصرۃ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور یہیں انھوں نے وفات پائی۔

حمید ابن مسعدۃ بصریؒ حمید ابن مسعدۃ بصری ثقہ راوی ہیں (المتوفی ۲۴۴ھ) یہ کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ (ابو محمد) عبدالوہاب ثقفی (المتولد ۱۰۸ھ و المتوفی ۱۹۴ھ) نے ہم سے بیان کیا ان کا تعلق قبیلہ بنی ثقیف سے تھا۔ یہ بھی اکثر محدثین کے عظیم المرتبت استاذ ہوئے ہیں ان کے استاذ اور شیخ حمید ہوئے ہیں۔ یہ حمید الطویل کے نام سے مشہور تھے کیونکہ یہ لمبے قد والے تھے۔ ان کے پڑوس میں اسی نام کے ایک دوسرے شخص حمید القصیر کہلاتے تھے کیونکہ اُن کا قد چھوٹا تھا۔ اس راوی کے اس نام میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ شارحین اور اسماء الرجال والوں نے اس کے کئی ایک نام ذکر کیے ہیں۔ جن میں تیرؔوَیہ، دادوَیہ اور رادوَیہ بھی آتے ہیں بعض نے اس کا نام طرخان، بعض نے مہران اور عبداللہ، بعض نے عبدالرحمٰن اور بعض نے مخلد ذکر کیا ہے۔ آگے کہیں کہیں یہ نام بھی آئیں گے۔ بہرحال یہ راوی حمید الطویل کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ تابعین میں سے ہیں۔ انؒ کے متعلق عجیب وغریب واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کی وفات (۱۴۲ھ یا ۱۴۳ھ) میں نماز میں کھڑے کھڑے ہی ہو گئی (یہ اگر کسی میت کے پاس کھڑے ہوتے تو ان کا ایک ہاتھ میت کے سر اور دوسرا ہاتھ میّت کے پاؤں تک پہنچ جاتا تھا)[1] انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے۔

قدِ مُبارک حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک درمیانہ تھا۔ یاد رہے کہ یہاں پر کَانَ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رَبْعَةً اس کَانَ کی پہلی خبر ہے۔ اس لفظ کو رَبْعًا بھی پڑھتے ہیں اور رَبَعَةً بھی، اور اس کی جمع ربوعات آتی ہے۔ ربعہ کا معنی مکان بھی ہوتا ہے، اور

[1] المواهب اللدنیہ صلا (فیاض)

درمیانے قد والا بھی۔ آگے رَبعَۃ اور مَربُوعًا بھی آئے گا۔ وَلَیسَ بِالطَّوِیلِ وَلَا بِالقَصِیرِ نہ تو آپ دراز قد تھے اور نہ ہی آپ کوتاہ قامت تھے مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام درمیانے قد والے تھے۔ پہلی روایت میں بھی آچکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نہ تو نمایاں طور پر طویل القامت تھے اور نہ کوتاہ قامت، اب مزید تفصیلات بھی شامل کرلیں کہ آپ درمیانے قد کے تھے تاہم اعتدال کے ساتھ کسی قدر درازی کی طرف رجحان تھا۔

خوبصورت جسم آگے فرمایا حَسَنَ الجِسمِ آپ کا جسم مبارک بڑا خوبصورت تھا۔ حُسن ایک اضافی چیز ہے جس کا معیار مختلف اقوام اور مختلف خطوں میں مختلف رہا ہے۔ مثلاً عربوں کے ہاں حسن کا معیار اور ہے جب کہ جبشیوں کے ہاں اس کا معیار کچھ اور ہے، یورپی باشندے حسن کو کسی اور نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں جب کہ برصغیر کے لوگوں کا معیار کچھ دوسرا ہے۔ اسی طرح چینی، جاپانی، ویتنامی وغیرہ چپٹی ناک کو پسند کرتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ کھڑی ناک کو خوب صورت سمجھتے ہیں۔ بہرحال حسن کی مکمل تعریف ممکن نہیں۔ تاہم بعض شارحین کہتے ہیں۔ کُلُّ مُبتَھِجٍ مَرغُوبٍ[1]۔ یعنی ہر بارونق اور مرغوب چیز کو حسین کہا جاتا ہے۔ گویا حسن کا معنیٰ جسم کے اعضاء کا متناسب ہونا ہے اس لحاظ سے بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی اُونچ نیچ یا کجی نہیں تھی، اور آپ کا جسم مبارک حسین کی تعریف میں اوّل نمبر پر آتا ہے۔ اطباء کے استاذ الشیخ الرئیس ابوعلی[2] بن سینا جو چوتھی صدی میں ہوئے ہیں، انھوں نے صاف لکھا ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم اَعدَلُ البَشَرِ تھے یعنی پوری نوعِ انسانی میں آپ معتدل ترین شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے یہ گواہی اخلاقی، اعضا کے تناسب اور جسمانی قویٰ غرضیکہ ہر چیز کو سامنے رکھ کر دی ہے۔

شاعر لوگ بھی حسن کی ٹھیک ٹھیک تعریف کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ بھی

---

[1] مناوی صفحہ ۱۴۰ ، [2] المتولد ۳۷۰ھ والمتوفی ۴۲۸ھ (فیاض)

کہتے ہیں : ؎

جہل خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے
حُسن وہی حُسن ہے ظالم
جو ہاتھ لگائے ہاتھ نہ آئے (جگر)

الغرض حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جسمِ مبارک، قدوقامت، رنگ ڈھنگ، عادات وخصائل اور تناسبِ اعضا کے لحاظ سے نہایت ہی خوبصورت تھا۔

دیگر صفات

حدیث کے الفاظ ہیں۔ وَكَانَ شَعْرُهٗ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَّ لَا سَبْطٍ آپ کے بال مبارک نہ تو زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے۔ آپ کے حلیہ مبارکہ کا یہ پہلو پہلی حدیث میں بھی آچکا ہے اس کے بعد حضرت انسؓ کہتے ہیں : اَسْمَرَ اللَّوْنِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک ہلکا گندم گونی تھا یعنی معمولی سا گندم گونی جس میں سُرخی کی ملاوٹ ہو، اس کو سمرا کہتے ہیں البتہ شدید گندم گوں رنگ ادمت کہلاتا ہے جو کہ حُسن کے منافی ہوتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ ہلکا گندم گونی تھا۔

آگے حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں : اِذَا مَشٰى يَتَكَفَّأُ جب آپ چلتے تھے تو آگے کی طرف جھک کر، گویا ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں۔ تَكَفَّأَ يَتَكَفَّأُ کے تین معانی آتے ہیں یعنی تیزی سے چلنا، آگے کی طرف جُھک کر چلنا اور قدم اُٹھا کر چلنا۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات مبارکہ ان تینوں صفات کی حامل تھی۔ جب آپ چلتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ ڈھلوان کی طرف جا رہے ہیں جب کوئی آدمی نچلی سطح کی طرف جا رہا ہو تو وہ قدرتی طور پر تھوڑا سا آگے کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ صفت قرآنِ پاک میں بھی بیان کی ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان : ۶۳) خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر متکبر لوگوں کی طرح اکڑ کر نہیں بلکہ نہایت وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔

آپ کی چال میں تیز رفتاری کی صفت بھی پائی جاتی تھی۔ صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی چال میں یہ صفت قدرتی طور پر تھی۔ دوسری روایات میں آگے چل کر آپ یہ بھی پڑھیں گے کہ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چال مبارک ایسی تھی کہ جب آپ عام چال سے بھی چلتے تھے تو ہم لوگ گویا دوڑ رہے ہوتے تھے۔ اس لفظ کا تیسرا معنیٰ قدم اُٹھا کر چلنا ہے۔ اور یہ صفت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم میں پائی جاتی تھی۔ آپ عورتوں کی طرح پاؤں گھسیٹ کر نہیں بلکہ قدم اُٹھا کر باوقار مردانہ چال سے چلتے تھے۔ غرضیکہ یَتَکَفَّأُ میں پائے جانے والے تینوں معانی آپ کی ذاتِ مبارکہ پر صادق آتے ہیں اور ہر صفت میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت مخفی تھی۔

باب : ۱

شمائل ترمذی

حدیث : ۳

درس : ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يَعْنِي الْعَبْدِيَّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَرْبُوعًا بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ عَظِيمَ الْجُمَّةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا محمد بن بشار یعنی عبدی نے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ اُنھوں نے شعبہ سے روایت بیان کی۔ انھوں نے ابی اسحٰق سے روایت نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم میانہ قامت مرد تھے۔ آپ کے کندھوں کے درمیان کسی قدر فاصلہ تھا۔ آپ کے سر مبارک کے بال مبارک بڑے تھے جو کانوں کی لَو تک آتے تھے آپ نے سُرخ رنگ کا سوٹ زیبِ تن کیا ہوا تھا۔ میں نے حضور علیہ السّلام سے زیادہ حسین چیز کبھی نہیں دیکھی۔"

راوی محمّد بن بشار عبدیؒ

پہلی دو روایات حضرت انسؓ سے منقول تھیں۔ اب یہ تیسری روایت حضرت براء بن عازبؓ[۱] سے ہے یہ روایت امام ترمذیؒ نے اپنے استاذ محمد بن بشار عبدیؒ[۲] سے نقل

---

[۱] ابوعمارہ کنیت ہے المتوفی ۷۲ھ۔ [۲] ابوبکر کنیت ہے المعروف بندار معناہ سوق العلم المتوفی ۲۵۲ھ۔ (قیاض)

کی ہے۔ یہ بھی مشہور و معروف محدّث اور تمام صحاح ستّہ والوں کے استاذ ہیں۔ اسی لیے آپ استاذ الاساتذہ کہلاتے ہیں۔ آپ حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں۔ امام ابوداؤدؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) نے کہا ہے[1] میں نے ان سے پچاس ہزار احادیث لکھی ہیں بلکہ ہے۔ کَتَبْتُ عَنْہُ خَمْسِیْنَ اَلْفَ رِوَایَۃً یعنی میں نے اس شیخ سے پچاس ہزار روایتیں نقل کی ہیں۔ آپ عظیم المرتبت محدّث اور حافظ الحدیث تھے جن کو بہت حدیثیں زبانی یاد تھیں۔

اس حدیث کی سند امام ترمذیؒ نے اس طرح شروع کی ہے۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ یَعْنِی الْعَبْدِیُّ ہمارے پاس بیان کیا محمد بن بشار یعنی عبدی نے۔ اس یعنی نے آکر یہاں پر کچھ خرخشہ ڈال دیا ہے کہ اس کا فاعل کون ہے؟ ظاہر ہے کہ یعنی کے فاعل امام ترمذیؒ تو نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ تو خود سند بیان کر رہے ہیں۔ البتہ سکاکی[2] کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ بطورِ التفات اپنے آپ کو غائب بنا دیا جائے اگر ایسا ہے تو پھر یعنی کے فاعل خود امام ترمذیؒ ہیں۔ یہ توجیہہ کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ زیادہ صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی بہتر توجیہہ یہ ہو سکتی کہ یعنی عبدی کے الفاظ امام ترمذیؒ کے تلامذہ میں سے محبوب مروزی یا کسی دوسرے شاگرد کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ ترمذیؒ محمد بن بشار سے عبدی مراد لیتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ عبدِ قیس کے ساتھ تھا۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ محمد بن بشار اور بھی تھے، لہٰذا عبدی کہہ کر اُن کو خاص کر دیا گیا ہے۔

لفظ یعنی خود امام ترمذیؒ کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے مگر مجہول طریقے سے۔ اور وہ اس طریقے سے کہ اُنھوں نے خود کہا ہو مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ یُعْنَی الْعَبْدِیُّ یہ روایت محمد بن بشار سے منقول ہے جس سے عبدی محمد بن بشار مُراد لیا جائے۔ یہ تاویل بھی دُرست ہے۔

اس لفظ کی ایک اور تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لفظ یعنی کو حرفِ تفسیر کے طور پر

---

[1] مناوی ص ۱۵ ، [2] ابو یعقوب کنیت ہے یوسف بن محمد نام ہے المتولد ۵۵۵ھ و المتوفی ۶۲۶ھ۔ (فیاض)

تسلیم کر لیا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح لفظ آئ کسی چیز کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی درست ہے جس کا مطلب ہے کہ امام ترمذیؒ کہہ رہے ہیں، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَیِ الْعَبْدِیُّ ہم سے محمد بن بشارؒ نے بیان کیا جو قبیلہ عبد قیس کا ایک فرد تھا۔ یاد رہے کہ عربی زبان میں آئ کی بجائے یعنی کا استعمال بالکل اسی طرح ہے جیسے بعض اوقات لَا کی بجائے لَیْسَ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

آپ نے متنبی میں پڑھا ہوگا۔ میرا ممدوح بڑا سخی ہے۔

؎ وَیَظُنُّ دِجْلَۃَ لَیْسَ تَکْفِیْ شَارِبًا (متنبی ص۳)

وہ خیال کرتا ہے کہ اُس کے طالبین کے لیے دجلہ کا پانی بھی کفایت نہیں کرے گا۔

یہاں بھی اصل میں لَا تَکْفِیْ تھا جسے لَیْسَ تَکْفِیْ سے بدل دیا گیا ہے۔

الغرض! ان تاویلات کی روشنی میں اس حدیث میں یَعْنِیْ کے لفظ کے استعمال پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

بعض کہتے ہیں کہ لفظ یَعْنِیْ اصل میں اَعْنِیْ یا نَعْنِیْ تھا۔ اور یہ خود امام ترمذیؒ کا لفظ ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد بن بشار وہ ہے جس سے میری مراد عبدی ہے کیونکہ اس کا تعلق قبیلہ عبد قیس سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اصل لفظ یہی ہو مگر کاتب نے لکھتے وقت اَعْنِیْ یا نَعْنِیْ کو یَعْنِیْ بنا دیا ہو۔ آگے چل کر میں آپ کو کاتبوں کی بڑی بڑی کرامات سے آگاہ کروں گا۔ بہرحال یعنی کی زیادہ بہتر تاویل یہی ہے کہ یہ لفظ آئ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

راوی محمد بن جعفرؒ

آگے محمد بن بشار عبدی کہتے ہیں: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ہمارے پاس محمد بن جعفرؒ[1] نے روایت بیان کی۔ یہ بھی بڑا ثقہ راوی ہے۔ بڑا متدین اور عبادت گزار آدمی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ایک بڑی خوبی[2] یہ تھی یُفْطِرُ یَوْمًا وَّ یَصُوْمُ یَوْمًا کہ ایک دن افطار کرتا تھا اور ایک دن روزہ رکھتا تھا۔ ان کے حالات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیسے

---

[1] ابو عبداللہ کنیت ہے۔ المعروف غندر معناہ محرک الشر المتوفی ۱۹۳ھ۔

[2] مناوی ص۱۹۱ (فیاض)

خدا پرست لوگ تھے جو کہ بعد کے ادوار میں بالکل ہی معدوم ہو گئے۔ یہ تو اُس زمانے کے عام لوگوں کا حال ہے جب کہ وہاں تو بڑے بڑے عبادت گزار لوگ ہوا کرتے تھے۔

راوی شعبہ بن حجاجؒ

اس سند کے اگلے راوی شعبہ بن حجاج ہیں چنانچہ محمد بن جعفر کہتے ہیں حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ ہمارے پاس شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا۔ راوی شعبہ[1] بن حجاجؒ امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر اور ان کے مداح تھے۔ آپ بڑے پائے کے محدّث اور امام تھے۔ آپ کو اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ کہا جاتا ہے انھوں نے ابی اسحٰقؒ[2] سے روایت بیان کی ہے یہ تابعین میں سے ہیں اور بڑے عبادت گزار تھے۔ رات کو بہت زیادہ قیام کرتے تھے۔ یہ نہ صرف مصلّے پر راتیں گزارتے تھے بلکہ اپنے دن میدان جہاد میں بھی بسر کرتے تھے اُن کے دور میں جب بھی جہاد کا اعلان ہُوا، یہ پیچھے نہیں رہے۔ موجودہ دور کے علماء کی طرح یہ لوگ محض بیٹھ کر وقت نہیں گزارتے تھے بلکہ ہمیشہ مصروفِ عمل رہتے تھے۔

میانہ قد مرد

قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ یَقُوْلُ۔ ابی اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازبؓ صحابی رسول کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَّرْبُوْعًا کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم میانہ قد مرد تھے۔ حضرت براءؓ[3] صغار صحابہ میں سے ہیں اور ان کے والد عازبؓ بھی صحابی رسول ہیں۔ اس طرح گویا باپ اور بیٹا دونوں کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔

اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ آپ مرد میانہ قد تھے۔ بعض تنقید کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے

---

[1] شعبہ بن الحجاج بن بسطام (المتولد ۸۳ھ المتوفی ۱۶۰ھ) مناوی ص ۱۶

[2] نام عمرو بن عبد اللہ السبیعی الھمدانی الکوفی ہے۔ (المتوفی ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ)

[3] کنیت ابو عمارہ ہے ولد عام ولادۃ ابن عمرؓ و اول مشہد شہدہ الخندق نزل الکوفۃ و مات بہا سنۃ اثنتین وسبعین۔

مرد کا لفظ استعمال کرنا کوئی تعریف کا کلمہ نہیں ہے، اس لیے بعض نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ لفظ دراصل رَجُلًا نہیں بلکہ رَجِلًا ہے جس کے معنے کسی قدر بالوں کی شکستگی ہے ـــــ یہ روایت پہلی روایتوں سے اس لحاظ سے مربوط ہے کہ بالوں کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے کہ آپ کے بال مبارک کسی قدر گھنگھریالے تھے یعنی آپ کے بال نہ تو زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ کسی قدر شکستہ یا گھنگھریالے تھے۔ اب یہاں پر میانہ قد ہونے کا معنیٰ کیا گیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عربوں کے ہاں لفظ رَجُل مدح کے مقام میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آپ میں سے جس نے حماسہ پڑھا ہے اُس کو یاد ہوگا:

؎ رَجُلًا إِذَا مَا النَّائِبَاتُ غَشِيْنَهُ
أَكْفَىٰ لِمُعْضِلَةٍ وَّإِنْ هِيَ جَلَّتِ (حماسہ ص۹۳)

وہ ایسا مرد ہے کہ جب اُسے مصائب گھیر لیتے ہیں تو وہ کفایت کرتا ہے یعنی اُن کا مقابلہ کرتا ہے۔ گویا یہاں پر لفظ رَجُل (مرد) بطور تعریف استعمال کیا گیا ہے۔

بعض اوقات لفظ رَجُل بطور ربط و تمہید کے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے حالانکہ مستقل طور پر اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اصحابِ قریہ کی طرف مبعوث کیے گئے پیغمبروں کا کلام نقل کیا ہے۔ جب اُن کی قوم نے اُن کو اللہ کے پیغمبر اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو اُنھوں نے کہا: بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ (یٰسٓ: ۱۹) تم تو حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔ اصل مقصد تو اُن کو مُسْرِفُوْنَ کہنا تھا، مگر یہاں پر قوم کا ذکر بطور تمہید ذکر کیا گیا ہے تاکہ کلام کو مربوط بنا دیا جائے۔

پہلی روایت میں رَبْعَةً کا لفظ بھی گزر چکا ہے۔ مَرْبُوْعًا اور رَبْعَةً ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں یعنی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اعتدال کے ساتھ میانہ قد شخصیت تھے۔ آپ نہ تو زیادہ دراز قد تھے اور نہ ہی پست قد تھے بلکہ جیسا کہ دوسری روایت[۱] میں ہے وَهُوَ إِلَى الطُّوْلِ أَقْرَبُ آپ کے قد مبارک

[۱] مناوی ص۱۳۸ (فیاض)

میں کسی قدر درازی تھی۔ الغرض ! اس روایت میں آمدہ لفظ مَرْبُوعًا کا بھی یہی معنیٰ ہے۔

کشادہ کندھے

آگے فرمایا ہے بُعَیْدَ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان کسی قدر فاصلہ تھا۔ لفظ بُعَیْدَ مصغر اور مکبر" دونوں طرح استعمال ہوسکتا ہے۔ یعنی آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ اگر مکبر" استعمال کریں اور بَعِیْدَ پڑھیں تو اس کا معنیٰ ہوگا کہ آپ کے کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ گویا عام آدمیوں کی نسبت بہت زیادہ فاصلہ تھا اور اگر اس کو مصغر کرکے پڑھیں تو بُعَیْدَ ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ قدرے یا کسی قدر فاصلہ تھا، نہ کہ بہت زیادہ۔ گویا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کندھے مبارک نہ تو بالکل جُڑے ہُوئے تھے اور نہ بہت زیادہ کشادہ تھے بلکہ دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا، اور اسی تناسب سے سینہ مُبارک بھی عام آدمیوں کی نسبت کسی قدر کشادہ تھا۔

سر کے بال مُبارک

حدیث کے اگلے الفاظ ہیں عَظِیْمَ الْجُمَّةِ اِلٰی شَحْمَةِ اُذُنَیْهِ آپ کے سر کے بال مبارک بڑے تھے جو کانوں کی لَو تک آتے تھے۔ بعض نے اس کا ترجمہ گنجان کیا ہے۔ یعنی آپ کے بال مُبارک گنجان تھے۔ آگے چل کر بالوں کی تین حالتیں بھی بیان ہوں گی یعنی جُمَّۃٌ، لِمَّۃٌ اور وَفْرَۃٌ۔ اگر سر کے بال کان کی لَو تک آئیں تو اس کو وَفْرَۃٌ کہتے ہیں، اگر اس سے تجاوز کرکے گردن تک پہنچ جائیں تو لِمَّۃٌ کہیں گے اور اگر یہی بال کندھوں تک لمبے ہوجائیں تو جُمَّۃٌ کہلاتے ہیں جس کے لیے شارحین وَلَـجَ کی اصطلاح بھی استعمال کرتے ہیں۔ تاہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں کی مختلف اوقات میں مذکورہ تینوں حالتیں پائی جاتی تھیں۔ اگر آپ نے کسی وقت حجامت بنوائی تو بال کٹ کر کانوں کی ابتداء تک رہ جاتے تھے جس کو وَفْرَۃٌ سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر بال ایک ماہ تک نہیں کٹوائے تو وہ گردن

تک پہنچ کر لِمَّہ کہلاتے تھے۔ اگر بال کٹوانے میں کئی کئی ماہ کی تاخیر ہو جاتی تو بال مبارک مزید لمبے ہو کر کندھوں تک پہنچ جاتے جس کو جُمَّہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس روایت میں جُمَّہ کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جب راوی نے آپ سے ملاقات کی اُس وقت آپ کے بال مبارک کندھوں تک بڑھے ہوئے تھے۔ البتہ بال مبارک بالکل منڈوانے کا ذکر حجۃ الوداع والی حدیث میں آتا ہے۔ احرام کھولنے کے لیے آپ نے سر کے بال مبارک اُسترے کے ساتھ منڈوائے تھے کیونکہ اس موقع کے لیے یہ صورت افضل تھی۔ آگے پیچھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام عام طور پر بال رکھتے تھے جن کی مختلف صورتیں عرض کر دی گئی ہیں

البتہ یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اس روایت میں جُمَّہ کا لفظ بھی آیا ہے اور اس کی تفصیل میں اِلٰی شَحْمَةِ اُذُنَیْهِ بھی آیا ہے، حالانکہ بالوں کے کانوں تک آنے کی حالت کو وَفْرَہ کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں بعض اوقات بعض الفاظ ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال کر لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر وَفْرَہ کی بجائے جُمَّہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، تاہم مطلب یہی ہے کہ آپ کے بال مبارک کانوں کی لو تک آتے تھے۔

لباس مُبارک

حدیث کے اگلے الفاظ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لباس مبارک کا تذکرہ ہے۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ عَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءُ کہ جب میں نے حضور علیہ السّلام کو دیکھا اس وقت آپ سُرخ رنگ کا سُوٹ زیبِ تن کیے ہُوئے تھے۔ عربی زبان میں حُلَّہ اُس لباس کو کہتے ہیں جس میں دونوں کپڑے یعنی شلوار قمیص یا کُرتہ تہبند وغیرہ ایک ہی رنگ کے ہوں۔

اس حدیث کے الفاظ سے یہ بحث چھڑ جاتی ہے کہ مردوں کے لیے سرخ رنگ کا لباس پہننا کس حد تک دُرست ہے؟ بعض مَردوں کے لیے سُرخ رنگ کے لباس کو مکروہ قرار دیتے ہیں مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے البتہ

سُرخ زعفرانی یا کسنبہ رنگ مردوں کے لیے مکروہ تحریمی میں آتا ہے۔ محض سرخ رنگ ہلکے ہوں یا گہرے سب جائز ہیں۔ ہاں رنگ کی شوخی کی وجہ سے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا درست ہے۔ چنانچہ محدثین کرام حُلّةٌ حَمْرَآءُ کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ آپ کے لباس کا رنگ بالکل سُرخ نہیں تھا بلکہ دھاری دار تھا۔ حضور علیہ السّلام بعض اوقات یمن کے سُرخ دھاری دار کپڑے بھی زیبِ تن فرما لیتے تھے۔ لہٰذا اس مقام پر ان الفاظ کا یہی مطلب لیا جائے گا۔

حسن و جمال

آگے حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے حسین چیز کبھی نہیں دیکھی لفظ قَطُّ تاکید منفی کے لیے آتا ہے۔ یہ لفظ بول کر انسان تو کجا ہر چیز یعنی شمس و قمر، ستارے وغیرہ ہر چیز کی نفی کر دی گئی ہے کہ میں نے کبھی بھی کوئی چیز آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھی۔ گویا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ مبارکہ اَجْمَلُ اور اَحْسَنُ خَلْقِ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ یہ صرف مبالغہ آرائی نہیں بلکہ واقعہ اور نفس الامر ہی یہ ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس روایت میں شَیْئًا کی نہیں بلکہ اَحْسَنُ کی نفی کی گئی ہے یعنی اگر کوئی دوسرا شخص آپ سے زیادہ حسین نہ بھی ہو تو برابر تو ہو سکتا ہے جس کی نفی نہیں کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے کلام میں نفی استغراق مُراد ہوتی ہے یعنی بالکل آپ جیسا کوئی بھی نہیں تھا، نہ تو حُسن میں آپ کا کوئی ہمسر تھا اور نہ کسی اور لحاظ سے، گویا پورے طور پر آپ جیسا پوری دُنیا میں کوئی نہیں تھا۔

درس : ۴

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِيْ لِمَّةٍ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهٗ شَعْرٌ يَّضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالطَّوِيْلِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۲)

ترجمہ: ہمارے پاس محمود بن غیلان نے بیان کیا۔ انھوں نے کہاکہ ہمارے پاس وکیع نے بیان کیا۔ انھوں نے کہاکہ ہمارے پاس سفیان نے بیان کیا۔ انھوں نے ابو اسحٰق سے نقل کیا اور انھوں نے براء بن عازبؓ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی لٹوں والا آدمی جو سرخ سوٹ میں ملبوس ہو اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین ہو۔ آپ کے بال مبارک آپ کے کندھوں تک پہنچتے تھے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ آپ نہ تو پست قامت تھے اور نہ ہی دراز قامت ۔

شمائل ترمذی کی پہلی دو روایات حضرت انسؓ سے منقول ہیں اور پھر دو روایات حضرت براء بن عازبؓ سے آئی ہیں۔ آپ کی یہ دوسری روایت ہے۔

راویان محمودؒ اور وکیعؒ

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہمارے استاذ محمود بن غیلان[1] نے یہ روایت بیان کی۔ یہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے بھی استاذ اور شیخ الحدیث ہیں ۔

---

[1] کنیت ابو احمد المروزی ہے م ۲۳۹ھ (فیاض)

حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وکیع بن الجراح نے بیان کیا۔ یہ وکیع امام الجرح والتعدیل ہیں اور فقہی طور پر امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار تھے اور انھیں کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ (جمع الوسائل ص ۱۹/۱ج) (ابوزکریا) یحییٰ بن معین (المتولد ۱۵۱ھ والمتوفی ۲۳۳ھ) اور بعض دوسرے ائمہ جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے بھی بلندپایہ تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں امام ابوحنیفہ سے بہتر کوئی قول دستیاب نہیں ہوا۔ وکیعؒ نے بہت سی روایات امام ابوحنیفہؒ سے بھی سُنی تھیں۔ غرضیکہ یہ اکثر ائمہؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

راوی سُفیان ثوریؒ

حَدَّثَنَا سُفْیَانُ وکیع نے سُفیان سے روایت کی ہے یہاں پر سُفیان سے مُراد سُفیان بن سعید[۲] ثوری ہیں۔ ثور اُنکے آباء واجداد میں سے کسی کا نام ہوگا جس کی طرف نسبت کی گئی ہے یہ امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر تھے مگر آپ سے تقریباً دس سال بعد فوت ہوئے۔ اُنھوں نے بڑی بڑی تکالیف اُٹھائیں مگر سرکاری ملازمت اختیار نہیں کی۔ ابتداء میں امام ابوحنیفہؒ کے مخالف تھے کیونکہ لوگوں نے غلط پروپیگنڈا کر کے اِن کے کان بھر دیئے تھے۔ مگر جب بعد میں آپ پر امام ابوحنیفہؒ کے طریقِ علم اور مسلک کی حقیقت واضح ہوگئی تو آپ امام صاحبؒ کے مداح بن گئے۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کی طرح مجتہد تھے۔ ان کا اجتہاد امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد سے ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ جگہ جگہ کہتے ہیں قَالَ ثَوْرِیٌّ وَاَھْلُ کُوْفَۃَ یعنی امام ثوریؒ اور اہل کوفہؒ نے یوں کہا ہے۔ امام ترمذیؒ امام ثوریؒ کا نام تو اکثر لیتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ کا نام کم لیتے ہیں اور اہلِ کوفہ کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جسکی کئی ایک وجوہات ہیں۔

سفیان ثوریؒ اور سفیان[۳] بن عیینہؒ (المتولد ۱۰۲ھ والمتوفی ۱۹۸ھ) دونوں ثقہ راوی اور ہم ذوق بھی ہیں۔ یہ بھی امام بخاریؒ کے استاذ تھے، اور امام

---

[۱] کنیت ابوسفیان الرواسی الکوفی ہے (المتولد ۱۲۸ھ، المتوفی ۱۹۷ھ) [۲] ابوعبداللہ کنیت ہے (المتولد ۹۶ یا ۹۷ یا ۹۹ھ والمتوفی ۱۶۰ھ) [۳] کنیت ابواحمد ہے۔ (فیاض)

ابنِ عیینہؒ ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے بھی بعض روایات لی ہیں بلکہ یہ خود کہتے ہیں کہ مجھے تو ابوحنیفہؒ نے محدّث بنا دیا ہے جب آپ کوفہ آئے تو ایک روایت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ نے ان سے دریافت کیا۔ پھر مزید تحقیق کی تو ان کو شوق پیدا ہو گیا اور انھوں نے حدیث پڑھانی شروع کر دی، اور امام ابوحنیفہؒ کو دعائیں دینے لگے کہ انھوں نے مجھے محدّث بنا دیا۔ بہرحال سفیان ابن عیینہؒ بھی سفیان ثوریؒ کی طرح ثقہ امام تھے اور یہ ایک دوسرے سے بھی روایت لیتے تھے۔

سفیان ثوریؒ مقبولینِ الٰہی میں سے تھے ایک دفعہ[1] خلیفہ ابوجعفر (المتوفی ۱۵۸ھ) ان پر ناراض ہو گیا۔ وہ مکّہ مکرمہ کے سفر پر تھا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ میرے مکّہ پہنچنے سے پہلے دو لکڑیاں کھڑی کر دی جائیں تاکہ امام ثوریؒ کو سُولی پر لٹکایا جا سکے۔ اُس وقت سفیان بن عیینہؒ بھی مکّے میں تھے اور سفیان ثوریؒ بھی۔ لوگوں نے امام ثوریؒ کو مشورہ دیا کہ خلیفہ نے آپ کو سُولی پر لٹکانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ کہیں روپوش ہو جائیں۔ آپ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا، اور اس کی بجائے کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر نہایت عاجزی کے ساتھ دُعا کی کہ اے اللہ! اگر ابوجعفر مکّے میں داخل ہو گیا تو میں تو اس کعبے سے ہی بیزار ہو جاؤں گا۔ خدا کی قدرت ابوجعفر مکّے میں داخل ہی نہ ہو سکا اور اس طرح امام ثوریؒ سے یہ مصیبت ٹل گئی، اور آپ مکہ سے نکل کر کوفہ چلے گئے۔ اس طرح گویا آپ مستجابُ الدّعوات بھی تھے۔

انھوں نے روایت بیان کی ہے عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ جن کا ذکر پچھلی روایت میں آ چکا ہے۔ اور انھوں نے یہ روایت عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ حضرت براء بن عازبؓ صحابی رسُول سے لی ہے۔

بے مثال شخصیّت

قَالَ حضرت براءؓ کہتے ہیں مَا رَأَیْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّۃٍ فِیْ حُلَّۃٍ حَمْرَآءَ میں نے پٹوں والا سرخ سوٹ میں ملبوس کوئی آدمی نہیں دیکھا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جو اللہ کے رسول حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ

[1] جمع الوسائل ص۱۹ ج۱ (فیاض)

حسین ہو۔ لَہٗ شَعْرٌ یَّضْرِبُ مَنْکِبَیْہِ آپ کے بال مبارک آپ کے
کندھوں تک پہنچتے تھے۔ یاد رہے کہ یہاں پر یَضْرِبُ دراصل یَصِلُ کا معنی
دیتا ہے۔ پھر صحابی رسول نے یہ بھی بیان کیا بُعَیْدُ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ آپ
کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ لَمْ یَکُنْ بِالْقَصِیْرِ وَ
بِالطَّوِیْلِ آپ نہ تو کوتاہ قامت تھے اور نہ ہی دراز قد تھے، بلکہ آپ کا
مُبارک اعتدال کے ساتھ کسی قدر درازی کی طرف مائل تھا۔ یہ الفاظ گزشتہ حدیث
میں بھی آچکے ہیں جن کی تشریح کی جا چکی ہے۔

درس ۵

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ حَدَّثَنَا الْمَسْعُوْدِیُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِیْلِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ ضَخْمُ الرَّاْسِ ضَخْمُ الْکَرَادِیْسِ طَوِیْلُ الْمَسْرُبَةِ اِذَا مَشٰی تَکَفَّاَ تَکَفُّؤًا کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ اَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

ترجمہ:- ہمارے پاس بیان کیا محمد بن اسمٰعیل نے، اُن کے پاس بیان کیا ابونعیم نے، اُن کے پاس بیان کیا مسعودی نے، انھوں نے عثمان بن مسلم بن ہرمز سے انھوں نے روایت کی نافع بن جبیر بن مطعم سے جنھوں نے یہ روایت کی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ تو طویل القامت تھے اور نہ پست قامت، آپ کے ہاتھ مُبارک پُر گوشت تھے اور پاؤں مبارک بھی، آپ کا سر مُبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ آپ کے اعضا کے جوڑوں کے کنارے بھی بڑے تھے۔ آپ کے بالوں کی دھاری لمبی تھی۔ جب آپ چلتے تھے تو جُھک کر چلتے تھے گویا کہ آپ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ

جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔"

سندِ حدیث

یہ پانچویں روایت محمد بن اسمٰعیل[1] سے مروی ہے جو کہ امام بخاریؒ کے نام سے ایک معروف شخصیت ہیں۔ یہ دُنیا کے مشہور ترین امام اور محدّث ہیں۔ ان کا تعارف آپ پہلے سُن چکے ہونگے ان کی ایک خاص بات یہ ہے کہ کَانَ یَکْتُبُ بِالْیَمِیْنِ وَالْیَسَارِ۔ (جمع الوسائل ج۱) آپ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے اور انھوں نے ابو نعیم[2] سے روایت بیان کی۔ یہ بھی حافظ الحدیث تھے۔ انھوں نے مسعودی[3] سے نقل کیا ہے۔ یہ عبداللہ بن مسعودؓ صحابی رسول کی طرف نسبت ہے، غالباً ان کے خاندان کے فرد تھے۔ ان کا پورا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عقبہ بن عبداللہ بن مسعودؓ ہے اور عام طور پر مسعودی کے نام سے مشہور ہیں یہ بھی ثقہ امام ہیں، البتہ آخری عُمر میں پہنچ کر حافظہ میں کچھ اختلاط آگیا تھا جس کی وجہ سے یادداشت پوری طرح کام نہیں کرتی تھی۔

پھر مسعودی نے روایت بیان کی ہے عثمان بن مسلم بن ہرمز سے۔ کہتے ہیں کہ اس راوی میں قدرے ڈھیلا پن تھا مگر یہ ڈھیلا پن ناقابلِ اعتبار حد تک نہیں تھا۔ انھوں نے نافع بن جبیرؒ[4] سے روایت بیان کی ہے جو کہ تابعین میں سے ہیں۔ یہ بھی ثقہ راوی اور امام الحدیث ہیں۔

راوی علیؓ بن ابی طالب

نافع نے حضرت علیؓ[5] بن ابی طالب سے روایت بیان کی ہے جو کہ امیر المومنین اور خلیفہ رابع و راشد ہیں۔ آپ سات آٹھ سال کی عمر میں ایمان لائے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

---

[1] محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ الجعفی البخاری کنیت ابوعبداللہ ہے المتولد سنہ ۱۹۴ھ والمتوفی ۲۵۶ھ

[2] ابونعیم کنیت ہے اور فضل بن دکین نام ہے المتولد سنہ ۱۲۹ھ والمتوفی سنہ ۲۱۹ھ، [3] المتوفی سنہ ۱۶۰ھ

[4] کنیت ابو محمد ہے المتوفی سنہ ۹۹ھ۔

[5] کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے المتوفی سنہ ۴۰ھ۔ (فیاض)

کے زیرِ تربیت رہے۔ خلافت میں آپ کا چوتھا نمبر ہے مگر بعض لوگ اس میں تردّد کرتے ہیں۔ اس تردّد سے متعلق آگے بہت سے حقائق سامنے آئیں گے اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے تو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (المتوفّٰی ۱۲۹۷ھ) کا فارسی زبان میں ایک چھوٹا سا رسالہ پڑھ لیں جس کا نام "انتباہ المومنین" ہے۔ دراصل یہ رسالہ ترمذی شریف کی ایک حدیث[1] کی شرح ہے جس میں چاروں خلفائے راشدینؓ حضرات ابوبکر صدیق (المتوفّٰی ۱۳ھ)، عمر فاروق (المتوفّٰی ۲۳ھ)، عثمان غنی (المتوفّٰی ۳۵ھ) اور علی المرتضٰی (المتوفّٰی ۴۰ھ) رضی اللہ عنہم کے نام اکٹھے آئے ہیں۔ اس حدیث میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ چاروں حضرات تم کو ٹھیک راستے کی طرف لے جائیں گے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تم کچھ اختلاف بھی کروگے۔ غرضیکہ حضرت علیؓ کی شخصیت قدرے متنازعہ بن گئی تھی، اس کی تفصیلات آگے بہت سی احادیث میں آئیں گی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سوائے غزوۂ تبوک کے باقی تمام غزوات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ آپ بڑے بہادر، فقیہ اور قاضی تھے۔ بدر کی جنگ میں سب سے پہلے حضرت علیؓ ہی کافروں کے مقابلے میں آئے۔ آپ کے علاوہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چچا حضرت حمزہؓ (المتوفّٰی ۳ھ) اور ابو عبیدہؓ (المتوفّٰی ۱۸ھ) بھی اوّلین مجاہدین میں شامل ہیں۔ غزوہ تبوک میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ میں چھوڑ گئے تھے اور خود جہاد پر روانہ ہوگئے تھے اس موقع پر حضرت علیؓ نے عرض کیا تھا کہ حضور (میں ہر جنگ میں آپ کے ساتھ شریک جہاد رہا ہوں مگر اب آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا، علیؓ (گھبراؤ نہیں[2] اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی تم میری طرف سے ایسے ہی نائب ہو جیسے موسٰی علیہ السّلام نے اپنے بھائی ہارون

[1] ترمذی مع شمائل ص۵۳۳ و مشکوٰۃ مناقب العشرۃ الفصل الثالث ص۵۶۲۔ [2] ترمذی ص۲۱۴/۲ (فیاض)

علیہ السلام کو نائب بنا کر پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے مگر تم نبی تو نہیں ہو البتہ میرے نائب ضرور ہو۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد کی طرف آ رہے تھے کہ اس شخص نے آپ پر خنجر کا وار کر کے زخمی کر دیا اور آخر تین دن بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس دن روئے زمین پر اُن سے افضل کوئی آدمی نہ تھا اُس زمانے میں بہت سے صحابہؓ موجود تھے مگر سب سے افضلیت کا درجہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل تھا۔

حُلیہ مُبارک بعض دیگر صحابہؓ کی طرح حضرت علیؓ نے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حُلیہ مبارک بیان کیا ہے اور حدیث زیرِ درس آپ ہی سے مروی ہے۔ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قَالَ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِیْلِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نہ تو دراز قد تھے اور نہ ہی پست قد تھے۔ ان الفاظ کی تشریح پہلے گزر چکی ہے کہ آپ کا قدِ مُبارک کسی قدر درازی کی طرف مائل میانہ تھا۔ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ آپ کے ہاتھ مبارک وَالْقَدَمَیْنِ اور پاؤں مبارک پُر گوشت تھے۔ شَثْنٌ کا لفظی معنیٰ کھُردرا ہوتا ہے۔ یہ باب کَرُمَ یَکْرُمُ سے ہے، جس کا معنیٰ کھردرا ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ مبارک کھُردرے نہیں بلکہ بالکل ملائم تھے، اس کا ذکر آگے اسی کتاب میں بھی آئے گا تو یہاں پر شثن کا معنیٰ کھردرا نہیں بلکہ پُر گوشت ہے بعض لوگوں کی طرح آپ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک سُوکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ گوشت سے پُر تھے

آگے بیان کرتے ہیں: ضَخْمُ الرَّأْسِ یہ بھی باب کَرُمَ یَکْرُمُ سے ہے جس کا معنی بڑا ہونا ہے یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ بہت بڑا بھی نہیں تھا جو بھدّا معلوم ہو بلکہ اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب سر قدرتی طور پر بڑا ہوگا تو اس میں موجود دماغ بھی بڑا ہوگا اور یہ ایک خوبی کی بات ہے۔ آپ نے یہ مقولہ بھی تو سنا ہوگا: "سر بڑے سرداروں کے اور پاؤں بڑے گنواروں کے"۔ بلا شبہ آپ سرورِ عالم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ختمِ نبوت کا منصب عطا کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں: ضَخْمُ الْکَرَادِیْسِ کرادیس، کُردوس کی جمع ہے جس کا معنی جوڑوں کے کنارے ہے۔ گویا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جوڑوں یعنی گھٹنوں، کہنیوں اور کندھوں وغیرہ کی ہڈیاں اعتدال کے ساتھ بڑی یعنی مضبوط تھیں۔ طَوِیْلُ الْمَسْرُبَۃِ آپ کے بالوں کی دھاری لمبی تھی۔ بعض لوگوں کے سینے پر بہت زیادہ بال ہوتے ہیں اور بعض کے سینے بالوں سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام کے سینہ مبارک سے لے کر ناف تک بالوں کی لمبی دھاری یا لکیر تھی جو نہایت خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔

اِذَا مَشٰی تَکَفَّأَ جب آپ چلتے تھے تو آگے کی طرف ذرا جھک کر۔ اس لفظ کا معنی گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی چال مبارک میں یہ تینوں صفات پائی جاتی تھیں یعنی آپ تیز رفتار تھے، قدم اُٹھا کر چلتے تھے اور آگے کی طرف ذرا جھکاؤ ہوتا تھا۔ کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ گویا کہ آپ اونچی جگہ سے نچلی جگہ کی طرف اُتر رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں لَمْ اَرَ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد بھی آپ جیسی کوئی شخصیت نہیں دیکھی۔

اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ راوی کا یہ بیان توقرینِ قیاس ہے کہ اُس نے آپ کے بعد ایسی کوئی شخصیت نہیں دیکھی، مگر آپ سے پہلے ایسا کوئی آدمی نہ دیکھنے کا کیا مطلب ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر صرف سات آٹھ سال تھی جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نبوت کا اعلان کیا؟ دراصل ایسے کلام سے استغراق مراد ہوتا ہے، صرف لغوی معنوں پر نہیں جانا چاہیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی بھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم جیسی کوئی شخصیّت نہیں دیکھی۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنِ الْمَسْعُوْدِیِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ بِمَعْنَاهُ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

یہ بھی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت ہے سفیان[1] بن وکیع بن الجراح اپنے باپ وکیع سے روایت کر رہا ہے اور پھر انھوں نے عقبہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ اسی سند کے ساتھ جو گزشتہ حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔ نَحْوَهٗ بِمَعْنَاهُ انھی معانی و مفہوم کے ساتھ جو پہلی روایت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ایسے مواقع پر جب کوئی روایت لفظاً یا معناً پہلی حدیث سے ملتی ہو تو حدیث کے پورے الفاظ دوبارہ لکھنے کی بجائے محدّثین صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون پچھلی حدیث سے ملتا جلتا ہے۔ اس مقصد کے لیے محدّثین تین قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اگر دوسری[2] روایت کا مضمون پہلی روایت کے ساتھ لفظاً اور معناً دونوں طریقے سے ملتا ہو تو وہاں پر لفظ مِثْلَهٗ استعمال کرتے ہیں اور اگر الفاظ بعینہٖ نہ ملتے ہوں اور صرف مفہوم ملتا ہو تو ایسے موقع پر لفظ نَحْوَهٗ یا بِمَعْنَاهُ لکھ دیتے ہیں۔ روایت زیر درس میں نَحْوَهٗ بِمَعْنَاهُ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت کے الفاظ ہُوبہُو پہلی روایت سے نہیں ملتے بلکہ مفہوم وہی ہے۔

یہاں پر یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس روایت کا راوی سفیان اپنے باپ وکیع کے پائے کا تو نہیں ہے۔ وکیع تو امام النقد والجرح تھے

---

[1] کنیت ابو محمد ہے۔ المتوفی ۲۴۷ھ ۔ [2] ہجری ص۱۴ (فیاض)

اور بہت بڑے آدمی تھے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مداح تھے اور انھی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا تلمذ بھی اختیار کیا ہے اور بعض روایات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی سنی ہیں وکیعؒ محدّثین میں مشہور و معروف شخصیّت تھے۔

(حصّہ اوّل)

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ وَعَلِيُّ
بْنُ حُجْرٍ وَاَبُوْجَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَ
هُوَابْنُ اَبِيْ حَلِيْمَةَ وَالْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالُوْا حَدَّثَنَا
عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰى
غُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِّنْ
وُلْدِ عَلِيٍّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كَانَ
عَلِيٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَّغِطِ وَ
بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ لَمْ يَكُنْ
بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا
وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ وَكَانَ فِيْ
وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ اَبْيَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ
اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ اَجْرَدُ
ذُوْ مَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ اِذَا
مَشٰى تَقَلَّعَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ فِيْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ
الْتَفَتَ مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ
خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ
النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ
عَشِيْرَةً مَنْ رَاٰهُ بَدَاهَةً هَابَهٗ وَمَنْ خَالَطَهٗ

مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ یَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ
مِثْلَهٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ..... الحدیث (ترمذی مع شمائل ص۵۶۲)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا احمد بن عبدۃ ضبی بصری نے اور علی بن حجر
نے اور ابو جعفر محمد بن حسین نے اور وہ ابن ابی حلیمہ ہے۔ ان سب
کا ایک ہی بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عیسیٰ بن
یونس نے بیان کیا اور انھوں نے یہ روایت عمر بن عبداللہ
سے لی تھی جو کہ غفرۃ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ وہ کہتا ہے
کہ میرے پاس روایت بیان کی ابراہیم بن محمد نے جو کہ
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے وہ
کہتا ہے کہ جب حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا
حُلیہ مبارک بیان کرتے تھے، تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت زیادہ دراز قد نہیں تھے،
اور نہ ہی آپ بالکل پست قد تھے ۔ آپ لوگوں میں درمیانہ
قد والے تھے ۔ آپ کے بال مبارک شدید گھنگھریالے
نہیں تھے اور نہ ہی آپ بالکل سیدھے بالوں والے تھے۔
بلکہ قدرے گھنگھریالے بالوں والے تھے ۔ آپ نہ تو
نحیف الجسم تھے اور نہ آپ کا جسم مبارک زیادہ فربہ تھا۔
آپ کے چہرہ مبارک میں درازی بھی نہیں تھی بلکہ آپ
کے چہرہ مبارک میں کسی قدر گولائی تھی ۔ آپ کا رنگ
مبارک ایسا سفید تھا جس میں سُرخی کی ملاوٹ ہو ۔ آپ کی
آنکھیں سیاہ تھیں ۔ آپ دراز پلکوں والے تھے ۔ آپ
کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں اور کندھے بھی مضبوط تھے
آپ کے جسم مبارک پر بال زیادہ نہیں تھے اور سینے سے

ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی۔ آپ کے ہاتھ مبارک اور پاؤں مبارک پُر گوشت تھے۔ جب آپ چلتے تو قدم اُٹھا کر چلتے تھے گویا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں اور جب آپ کسی کی طرف دیکھتے تھے تو پُوری توجّہ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی، اور آپ خاتم النبیّین تھے۔ با اعتبار سینہ آپ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ آپ گفتگو میں سب سے زیادہ سچّے تھے اور سب سے زیادہ نرم طبیعت تھے۔ آپ سب سے زیادہ بزرگ خاندان والے تھے۔ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا تھا تو آپ سے ہیبت کھاتا تھا۔ اور جو شخص آپ سے میل جول رکھتا تھا جان پہچان کی وجہ سے وہ آپ سے محبّت رکھتا تھا۔ آپ کے اوصاف بیان کرنے والا راوی کہتا ہے کہ مَیں نے نہ تو آپ سے پہلے کوئی شخص آپ جیسا دیکھا ہے اور نہ آپ کے بعد۔"

سندِ روایت یہ روایت بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، مگر دوسری سند کے ساتھ۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ ہمارے پاس احمد بن عبدہ[1] ضبی بصری نے بیان کیا۔ ضب گوہ کو کہتے ہیں اور اسی نام سے ایک قبیلہ بھی مشہور ہوگیا تھا۔ راوی کا تعلق اسی قبیلہ ضب سے تھا لہٰذا ضبی کہلاتے تھے اور بصرہ میں آباد ہونے کی وجہ سے بصری کہلائے۔ یہ امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں، ثقہ راوی ہیں مگر کسی قدر ناصبیت کی طرف مائل تھے۔ راویوں میں یہ چیزیں اکثر پائی جاتی ہیں جو کہ برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ان صاحب کا جھکاؤ حضرت علیؓ اور اہلِ بیتؓ کی طرف کم اور عثمانی پارٹی کی طرف زیادہ

[1] ابو عبداللہ کنیت ہے المتوفیٰ ۲۴۵ھ (فیاض)

تھا۔ بہر حال یہ ثقہ راوی ہیں۔

ان کے استاذ علی[1] بن حجر ہیں، وہ بھی حافظ الحدیث اور ثقہ راوی تھے۔ اس روایت کے تیسرے راوی ابو جعفر محمد بن الحسین ہیں یہ بھی مقبول راوی ہیں متروک نہیں ہیں مگر آگے چلتے چلتے (کچھ عارضے کے باعث) ان کی ڈگری کم ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ راوی ضعیف بھی نہیں ہیں کہ ان کی روایت کو ردّ کر دیا جائے۔ ان کی روایت بہرحال قابلِ قبول ہے (امام ترمذیؒ کے علاوہ کسی اور نے ان سے روایت نقل نہیں کی) اس راوی کے متعلق مزید وضاحت یوں کی گئی ہے وَھُوَ ابْنُ اَبِیْ حَلِیْمَۃَ کہ ان کا تعلق ابی حلیمہ کے خاندان کے ساتھ ہے۔ الغرض، یہ تینوں راویان احمد بن عبدہؒ، علی بن حجرؒ اور ابو جعفرؒ امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں، اور ان تینوں حضرات نے جو روایت بیان کی ہے وَالْمَعْنٰی وَاحِدٌ اس کا مفہوم یکساں ہے۔

عیسیٰ بن یونسؒ مذکورہ تینوں راویوں نے اپنے استاذ قَالُوْا حَدَّثَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عیسیٰ بن یونسؒ[2] سے روایت کی ہے۔ یہ بھی عظیم پائے کے محدّث، امام اور پرہیزگار آدمی تھے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی زندگی میں پینتالیس ۴۵ مرتبہ حج کیا اور اتنی ہی دفعہ جہاد میں شریک ہوئے۔ خلیفہ ہارون الرشید (المتوفی ۱۹۳ھ) ان کے شہر میں آیا تو اس نے گورنر کو کہا کہ اس علاقے کے تمام محدثین کو بلاؤ تاکہ میرے دونوں زیرِ تعلیم بیٹے مامون (المتوفی ۲۱۸ھ) اور امین (المتوفی ۱۹۸ھ) اُن سے حدیثِ رسُول سُن لیں جب خلیفہ کا دعوت نامہ پہنچا تو سارے محدثین دوڑتے ہُوئے آئے۔ مگر دو محدثین عیسیٰ بن یونس اور عبداللہ بن ادریسؒ[3] نے اس حکم کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور خلیفہ کے دربار میں حاضر نہ ہوئے جب قاصد ان کے پاس گورنر اور خلیفہ کا پیغام لے کر گیا تو انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمیں تو گورنر یا خلیفہ سے کوئی کام نہیں ہے کہ اُن کے پاس جائیں۔ اگر خلیفہ

---

[1] ابوالحسن کنیت ہے، المتوفی ۲۴۴ھ۔ [2] المتوفی ۲۶۴ھ۔ جمع الوسائل ص ۲۴/۱
[3] ابو محمد کنیت ہے (المتوفی ۱۹۲ھ) (فیاض)

کے فرزندوں کو حدیث سننے کا واقعی شوق ہے تو وہ یہاں آکر باقی طلبا کے ساتھ بیٹھ کر سن لیں۔ ہارون الرشید خود بھی صاحبِ علم تھا لہٰذا اس نے ان دو محدّثین کے نہ آنے کا بُرا نہ منایا بلکہ اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ خود ان حضرات کی درسگاہوں میں جا کر حدیث سن لیں تاکہ انھیں ان محدّثین کا تلمذ بھی حاصل ہو جائے۔ اپنے بیٹوں کو بھیجتے وقت خلیفہ نے اُن کے ہاتھ دس ہزار کی تھیلی بھی دے دی تاکہ وہ عیسیٰ بن یونسؒ کو بطور ہدیہ پیش کر دیں۔ دونوں بیٹے آئے، حدیث سنی اور پھر ہدیہ کی تھیلی بھی پیش کی، مگر عیسیٰ بن یونس کہنے لگے کہ تم نے حدیث سن لی ہے اب تشریف لے جاؤ اور یہ تھیلی اپنے باپ کو واپس کر دینا کہ مجھے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ کسی حق دار کو دے دیں۔

جب بیٹوں نے تھیلی لا کر باپ کو واپس کر دی تو وہ سمجھا کہ شاید استاذ نے یہ رقم کم ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی، لہٰذا اس نے بیس ہزار کی تھیلی بھیج دی، مگر استاذ نے پھر یہ تھیلی واپس کر دی کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ یہ رقم اُن مستحقین کو لوٹا دو جن سے یہ مال چھینا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ خدا کی قسم اگر تم اتنی تھیلیاں لا کر میرے پاس ڈھیر کر دو کہ وہ چھت تک پہنچ جائیں تو پھر بھی میں انھیں قبول نہیں کروں گا۔

آپ کے ساتھ خلیفہ کی دعوت قبول نہ کرنے والے دوسرے محدّث عبداللہ بن ادریس تھے۔ یہ بھی ائمہ اربعہ کی طرح انتہائی خدا پرست انسان تھے۔ انھوں نے بھی حق کی خاطر بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں۔ ہر ابتلا کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول کرتے رہے۔ چنانچہ خلیفہ نے ان دونوں کے ساتھ تعرض نہیں کیا بلکہ انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

عیسیٰ بن یونس نے یہ روایت عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ مَوْلٰی غُفْرَۃَ عمر بن عبداللہ سے لی ہے جو غفرہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ غفرہ حضرت

[1] المتوفی ۱۴۵ھ۔ (فیاض)

بلال رضی اللہ عنہ (المتوفی سنہ ۲۰ھ) کی بہن تھی جس نے اسے آزاد کر دیا تھا۔

راوی ابراہیم بن محمدؒ | قَالَ حَدَّثَنِیْ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِّنْ وُّلْدِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

عمر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اُن کے پاس یہ روایت ابراہیم بن محمد نے بیان کی جو کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے۔ مِنْ وُلْدِ اور وَلَدِ دونوں جمع کے صیغے ہیں، البتہ اگر وَلَدٌ کہیں گے تو یہ مفرد کے معنیٰ میں آئے گا۔ الغرض وَلَدَ کا اطلاق جمع یا اسمِ جنس پر ہوتا ہے لہٰذا معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھا۔

یہ ابراہیم بن محمد راوی حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن[1] حنفیہ (المتوفی ۸۱ھ) کے فرزند ہیں۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (المتوفی ۱۱ھ) کے بطن سے نہیں تھے بلکہ ایک دوسری خاتون سے تھے جن کا تعلق قبیلہ بنی حنیفہ سے تھا۔ لہٰذا یہ محمد بن حنفیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ قبیلہ بنی حنیف مسیلمہ کذاب کا قبیلہ تھا جس نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف لشکر کشی کی، زبردست مقابلہ ہوا جس میں بقول طبری[2] ستائیس یا اٹھائیس ہزار افراد مارے گئے جن میں گیارہ یا بارہ سو حفّاظ اور قاری بھی تھے جنھوں نے جامِ شہادت نوش کیا بالآخر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی مسیلمہ مارا گیا۔ اس کے خاندان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا گیا۔ انھی میں خولہ نامی ایک لونڈی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی جو خولہ حنیفیہ کہلاتی تھی۔ یہ شخص محمد بن حنفیہ اسی کے بطن سے تھا اور اس حدیث کا راوی ابراہیم اس کا بیٹا تھا۔ یہ شخص مضبوط جسم والا پہلوان ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ علم بھی تھا اور بڑا متقی آدمی تھا۔

---

[1] کنیت ابوالقاسم ہے۔

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتولد ۲۲۴ھ والمتوفی سنہ ۳۱۰ھ۔ (فیاض)

یہ تاریخی حقیقت شیعہ حضرات کے لیے لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو برحق تسلیم نہیں کرتے۔ اگر یہ خلافت ہی برحق نہیں تھی تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عطا کردہ لونڈی خولہ شرعی لونڈی نہیں بنتی اور اس لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد جو اس لونڈی سے ہُوئی وہ مشکوک ہو جاتی ہے مگر رافضی حضرات محمد ابن حنفیہ کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں ایسے آدمی کے پیچھے تو نماز ہی درست نہیں جس کی نسل صحیح ثابت نہ ہو۔ تاہم اہل حق کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل کی خلافت بالکل برحق تھی آپ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کردہ لونڈی خولہ کو بھی شرعی لونڈی کی حیثیت حاصل تھی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد بھی درست ہے۔ بہر حال یہ مذہب تو ویسے ہی باطل ہے ان کے اس غلط عقیدہ سے کیا فرق پڑتا ہے۔

انقطاع روایت کا نقص

اس روایت میں ایک نقص بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہا ہے حالانکہ اُس کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ان کے بعد میں پیدا ہوا ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس انقطاع کے باوجود اس روایت کو قبول کیا ہے وجہ یہ ہے کہ سیرت اور تاریخ کی روایات میں ایسی چیزوں کا اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ چونکہ اس راوی کے دوسرے حالات ٹھیک ہیں لہٰذا اُس سے منقطع روایت کو قبول کر لیا گیا ہے۔

ایک اور بات بھی خیال میں رہے کہ اس حدیث کے اوّلین راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جو اہلِ سنّت کے عقیدہ کے مطابق خلیفہ راشد اور خلیفہ رابع ہیں اس عقیدے میں فرق نہیں آنا چاہیے ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی جس شخص کے عقیدے میں گڑبڑ ہو گئی وہ شیعوں، ناصبین یا معتزلہ کی طرف چلا جائے گا۔ لہٰذا عقیدہ حقہ پر استقامت اختیار کرنا کیونکہ یہ برہنہ تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔

حُلیہ مُبارک قَالَ كَانَ عَلِیٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ۔ ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف بیان کرتے تو یُوں کہتے۔ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَّغِطِ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت زیادہ لمبے قدوالے نہیں تھے ممغط فاعل کا صیغہ ہے اور اِنْمَغَطَ باب انفعال سے مُمَّغِط آیا ہے ان مشکل الفاظ کی تشریح خود امام ترمذیؒ آگے چل کر کریں گے۔ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ کے الفاظ پہلی روایت میں بھی آچکے ہیں مطلب یہی ہے کہ آپ نمایاں لمبے قد والے نہیں تھے بلکہ رَبْعَةً[1] یا مَرْبُوْعًا اِلَى الطُّوْلِ اَقْرَبُ آپ درمیانہ قد شخصیت تھے، البتہ قدرے درازی کی طرف رجحان تھا وَبِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ اور نہ ہی آپ پست قامت تھے۔ مُتَرَدِّدْ اُس شخص کو کہتے ہیں جس کے اعضاء ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں یعنی ٹھگنا آدمی، یہ چیز بھی حُسن کے خلاف ہے اور آپ میں یہ نہیں پائی جاتی تھی۔ اس کے برخلاف وَكَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں درمیانے قد کی شخصیّت تھے۔ یہ حضرت علیؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حلیہ بیان کر رہے ہیں۔ آپ مزید کہتے ہیں وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ آپ کے بال مبارک گھنگھریالے نہیں تھے وَلَا بِالسَّبِطِ اور نہ ہی آپ بالکل سیدھے بالوں والے تھے۔ بلکہ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا بلکہ آپ کے بال نیم گھنگھریالے تھے۔ رَجِل کا معنی معمولی سی شکستگی ہوتا ہے۔

لَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ آپ نہ تو نحیف الجسم تھے اور نہ ہی فربہ جسم والے۔ لفظ مُطَہَّم اضداد میں سے ہے اور اس کے یہ دونوں معنے آتے ہیں۔ نہایت کمزور یا بہت موٹا جسم پسندیدہ نہیں ہوتا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جسم مبارک نہایت متناسب تھا جس کی وجہ سے آپ نہایت حسین معلوم

[1] مناوی صفحہ ۱۴ (فیاض)

ہوتے تھے یہاں پر دوسرا لفظ مکلثم آیا ہے جس سے مُراد چہرے کی درازی ہوتی ہے راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرہ مبارک میں درازی نہیں پائی جاتی تھی کیونکہ یہ چیز بھی حُسن کے خلاف ہے۔ البتہ وَكَانَ فِي وَجْهِهٖ تَدْوِيرٌ آپ کے چہرہ مبارک میں کسی قدر گولائی تھی جو کہ آپ کے حُسن میں اضافہ کا باعث تھی۔

آپ کا رنگ مبارک اَبْيَضُ مُشْرَبٌ ایسا سفید تھا جس میں سرخی کی ملاوٹ ہو یعنی آپ کاغذ کی طرح بالکل سفید نہیں تھے، بلکہ آپ کا رنگ سرخی اور سفیدی کا مرکب تھا۔ اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ آپ کی آنکھیں سیاہ تھیں۔ اس کی تفصیل آگے بہت سی روایات میں آرہی ہے۔ بعض لوگوں کی آنکھیں سرخ اور بعض کی نیلی ہوتی ہیں، مگر آپ کی آنکھوں میں سیاہی کا عنصر غالب تھا جس کی وجہ سے وہ بڑی بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ آپ لمبی پلکوں والے تھے بعض لوگوں کی پلکوں کے بال زیادہ لمبے ہوتے ہیں جنھیں بعض اوقات کاٹ بھی دیا جاتا ہے اور بعض کی پلکیں چھوٹی ہوتی ہیں اور بعض اوقات کسی عارضہ کی وجہ سے پلکوں کے بال جھڑ جاتے ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پلکوں میں ایسا کوئی نقص نہیں تھا بلکہ پلکوں کے بال اعتدال کے ساتھ لمبے تھے۔

جَلِيلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتِدِ آپ کے جسم کے جوڑوں کی ہڈیوں کے سرے اور کندھے بڑے تھے۔ اَجْرَدُ آپ کا جسم مبارک بالوں سے تقریباً خالی تھا یعنی جسم پر زیادہ بال نہیں تھے۔ ذُو مَسْرُبَةٍ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر سی تھی۔ اس کا ذکر پچھلی روایت میں بھی آچکا ہے۔ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ آپ کے ہاتھ مبارک اور پاؤں مبارک پُر گوشت تھے یعنی سُوکھے ہوئے نہیں تھے۔ اِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ جب آپ چلتے تھے تو قدم اُٹھا کر چلتے تھے، جُھک کر چلتے تھے یا تیز رفتاری سے چلتے تھے۔ یہ تینوں معنی آتے ہیں اور آپ کی اس چال مبارک سے ایسا محسوس

ہوتا ــــ كَأَنَّمَا يَنحَطُّ فِىْ صَبَبٍ گویا کہ آپ ڈھلوان کی طرف اُتر رہے ہیں۔

وَإِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ مَعًا جب حضور علیہ السّلام کسی طرف دیکھتے یا توجہ فرماتے تو پورے طریقے سے توجہ فرماتے ۔ مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جب کسی شخص کی بات سُنتے یا کسی معاملہ کو نپٹانے کے لیے توجہ فرماتے تو اس میں لاپرواہی کا اظہار نہ کرتے جیسا کہ عام مغرور لوگ کرتے ہیں، بلکہ آپ ہر بات پُوری توجہ سے سُنتے، کسی چیز کی طرف التفات فرماتے تو پورے طریقے سے۔

بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوّت تھی، جس کا مفصّل بیان اگلے باب میں آرہا ہے۔ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ اور آپ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے تھے ۔

آپ کی ایک صفت یہ بھی تھی اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا کہ آپ سینہ کے اعتبار سے تمام لوگوں سے زیادہ فیاض تھے ۔ وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً اور آپ طرزِ گفتگو کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ سچّے تھے یعنی آپ کے منہ سے کبھی جھوٹی بات نکلتی ہی نہ تھی ۔ وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً آپ نہایت ہی نرم طبیعت کے مالک تھے ۔ عریکہ کی جمع عرائک آتی ہے ۔ جس کا معنیٰ مزاج یا طبیعت ہوتا ہے ۔ اس کا لغوی معنیٰ رگڑ کھانا ہے ۔ انسان کی طبیعت جب حوادثات کے رگڑے کھاتی ہے تو اس میں پختگی آجاتی ہے ۔ بہرحال آپ مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے نرم تھے ۔

وَاَكْرَمُهُمْ عَشِيْرَةً آپ خاندانی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ بزرگ اور باعزت تھے ۔ دوسری جگہ عِشْرَةً کا لفظ بھی آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ میل جول کے لحاظ سے بھی بزرگ تھے ۔ ظاہر ہے کہ آپ کا خاندان قریش بھی سب سے زیادہ باعزّت اور اشرف خاندان تھا

مَنْ رَاٰهُ بَدَاهَةً هَابَهٗ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا تھا اُس پہ

ہیبت طاری ہوجاتی تھی، اور یہ ہیبت یا خوف آپ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے ہوتا تھا۔ بَدَهَ ، بَدْهَـةً یا بَدِيْهَـةً کا معنیٰ اچانک ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ سے اچانک ملاقات کرنے والے شخص پر آپ کا رعب طاری ہوجاتا تھا۔ وَمَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَـةً أَحَبَّـهٗ اور جو شخص جان پہچان کی وجہ سے آپ سے میل جول رکھتا تھا، وہ آپ سے محبت کرتا تھا گویا جب کوئی سلیم الفطرت آدمی آپ سے ملاقات کرتا تھا تو اُس کے دِل میں آپ کے لیے جذبہ محبت پیدا ہوجاتا تھا، اور اگر پہلے سے کوئی کدورت ہوتی تھی تو وہ نکل جاتی تھی۔ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اوصاف بیان کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسی کوئی شخصیت نہیں دیکھی۔ یہ الفاظ گزشتہ حدیث میں بھی آچکے ہیں جن کی تشریح میں نے بیان کردی تھی۔

اس حدیث میں جو لغاتِ غریبہ یعنی مشکل الفاظ آئے ہیں امام ترمذیؒ ان کی تشریح آگے خود بیان کریں گے اور انشاء اللہ آپکو اچھی طرح ضبط ہوجائیں گے اور آمدہ اسباق میں کام آئیں گے۔

شمائل ترمذی — باب ۱۰
درس ۔ ۶ — حدیث ۔ ۶
(حصہ دوم)

قَالَ اَبُوْعِیْسٰی رَحِمَہُ اللّٰہُ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَیْنِ
یَقُوْلُ سَمِعْتُ الْاَصْمَعِیَّ یَقُوْلُ فِیْ تَفْسِیْرِ صِفَۃِ
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُمَّغِطُ الذَّاھِبُ
طُوْلًا وَقَالَ سَمِعْتُ اَعْرَابِیًّا یَقُوْلُ فِیْ کَلَامِہٖ
تَمَغَّطَ فِیْ نُشَّابَتِہٖ اَیْ مَدَّھَا مَدًّا شَدِیْدًا
وَالْمُتَرَدِّدُ الدَّاخِلُ بَعْضُہٗ فِیْ بَعْضٍ قِصَرًا
وَاَمَّا الْقَطِطُ فَالشَّدِیْدُ الْجُعُوْدَۃِ وَالرَّجِلُ
الَّذِیْ فِیْ شَعْرِہٖ حُجُوْنَۃٌ اَیْ تَثَنٍّ قَلِیْلًا وَاَمَّا
الْمُطَھَّمُ فَالْبَادِنُ الْکَثِیْرُ اللَّحْمِ وَالْمُکَلْثَمُ
الْمُدَوَّرُ الْوَجْہِ وَالْمُشْرَبُ الَّذِیْ فِیْ بَیَاضِہٖ
حُمْرَۃٌ وَالْاَدْعَجُ الشَّدِیْدُ سَوَادِ الْعَیْنِ
وَالْاَھْدَبُ الطَّوِیْلُ الْاَشْفَارِ وَالْکَتِدُ مُجْتَمِعَۃُ
الْکَتِفَیْنِ وَھُوَ الْکَاھِلُ وَالْمَسْرُبَۃُ ھُوَ الشَّعْرُ
الدَّقِیْقُ الَّذِیْ کَاَنَّہٗ قَضِیْبٌ مِّنَ الصَّدْرِ اِلَی
السُّرَّۃِ وَالشَّثْنُ الْغَلِیْظُ الْاَصَابِعِ مِنَ الْکَفَّیْنِ
وَالْقَدَمَیْنِ وَالتَّقَلُّعُ اَنْ یَّمْشِیَ بِقُوَّۃٍ وَالصَّبَبُ
الْحَدُوْرُ تَقُوْلُ اِنْحَدَرْنَا فِیْ صَبُوْبٍ وَّصَبَبٍ
وَقَوْلُہٗ جَلِیْلُ الْمُشَاشِ یُرِیْدُ رُءُوْسَ
الْمَنَاکِبِ وَالْعِشْرَۃُ الصُّحْبَۃُ وَالْعَشِیْرُ الصَّاحِبُ
وَالْبَدَاھَۃُ الْمُفَاجَاۃُ یُقَالُ بَدَھْتُہٗ بِاَمْرٍ اَیْ

فَجَاْتُهٗ! (ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۶۸)

ترجمہ: ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن حسین سے سُنا انھوں نے کہا کہ میں نے امام اصمعیؒ سے سُنا جو کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے حُلیہ مُبارک کی تشریح میں یوں فرماتے تھے۔ اَلْمُمَّغِطُ اس شخص کو کہتے ہیں جو درازی کی طرف جا رہا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی آدمی کو سُنا جو اپنے کلام میں کہتا تھا کہ اُس نے اپنے تیر کو چلے پر چڑھا کر خوب کھینچا۔ اور مُتَرَدِّدُ کا معنیٰ یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے بعض حصّے بعض میں ملے ہوئے ہوں پستی کی وجہ سے۔ اور قَطَطٌ سے مراد بالوں کا شدّت کے ساتھ گھنگھریالا ہونا اور رَجِلٌ کا معنیٰ معمولی گھنگھریالے ہونا ہے۔ مُطَهَّمٌ بھاری جسم والے آدمی پر بولا جاتا ہے اور مُكَلْثَمٌ گول چہرے والے آدمی کو کہتے ہیں۔ مُشْرَبٌ اُس رنگ کو کہتے ہیں کہ سفیدی میں سُرخی کی ملاوٹ ہو۔ اور اَدْعَجُ بالکل سیاہ آنکھوں والے آدمی پر بولا جاتا ہے۔ اور اَهْدَبُ لمبی پلکوں والے آدمی کو کہتے ہیں، اور كَتِدٌ دونوں کندھوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں اور اس کو كَاهِلٌ کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اور مَسْرُبَةٌ باریک بالوں کو کہتے ہیں، گویا کہ ایک پتلی لکیر جو سینے سے کر ناف تک چلی جائے، اور شَثْنٌ سے مُراد دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا پُرگوشت ہونا ہے اور تَقَلَّعٌ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قوت کے ساتھ چل رہا ہے اور صَبَبٌ سے مُراد پستی یا ڈھلوان ہے جیسے تو کہتا ہے کہ ہم نچلی جگہ میں اُتر گئے اور راوی کے جَلِيلٌ

اَلْمُشَاش کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کندھوں کے کنارے بڑے تھے اور عِشْرَۃٌ کا معنیٰ رفاقت اور عَشِیْرٌ سے مُراد ساتھی ہے۔ بَدِیْھَۃً سے مُراد اچانک ملاقات ہے جیسے کہا جاتا ہے مَیں اس کے پاس کوئی معاملہ لے کر اچانک آیا۔"

فنِ غریبُ اللّغات پچھلی روایت میں کچھ مشکل الفاظ آئے تھے جس کی تشریح امام ترمذیؒ نے اس روایت کے ذریعے کی ہے اور یہ وضاحت بھی محض اپنی طرف سے نہیں بلکہ معروف ائمہ لُغت کے حوالے سے کی ہے۔ یہ مذہبِ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ ائمہ حدیث نے ہر حدیث یا اثر کو بیان کرتے وقت اُس کی سند بھی بیان کی ہے۔ پھر اُس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ مشکل الفاظ کے معانی بھی ائمہ لغات کے حوالے سے بیان کیے ہیں۔ یہ چیز کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی اور نہ ہی لُغت میں یہ پابندی ہے کہ مشکل الفاظ کی تشریح کے لیے کسی خاص اہلِ لُغت کی طرف رجوع کیا جائے۔

غرضیکہ غریب اللغات فنِ حدیث کا ایک شعبہ ہے۔ اس سلسلے میں زمخشریؒ[1] نے بہت عمدہ کتاب[2] لکھی ہے۔ قتیبہؒ[3] کی کتاب[4] بھی اس فن میں موجود ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ذخیرہ حدیث میں آنے والے مشکل الفاظ کی اصلیت بتا کر ان کی وضاحت کی جائے تاکہ حدیث کے سمجھنے میں آمدہ کسی ممکنہ رکاوٹ کو دُور کیا جا سکے۔

امام اصمعیؒ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَیْنِ ابوعیسٰی کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن حسین سے سُنا، اس راوی کا حال پچھلی روایت میں گزر چکا ہے۔ یَقُوْلُ سَمِعْتُ الْاَصْمَعِیَّ۔ اُس

---

[1] ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر المتولد ۴۶۷ھ والمتوفی ۵۲۸ھ، [2] الفائق فی الحدیث
[3] ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الکوفی المروزی الدینوری المتولد ۲۱۳ھ والمتوفی ۲۷۶ھ، [4] ادب الکاتب۔
(قاضی)

نے کہا کہ میں نے اصمعی سے سُنا۔ ان کا پورا نام امام اسمٰعیل بن کریب اصمعی[1] ہے یہ ہارون الرشید کے زمانے میں ہوئے ہیں۔ اصمع ان کے کسی دادا پردادا کا نام ہوگا، اور اصمعی اُسی طرف خاندانی نسبت ہے۔ اصمع کا لغوی معنیٰ ذکی ہونا ہے۔ ان کی شکل ذمیم تھی مگر علم کا خزانہ تھے۔ حدیث، فقہ اور لغت تینوں علوم کے امام تھے بڑے ثقہ آدمی تھے۔ اپنے علم کی وجہ سے حکّامِ وقت سے بھی ملتے رہتے تھے جو ان کی قدر کرتے تھے۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے امام اصمعی سے سُنا۔ یَقُوْلُ فِیْ تَفْسِیْرِ صِفَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حُلیہ مبارک سے متعلق غریب اللغات (مشکل الفاظ) کی تشریح میں یوں کہتے تھے۔

قدِ مُبارک اَلْمُمَّغِطُ الذَّاھِبُ طُوْلًا۔ ممغط اُس انسانی قدوقامت کو کہتے ہیں جو زیادہ لمبا ہو۔ پہلی روایت میں بھی گزر چکا ہے۔ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ الْبَائِنِ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قد مبارک نمایاں طور پر دراز نہیں تھا۔ پچھلی روایت میں بِالطَّوِیْلِ الْمُمَّغِطِ کے الفاظ بھی آچکے ہیں یعنی آپ زیادہ دراز قد نہیں تھے جو کہ معیوب سمجھا جاتا ہے، البتہ آپ اعتدال کے ساتھ قدرے درازی کی طرف مائل تھے۔ امام ذُھلِیؒ کی روایت میں بھی آتا ہے۔ وَھُوَ اَقْرَبُ اِلَی الطُّوْلِ آپ کا قدِ مُبارک لمبائی کے قریب یعنی درازی کی طرف مائل تھا۔

امام اصمعی اپنے بیان کردہ اس مفہوم کی ایک دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔ وَقَالَ سَمِعْتُ اَعْرَابِیًّا یَقُوْلُ فِیْ کَلَامِہٖ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی آدمی کو اپنے کلام میں یہ کہتے ہوئے سُنا، یعنی وہ شخص اس لفظ سے یہی مفہوم لیتا تھا۔ اُس دیہاتی آدمی نے اس طرح کلام کیا۔ تَمَغَّطَ فِیْ

---

[1] المتوفی ۲۱۵ھ یا ۲۱۶ھ یا ۲۱۷ھ۔ (فیاض)

نُشَّابَتِہٖ اَیْ مَدَّھَا مَدًّا شَدِیْدًا۔ اُس نے اپنے تیر کو خوب کھینچا یعنی اُسے سختی کے ساتھ کھینچا۔ نشّابہ تیر کو کہتے ہیں جو کمان کے چلّے میں چڑھا کر زور سے کھینچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے نشانے پر پہنچ جائے۔ لفظ تَمَغَّطَ بابِ تفعل سے بھی آتا ہے اور بابِ تفعیل سے بھی آتا ہے۔ نشّاب کی جمع نشاشیب آتی ہے اور معنیٰ تیر ہے۔

یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امام اصمعی نے ایک دیہاتی آدمی کے کلام کو معیار کے طور پر کیوں پیش کیا ہے۔ دراصل حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانۂ مبارک میں عرب کے دیہاتی لوگ زبان دانی میں معیار سمجھے جاتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ شہروں میں تو دُور دُور سے لوگ آتے تھے جو اپنی اپنی زبانیں بولتے تھے اور اُن سے اختلاط کی وجہ سے عربی زبان محفوظ نہیں تھی کیونکہ اُس میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہوجاتے تھے مگر دیہاتی آدمی اس اختلاط سے محفوظ تھے۔ لہٰذا ان کی عربی زبان بھی محفوظ اور معیاری سمجھی جاتی تھی۔ مکّے کے شرفاء اسی لیے تو اپنے بچوں کو پیدائش کے بعد کچھ عرصہ کے لیے دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ ایک تو ان کو دیہات کی بہتر آب و ہوا میسّر آجاتی تھی اور دوسرے ان کی زبان بھی محفوظ رہتی تھی۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بھی اپنی عمر کے ابتدائی چار سال دیارِ بنی بکر میں حلیمہ سعدیہؓ کی پرورش میں گزارے یہ جگہ طائف کے قریب ہے جہاں کی آب و ہوا ہمارے ہاں کی مری کی طرح خوش گوار ہے مگر اب تو دیہات کی زبان بھی محفوظ نہیں رہی اور عرب بدوؤں کی زبان سمجھنا بھی مشکل ہوگیا ہے کیونکہ وہ عجیب وغریب الفاظ بولتے ہیں تو یہ زیرِ توضیح لفظ تَمَغَّطَ عربی زبان کا ہے یا تُرکی زبان کا مگر عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ بہرحال امام اصمعیؒ نے اَلْمُتَمَغِّطِ کا معنیٰ یہ لیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قد مبارک زیادہ دراز نہیں تھا۔

تَمَغَّطَ کے مفہوم سے متعلق ایک اور واقعہ بھی سن لیں جسے امام قشیری[1] نے نضر بن شمیل مازنی[2] کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ امام مازنی صرف، نحو اور حدیث کے امام اور بلندپایہ اساتذہ میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک تہہ بند خریدا فَوَجَدْتُهٗ قَصِيْرًا مگر اسے چھوٹا پایا۔ چونکہ میں اسے خرید چکا تھا اور واپس کرنا ممکن نہ تھا۔ فَسَأَلْتُ رَبِّیْ اَنْ يُّمَغِّطَ لِیْ ذِرَاعًا۔ پس میں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ وہ اس تہہ بند کو ایک ہاتھ کے برابر کھینچ دے یا بڑھا دے تاکہ یہ میرے کام آسکے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور تہہ بند از خود ایک ہاتھ بڑھ گیا۔ امام صاحب کے اس کلام سے بھی تَمَغَّطَ کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

آگے امام اصمعی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قد مبارک کے متعلق آمدہ لفظ متردد کے بارے میں کہتے ہیں وَالْمُتَرَدِّدُ الدَّاخِلُ بَعْضُهٗ فِیْ بَعْضٍ قِصَرًا کہ متردد کا معنی یہ ہے کہ پست قامتی کی وجہ سے انسان کے بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں۔ یہ حالت ٹھنگنے آدمی کی ہوتی ہے جس کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلیہ مبارکہ سے متعلق پچھلی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ نہ تو واضح طور پر لمبے تھے۔ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ اور نہ ہی اس قدر پست قامت تھے کہ آپ کے اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں۔ بلکہ آپ کا قد مبارک اعتدال کے ساتھ لمبائی کی طرف مائل تھا۔

بالوں کی حالت

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اَمَّا الْقَطَطُ باقی رہا لفظ قطط تو اس کا معنی ہے فَالشَّدِيْدُ الْجُعُوْدَةِ بہت زیادہ شکستہ بال ہونا۔ پچھلی روایت میں گزر چکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ بہت سے شکستہ بالوں والے نہیں تھے وَلَا بِالسَّبِطِ اور نہ ہی آپ کے بال

---

[1] ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ۔

[2] ابوالحسن کنیت ہے۔ المتوفی ۲۰۴ھ یا ۲۰۳ھ رسالہ قشیریہ ص ۱۴۳ دفیاتؒ

مُبارک بالکل سیدھے تھے، بلکہ جَعْدًا رَجِلًا تھے یعنی قدرے مُڑے ہُوئے یا شکن تھے اور اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے بال مُبارک زیادہ مُڑے ہوئے نہیں تھے بلکہ وَالرَّجِلُ الَّذِی فِی شَعْرِہٖ حُجُوْنَةٌ اَیْ تَثَنٍّ قَلِیْلًا بلکہ آپ کے بال مبارک ایسے تھے جن میں معمولی سی شکستگی ہو یعنی بالوں کے اگلے سرے معمولی سا مُڑے ہوئے تھے۔ اُن میں تھوڑا سا گھنگھریالا پن پایا جاتا تھا۔ حبشیوں کی طرح بہت گنجان اور گھنگھریالے بال نہیں تھے۔

جسمِ مُبارک کی ساخت

آگے فرماتے ہیں وَاَمَّا الْمُطَهَّمُ یہ جو مطہم کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد فَالْبَادِنُ کَثِیْرُ اللَّحْمِ ایسا جسم ہے جو گوشت کی زیادتی کی وجہ سے بھاری ہو گیا ہو مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جسمِ اطہر بہت موٹا نہیں تھا جو بھدّا معلوم ہو۔ وَالْمُکَلْثَمُ سے مُراد ہے اَلْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ ایسا آدمی جس کا چہرہ درہم کی طرح بالکل گول ہو۔ آپ کا چہرہ مبارک ایسا بھی نہیں تھا بلکہ اس میں تھوڑی سی گولائی بھی تھی مگر کسی قدر درازی کی طرف مائل تھا۔ وَالْمُشْرَبُ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی شخصیّت ایسی جامع تھی اَلَّذِیْ فِیْ بَیَاضِهٖ حُمْرَةٌ جیسے سفید رنگ میں تھوڑی سی سُرخی کی ملاوٹ ہو۔ گویا آپ کا رنگ مبارک سرخی مائل سفید تھا۔ اگلا مشکل لفظ وَالْاَدْعَجُ ہے جس کا مطلب ہے اَلشَّدِیْدُ سَوَادِ الْعَیْنِ بہت زیادہ سیاہ آنکھوں والے۔ بعض لوگوں کی آنکھیں نیلی، پیلی، گلابی وغیرہ ہوتی ہیں مگر سب سے حسین آنکھیں وہ شمار ہوتی ہیں جن کی پتلیوں میں بہت زیادہ سیاہی ہو۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھیں مبارک ایسی ہی تھیں۔ متنبی[1] نے بھی کہا ہے:

دُعْجًا نَوَاظِرُہٗ[2] ۔ کہ اسکی آنکھوں کی پتلیاں سیاہ تھیں۔

وَالْاَهْدَبُ کا مطلب ہے: اَلطَّوِیْلُ الْاَشْفَارِ۔ آپکی آنکھوں

---

[1] ابو الطیب احمد بن حسین الجعفی الکندی المتولد ۳۰۳ھ والمتوفیٰ ۳۵۴ھ

[2] متنبی ص۱۳ (فیاض)

کی پلکیں دراز تھیں۔ اَھْدَبُ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اَشْفَار جمع ہے شَفِرٌ کی جس کا معنیٰ پلکیں، ہوتا ہے۔ لمبی پلکیں خوبی کی علامت ہوتی ہیں جن کی وجہ سے حُسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی پلکوں کو آنکھوں کی حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ گرد و غبار سے محفوظ رہیں۔ الغرض حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پلکیں لمبی تھیں۔

وَالْکَتَدُ کا جو لفظ آیا ہے، اس سے مُراد مُجْتَمِعَۃُ الْکَتِفَیْنِ وَھُوَ الْکَاھِلُ دونوں کندھوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ ہے۔ جسے کاہل کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے جس کی جمع کواہل آتی ہے۔ یعنی کندھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہڈیوں کے جوڑ مثلاً گھٹنے، کُہنیاں، کندھے وغیرہ بڑے اور مضبوط تھے جو کہ قوت کی علامت ہے۔ وَالْمَسْرُبَۃُ سے مُراد ھُوَ الشَّعْرُ الدَّقِیْقُ باریک بال ہیں۔ اَلَّذِیْ کَاَنَّہٗ قَضِیْبٌ مِّنَ الصَّدْرِ اِلَی السُّرَّۃِ۔ گویا کہ ایک باریک شاخ ہے جو سینہ سے لے کر ناف تک چلی گئی تھی۔ اس سے مُراد بالوں کی ایک باریک سی لکیر ہے جیسا کہ پہلی روایت میں گزر چکا ہے۔ آپ کے جسم مبارک پر زیادہ بال نہیں تھے بلکہ سینہ سے ناف تک ایک لکیر سی تھی۔ اگلی روایت میں اس کی زیادہ تفصیل آ رہی ہے۔ قضیب چھڑی، شاخ اور تلوار کو بھی کہتے ہیں جو پتلی سی ہو۔

وَالشَّثْنُ الْغَلِیْظُ الْاَصَابِعِ مِنَ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ۔ شَثْنٌ کا عام معنیٰ تو کھُردرا ہوتا ہے، مگر یہاں مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دونوں ہاتھ اور پاؤں مبارک گوشت سے بھرے ہوئے تھے یعنی سوکھے ہوئے نہیں تھے۔ غَلِیْظٌ کا معنیٰ پُر گوشت ہونا ہے۔ یہ بھی حُسن و خوبی اور جسمانی قوت کی علامت ہے۔

چال مُبارک امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ پچھلی روایت میں آمدہ لفظ وَالتَّقَلُّعُ کا معنیٰ یہ ہے اَنْ یَّمْشِیَ بِقُوَّۃٍ کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

پوری قوت کے ساتھ چلتے تھے۔ پچھلی روایت میں تَكَفُّأً کا لفظ بھی آیا ہے جس کے تین معانی میں نے عرض کیے تھے یعنی قدم اُٹھا کر چلنا، جھک کر چلنا اور تیز رفتاری سے چلنا اور یہ تینوں صفات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ مبارکہ میں پائی جاتی تھیں وَالصَّبَبُ سے مُراد نچلی جگہ ہے۔ جیسے تَقُوْلُ اِنْحَدَرْنَا فِیْ صَبُوْبٍ وَّصَبَبٍ تو کہتا ہے کہ ہم پست جگہ میں اُتر گئے۔ جب آپ چلتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ ڈھلوان کی طرف جا رہے ہیں حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ چال مبارک ہی ایسی تھی کہ آپ تھوڑا سا جھک کر چلتے تھے۔ وَقَوْلُهٗ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ اور جَلِيْلُ الْمُشَاشِ کا مطلب یہ ہے يُرِيْدُ رُءُوْسَ الْمَنَاكِبِ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کندھوں کے کنارے بڑے تھے جو کہ حسن و قوّت کی علامت ہے۔

باہمی میل جول

آگے فرماتے ہیں وَالْعِشْرَةُ الصُّحْبَةُ عشرت کا معنیٰ صحبت یا رفاقت ہے۔ وَالْعَشِيْرُ الصَّاحِبُ اور عشیر سے مُراد رفیق اور ساتھی ہے۔ اسی طرح عَشِيْرَةٌ کا معنیٰ خاندان ہوتا ہے۔ ان سب الفاظ کا مادہ ایک ہی ہے مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رفاقت بہت اچھی تھی جس کو میسّر آجاتی۔ وَالْبَدَاهَةُ الْمُفَاجَاةُ اور بَدِيْهَةٌ سے مُراد اچانک ملاقات ہے۔ پچھلی روایت میں گزر چکا ہے کہ جو شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے اچانک ملتا تھا اس کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ اس پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ هَابَهٗ کے لفظ کو امام ابن قیمؒ نے بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہیبت اور تکبّر میں فرق ہے۔ انسان میں ہیبت اس وقت ہوتی ہے جب اُس کا دِل اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور محبت سے بھرپور ہو۔ اس وقت اس کی ہیبت دوسروں پر طاری ہوتی ہے۔ چونکہ ایسے دل میں نورانیت ہوتی ہے اس لیے اس پر تسکین نازل ہوتی ہے، اور پھر اُس شخص پر اللہ تعالیٰ ہیبت کی چادر ڈال دیتا ہے اور انسان کا دل اللہ تعالےٰ

کی طرف مائل رہتا ہے۔ اُس کے کلام میں نور ہوتا ہے۔ جب وہ جائے تو نورانیت ہوتی ہے اور جب آئے تو اُس وقت بھی نورانیت ہوتی ہے پھر انسان کا عمل بھی صحیح ہوتا ہے اور اُسے ایک قسم کا وقار حاصل ہوجاتا ہے۔ پھر یہی وقار دوسرے لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے جسے ہیبت کہا جاتا ہے۔ امام ابن قیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ جس شخص کا دل خود پسندی، بغاوت، ظلم اور جہالت سے لبریز ہو اور اس سے عبودیت کا مادہ خارج ہو چکا ہو، اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت برستی رہتی ہے اور اس کی یہی کیفیت لوگوں کے سامنے تکبر کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ دراصل ہیبت اور تکبر قلبی کیفیات کے نام ہیں، جو کہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے اچانک ملاقات کرتا تھا اس پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ آگے روایت میں آئے گا کہ آپ کو دیکھ کر بعض خواتین پر کپکپی طاری ہو گئی جنھیں آپ نے تسلّی دی۔ اسی لیے یہاں اس روایت کے الفاظ ہیں کہ بدیہہ اچانک ملاقات کو کہتے ہیں یُقَالُ بَدَھَتُہٗ بِاَمْرٍ اَیْ فَجَاْتُہٗ ۔ جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں کوئی مسئلہ لے کر اچانک اُس کے پاس آیا۔ پچھلی روایت میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ آپ سے اچانک ملاقات کرنے والے پر تو ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ وَمَنْ خَالَطَہٗ مَعْرِفَۃً اَحَبَّہٗ اور جو شخص جان پہچان ہونے کی وجہ سے آپ سے ملتا تھا، وہ آپ سے محبت کرتا تھا۔ وہ شخص آپ کی دائمی رفاقت چاہتا تھا تاکہ آپ کی صورت دیکھتا رہے۔ اور آپ کا کلام سنتا رہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۱
درس - ٦ — حدیث - ۷
(حصہ اوّل)

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ
بْنُ عُمَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ إِمْلَاءً عَلَيْنَا
مِنْ كِتَابِهٖ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ مِّنْ
وُلْدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ يُكْنٰى أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ
عَنِ ابْنٍ لِأَبِي هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ
قَالَ سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ
وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَّصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا
أَتَعَلَّقُ بِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُّفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ
وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ أَطْوَلَ مِنَ
الْمَرْبُوعِ وَأَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِيمُ الْهَامَةِ
رَجِلُ الشَّعْرِ إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَقَ وَإِلَّا
فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ إِذَا هُوَ
وَفَّرَهُ أَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِينِ أَزَجَّ الْحَوَاجِبِ
سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ
الْغَضَبُ أَقْنَى الْعِرْنِينِ لَهُ نُورٌ يَّعْلُوهُ يَحْسَبُهُ
مَنْ لَّمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ كَثَّ اللِّحْيَةِ سَهْلَ
الْخَدَّيْنِ ضَلِيعَ الْفَمِ مُفَلَّجَ الْأَسْنَانِ دَقِيقَ
الْمَسْرُبَةِ كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيدُ دُمْيَةٍ فِي

صَفَاءِ الْفِضَّةِ مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ عَرِيضُ الصَّدْرِ بَعِيدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ أَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ مَوْصُولُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِي كَالْخَطِّ عَارِي الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوَى ذٰلِكَ أَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِي الصَّدْرِ طَوِيلُ الزَّنْدَيْنِ رَحْبُ الرَّاحَةِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ سَائِلُ الْأَطْرَافِ أَوْ قَالَ شَائِلُ الْأَطْرَافِ خُمْصَانُ الْأَخْمَصَيْنِ مَسِيحُ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُو عَنْهُمَا الْمَاءُ إِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا يَخْطُو تَكَفِّيًا وَيَمْشِي هَوْنًا ذَرِيعُ الْمِشْيَةِ إِذَا مَشٰى كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيعًا خَافِضُ الطَّرْفِ نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ يَسُوقُ أَصْحَابَهُ يَبْدَءُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ ..... الحدیث

(ترمذی مع شمائل ص۵۶۸)

ترجمہ: ہمارے پاس سفیان بن وکیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جمیع بن عمیر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا اس طریقے سے کہ انھوں نے اپنی کتاب سے لکھوا دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی بنی تمیم کے ایک شخص نے جو کہ ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا جو کہ امّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خاوند تھا اور جس کی کُنیت ابو عبداللہ تھی۔ اُس نے روایت بیان کی ابوہالہ کے ایک فرزند سے۔ انھوں

نے روایت لی حضرت حسن بن علیؓ سے ۔ وہ کہتے ہیں کہ
مَیں نے اپنے ماموں ہندؓ بن ابی ہالہ سے حضور صلّی اللہ
علیہ وسلم کے حلیہ مُبارکہ کے متعلق پوچھا جو کہ آپ کا حُلیہ
مُبارکہ کثرت سے بیان کیا کرتے تھے اور مَیں چاہتا تھا کہ
وہ میرے سامنے حلیہ مُبارکہ میں سے کچھ بیان کریں تاکہ مَیں
اُس کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرلوں ۔ پس انھوں نے کہا کہ
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی ذات میں بھی عظیم تھے ، اور
دوسروں کے نزدیک بھی نہایت ہی معظّم تھے ۔ آپ کا
چہرہٗ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا ۔ آپ
درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے اور دراز قد سے کسی قدر
پست تھے ۔ آپ کا سر مبارک بڑا تھا ۔ آپ کے بال مبارک
قدرے گھنگھریالے تھے ۔ اگر آپ کے بال مبارک جدا ہو جاتے
تو آپ جُدا کر دیتے (مانگ نکال لیتے) ورنہ نہیں ۔ آپ کے
بال مبارک کانوں کی لَو سے تجاوز کر جاتے جبکہ آپ بالوں کو
بڑھا لیتے ۔ آپ کا رنگ مبارک سرخ وسفید تھا آپ کی
پیشانی مبارک کشادہ تھی ۔ آپ کے ابرو مُبارک باریک اور
خم دار تھے ، وہ کامل تھے مگر آپس میں ملے ہُوئے بھی نہیں
تھے ۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک باریک رگ تھی جو
غصّہ کے وقت اُبھر آتی تھی ۔ آپ کی ناک مُبارک اُونچی تھی
اُس پر ایک نور اور چمک تھی ۔ جو شخص غور سے نہیں دیکھتا
تھا وہ خیال کرتا تھا کہ آپ کی ناک مُبارک اُونچی ہے ۔ آپ
کی داڑھی مبارک گھنی تھی ۔ رُخسار مبارک ہموار تھے ۔ دہن
مبارک کشادہ تھا ۔ سامنے کے دانتوں میں قدرے کشادگی

تھی۔ سینے سے ناف مبارک تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔ آپ کی گردن مبارک مورتی کی گردن جیسی تھی، جو صفائی میں چاندی جیسی تھی۔ آپ معتدل جسم والے تھے، بدن مبارک گٹھا ہوا تھا۔ پیٹ اور سینہ مبارک برابر تھے۔ آپ کا سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ آپ کے اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی اور مضبوط تھیں۔ جسم مبارک کا لباس سے خالی حصّہ بڑا نورانی تھا۔ لبّہ (سینہ) اور ناف کو بالوں کی ایک باریک لکیر ملاتی تھی۔ چھاتی مُبارک اور پیٹ مبارک پر بال نہیں تھے سوائے اس باریک لکیر کے۔ آپ کے دونوں بازوؤں اور دونوں کندھوں پر بہت بال تھے، اور سینے کے بالائی حصّے پر بھی۔ آپ کی دونوں کلائیاں لمبی تھیں اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ دونوں ہاتھ اور پاؤں پُرگوشت تھے۔ (راوی نے سائل یا شائل لفظ استعمال کیا ہے، معنیٰ دونوں کا ایک ہے۔) یعنی آپ کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں دراز تھیں۔ دونوں پاؤں کے تلوے خالی تھے، دونوں قدم مبارک صاف تھے کہ اُن پر پانی ڈالو تو وہ بہہ نکلے۔ جب آپ چلتے تو قدم اُٹھا کر چلتے تھے۔ جب قدم رکھتے تو جھک کر اور چلتے تو وقار کے ساتھ۔ آپ کی چال مُبارک تیز تھی۔ جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں۔ جب آپ کسی طرف توجّہ فرماتے تو پورے طور پر توجّہ فرماتے۔ آپ کی نظر مُبارک پست رہتی تھی زمین کی طرف بہ نسبت نظر اُوپر آسمان کی طرف اُٹھنے کے۔ آپ کی نظر بس ایک دفعہ دیکھ لینا ہوتا

تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہؓ کو اپنے آگے چلاتے تھے ، اور آپ جس شخص سے بھی ملتے سلام کرنے میں پہل کرتے تھے ۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ ہمارے پاس سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔ ان کا ذکر پچھلی روایت میں ہو چکا ہے ۔ قَالَ حَدَّثَنَا جُمَیْعُ بْنُ عُمَیْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِیُّ ۔ سفیان کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جمیع بن عمیر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ یہ بھی قابلِ اعتبار راوی ہے ۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو عجل کے ساتھ تھا۔ بہت سے دیگر صحابہؓ بھی اس قبیلہ کے لوگ تھے ۔ تو سفیان کہتے ہیں کہ جمیع نے یہ روایت اِمْلَاءً عَلَیْنَا مِنْ کِتَابِہٖ اپنی کتاب سے ہمیں لکھوا دی۔ ممکن ہے کہ انھوں نے یہ روایت اپنی نوٹ بک یا کتاب میں سے سفیان کو لکھوا دی ۔ دراصل اِمْلَاءً مصدر مبنی للفاعل ہے ۔ پھر اس کو حال بنائیں گے تو اس طرح پڑھیں گے حَالَۃَ کَوْنِہٖ مُمْلِیًا عَلَیْنَا مِنْ کِتَابِہٖ یعنی جمیع نے ہمارے پاس یہ روایت بیان کی اس حال میں کہ وہ اپنی کتاب سے ہمیں لکھوانے والے تھے ۔ املا کا معنیٰ لکھوانا ہوتا ہے ۔

قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مِّنْ وُّلْدِ اَبِیْ ھَالَۃَ پھر جمیع بن عمیر کہتا ہے کہ میرے پاس بنی تمیم کے ایک شخص نے خبر دی جو کہ ابو ہالہ کی اولاد میں سے تھا ۔ پھر آگے وضاحت ہے کہ ابو ہالہ کونسا ہے؟ زَوْجِ خَدِیْجَۃَ ۔ یہ وہی ابو ہالہ ہے جو امّ المومنین حضرت خدیجہؓ کا پہلا خاوند تھا اور بیان کرنے والا شخص کون تھا ؟ یُکْنٰی اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ جس کی کنیت ابو عبداللہ تھی ۔ محدثین فرماتے ہیں کہ ابو ہالہ کا نام نباش بن زرارہ یا زرارہ بن نباش تھا اور جس نے یہ روایت جمیع بن عمیر کے سامنے بیان کی وہ ابو ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور اس کی کنیت ابو عبداللہ تھی ۔

اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ

حضرت خدیجہ بنت خویلد (المتوفاۃ سنلہ نبوی) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اوّلین رفیقہ حیات ہیں ۔ بڑی پاکدامن، صالحہ، عقل مند اور با اخلاق خاتون تھیں۔ انھی خوبیوں کی بناء پر زمانہ جاہلیت میں بھی طاہرہ کہلاتی تھیں۔ خاندانِ قریش کا ہر خاص وعام فرد ان کا احترام کرتا تھا۔ محترمہ کا پہلا نکاح عتیق بن خالد مخزومی کے ساتھ ہوا ۔ خاندان بنی مخزوم بھی قبیلہ قریش ہی کی ایک شاخ تھی اور ابوجہل کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔اس نکاح کے نتیجہ میں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔اس کے بعد آپ کا یہ شوہر فوت ہو گیا۔اُس دور میں بھی نکاحِ ثانی کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح ابوہالہ کے ساتھ ہوا جس سے دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے اور اسی ہالہ کے نام پر ہی اس کی کنیت ابوہالہ مشہور ہو گئی ۔پھر ابوہالہ بھی فوت ہو گیا جب کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس۴۰ سال ہو چکی تھی ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تیسرا نکاح حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا، اُس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس۲۵ سال تھی ۔اس طرح زوجین کی عمر میں پندرہ سال کا تفاوت تھا۔جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہُوا تو اُن کا چھوٹا بیٹا ہند بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگیا اور اسی طرح ہند آپ کا ربیب بن گیا اور اُس نے آپ ہی کے ہاں پرورش پائی ۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ساری اولاد یعنی تین لڑکے اور چار لڑکیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ان کے علاوہ کسی اُمّ المومنین سے کوئی اولاد نہیں ہُوئی۔البتہ ماریہ قبطیہؓ (المتوفاۃ سنہ ۱۶ھ) کے بطن سے آپ کا بیٹا ابراہیمؓ (المتوفی سنہ ۱۰ھ) پیدا ہوا۔یہ خاتون آپ کی منکوحہ نہیں تھی بلکہ مصر سے آنے والی لونڈی تھی ۔حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کل گیارہ خواتین سے نکاح کیا جن میں سے

دو خواتین حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ تو آپ کی زندگی میں ہی فوت ہوگئیں جب کہ خود آپ کی وفات کے وقت نو امہات المؤمنین موجود تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی صاحب فضیلت خاتون تھیں۔ ان کی فضیلت کے سلسلے میں آپ آگے بہت سی روایات پڑھیں گے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ مالدار خاتون تھیں انھوں نے اپنی ساری دولت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اشارے پر اسلام پر قربان کر دی۔ ان کی وفات رمضان المبارک ۱۰ نبوی[1] میں ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے خود قبر میں اُتر کر جنت المعلّٰی کے قدیم قبرستان میں دفن کیا۔ اس زمانہ میں موجودہ مشروع طریقے سے جنازہ نہیں پڑھا جاتا تھا۔ تاہم ملّتِ ابراہیمیہ کا جس قدر طریقہ مکہ میں مروّج تھا اس کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی تدفین کر دی گئی۔ موجودہ چار تکبیر والا جنازہ بہر حال بعد میں شروع ہوا۔

محدثین کرام جب اوّلین ایمان لانے والوں کا ذکر کرتے ہیں تو خواتین میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام سر فہرست آتا ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ گھبرائے ہوئے گھر آئے اور اپنی رفیقۂ حیات کو سارا ماجرہ سُنایا تو انھوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو رُسوا نہیں کرے گا۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ اس نے سارا واقعہ سن کر کہا کہ یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ الغرض حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئیں۔

مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے دوست تھے۔ وہ بھی پہلے ہی دن ایمان لائے۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؓ بن ابی طالب ہیں۔ ان کی عمر آٹھ سال تھی اور یہ آپ ہی کے زیر پرورش تھے۔

---

[1] ہجرت سے ۲۹ ویں ماہ ۳ھ میں بعمر تیس سال مدینہ منورہ میں وفات پائی انکا لقب ام المساکین تھا۔ (فیاضی)

راوی ابوعبداللہؒ اس روایت میں بنی تمیم کے ایک شخص کی کنیت ابوعبداللہ بیان کی گئی ہے۔ یہاں الفاظ ہیں ۔ یُکَنّٰی اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ لفظ یُکَنّٰی تو فعل مجہول ہے اور فعل مجہول کے بعد نائب فاعل اَبُوْ آنا چاہیئے تھا مگر یہ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ کیسے آگیا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "بِنَزْعِ خَافِضٍ" یُکَنّٰی حرف جارہ ہے مگر یہ عام قانون ہے کہ جارہ کو اڑا کر منصوب پڑھ لیتے ہیں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ نائب فاعل نہیں بلکہ یہ مفعول ثانی ہے اور اس کا نائب فاعل ھُوَ ہے۔ اس طرح عبارت یہ ہوگی یُکَنّٰی ھُوَ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ پھر مفعول منصوب ہو گیا تو اس کو اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ ہی پڑھیں گے۔

یا اس اشکال کا تیسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ منصوب علی المدح ہے۔ اور نحوی اصول کے مطابق اس کا منصوب پڑھنا درست ہے۔

راوی ہند ابن ابی ہالہؒ بہرحال ابوعبداللہ نے روایت بیان کی ہے ۔ عَنْ اِبْنٍ لِاَبِیْ ھَالَۃَ ابو ہالہ کے ایک فرزند سے جس کو ہند کہتے تھے۔ پچھلے ابوعبداللہ کا نام بھی ہند تھا اور اس کی کنیت بھی ابو ہالہ تھی اور اس کو ابوعبداللہ کی کنیت سے بھی پکارتے تھے۔

راوی حسن ابن علیؓ آگے ہند ابن ابی ہالہ نے یہ روایت لی ہے عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حضرت حسن بن علیؓ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور خورد سالہ صحابی ہیں۔ حضرت حسنؓ ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی حسین بن علیؓ تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا سے رخصت ہوئے تو دونوں بھائی ابھی چھوٹے تھے۔ تاہم حضرت حسنؓ کی عمر سات سال تھی۔ ان سے بائیس ۲۲ روایات منقول ہیں جو انھوں نے براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنی تھیں۔

حضرت حسنؓ بڑے حسین وجمیل تھے۔ بڑے بہادر تھے اور کئی جہادوں میں بھی

شریک ہوئے۔ یہ اُن حضرات میں سے ہیں جن کے متعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا تھا: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۲۱۸) یعنی حضرت حسنؓ اور حسینؓ (المتوفی ۶۱ھ) جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ کم سنی کی وجہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے زیادہ فیض حاصل نہیں کر سکے۔ تاہم بعض روایات ان سے بھی منقول ہیں۔ انھوں نے بہت سے نکاح بھی کیے تھے۔ اس لیے بعض شبہات کی بنا پر خاندان کے لوگ ان سے دشمنی بھی رکھتے تھے آخر کار ان کو زہر دے دیا گیا جو ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ان کی موت کا سبب بن گیا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند تھے اور انھی کے نام سے آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت علیؓ کے تین بیٹے حسنؓ، حسینؓ اور محسنؓ اور ایک بچی اُمّ کلثومؓ تھی۔

تو یہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے: قَالَ سَاَلْتُ خَالِیْ ھِنْدَ بْنَ اَبِیْ ھَالَۃَ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند[1] بن ابی ہالہؓ سے دریافت کیا۔ یہ ہند حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے جو اُن کے دوسرے خاوند ابوہالہ سے تھے اور جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گیا تو یہ اپنی والدہ کے ساتھ ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر آ گئے اور یہیں پرورش پائی۔ چونکہ یہ حضرت فاطمہؓ کے مادری بھائی ہیں لہٰذا حضرت حسنؓ کے ماموں بنتے ہیں۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا اس لیے کہ وَکَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حلیہ مبارکہ بڑے اچھے طریقے سے بیان کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہند بن ابی ہالہ بچپن سے ہی آپ کے زیر پرورش رہے لہٰذا وہ آپ کے عادات وخصائل اور حلیہ مُبارکہ کو خوب جانتے تھے اور پھر بیان بھی خوب مزے لے لے کر کیا کرتے تھے۔ وَصَّافًا کے کئی معنے ہو سکتے ہیں جیسے کثرت سے

---

[1] یہ جنگ جمل میں قتل ہوئے یا طاعون عمواس میں۔ المواہب اللدنیہ ص ۱۸۰۔ (فیاضی)

بیان کرنا، بار بار بیان کرنا یا مزے لے لے کر بیان کرنا۔ یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ ہر اہلِ ایمان کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے قلبی لگاؤ ہے اور وہ آپ کے عادات و خصائل، رنگ ڈھنگ، چال ڈھال، گفتار و کردار وغیرہ کو خود بھی جاننا چاہتا ہے، اور دوسروں کے سامنے بیان کرنے کو بھی اپنے لیے باعثِ سعادت جانتا ہے۔ اسی لیے حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ میرے ماموں ہندؓ بن ابی ہالہ اس معاملہ میں بڑے فصیح تھے۔

حضرت حسنؓ اپنے متعلق بھی کہتے ہیں وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا" کہ میری اپنی خواہش بھی یہ ہوتی تھی کہ میرے ماموں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے عادات و خصائل اور حُلیہ مُبارکہ کے متعلق میرے سامنے کچھ بیان کریں اور اس کا فائدہ یہ ہوگا اَتَعَلَّقُ بِهٖ کہ میں بھی اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرسکوں گا۔ اَتَعَلَّقُ بِهٖ کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ میرے ماموں جو کچھ میرے سامنے بیان کریں میں اس کو ذہن نشین کرلوں اور آگے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچاؤں اور اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اطوارِ مبارکہ میں سے جو کچھ سُنوں اس کی اقتداء کروں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (احزاب : ۲۱)

"اے ایمان والو! تمھارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔" چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول اور ایک ایک عمل کو اپنالیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ (المتوفی ۷۴ھ) کے شدتِ تعلّق کا یہ حال تھا کہ وہ اپنا قدم بھی وہیں رکھتے تھے جس جگہ کے متعلق انھیں علم تھا کہ آپؐ نے یہاں پر قدم رکھّا ہے۔ یہ حضرت ابن عمرؓ کی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبّت کا اثر تھا کہ وہ وضو بھی اُسی جگہ پر بیٹھ کر کرتے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔

حضرت حسن بن علیؓ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں بایں وجہ اپنے ماموں سے سوال کرتا رہتا تھا تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اطوار و فضائل کو زیادہ سے زیادہ جان سکوں اور پھر ان پر عمل بھی کرسکوں۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۱

درس ۔ ۷ — حدیث ۔ ۱

(حصّہ دوم)

فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُّفَخَّمًا ..... وَيَبْدَءُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ ۵۶۸)

عظمتِ رسالت

اس حدیث کا کچھ حصّہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت حسن بن علیؓ ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حلیہ مبارکہ اور اخلاق و عادات کے متعلق دریافت کیا کیونکہ وہ یہ چیزیں بہتر طریقے سے بیان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُّفَخَّمًا کہنے لگے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور دوسروں کے نزدیک بھی نہایت ہی عظمت والی شخصیّت تھے۔ بعض لوگ اپنی ذات میں کمتر ہونے کے باوجود دوسرے لوگوں کے سامنے بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ چیز حقیقت کے خلاف اور دوسروں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہوتی ہے مگر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُن صفاتِ کمال سے متصف تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھی تھیں۔ چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ آپ كَانَ عَظِيْمًا فِىْ ذَاتِهٖ وَمُعَظَّمًا عِنْدَ النَّاسِ ۔ اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور لوگوں کی نظروں میں بھی عظیم تھے۔

چودھویں رات کا چاند

فرمایا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ یہ محض شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ فی الواقع حضور

کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند یا سچّے موتی کی طرح چمکتا تھا
لُؤْلُؤٌ قدرتی پیدا ہونے والے سچّے موتی کو کہتے ہیں جس کی چمک بہت
زیادہ ہوتی ہے۔ اس موتی کی حقیقت یہ ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو سمندر میں
موجود سیپی کا منہ قدرتی طور پر کھلتا ہے اور جب بارش کا کوئی قطرہ سیپی کے منہ میں
داخل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے سیپی کا منہ خود بخود بند ہو جاتا ہے اس
میں تغیرات پیدا ہوتے ہیں اور ایک خاص مدّت میں وہ بارش کا قطرہ موتی بن جاتا
ہے۔ پھر غوطہ خور بڑی تگ و دو کے بعد ان سیپیوں کو سمندر سے نکال لیتے ہیں۔ ان
سے نہایت قیمتی موتی نکالتے ہیں جو نہایت ہی چمکدار ہوتے ہیں اور وہ سیپیاں بھی بڑی
قیمتی اور کارآمد ہوتی ہیں۔ اس دنیا میں سونا چاندی تو صرف عورتیں ہی پہن سکتی ہیں مردوں
کے لیے جائز نہیں ہے تاہم موتی مردوں کے لیے اس دُنیا میں بھی روا ہیں اور جنت
میں تو خاص طور پر اہلِ جنّت کے لیے سونا، ریشم اور موتیوں کے ہار بطور انعام ہوں گے
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا
وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۝ (الحج : ۲۳) "وہاں اُن کو سونے کے
کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا"
اس روایت میں راوی کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا چہرہ مبارک موتیوں یا
چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

قدِ مبارک

راوی بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قد مبارک اَطْوَلُ
مِنَ الْمَرْبُوْعِ عام درمیانے قد سے ذرا لمبا تھا۔ امام[۱] ذھلیؒ کی
روایت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ مَرْبُوْعًا وَّهُوَ اِلَى الطُّوْلِ اَقْرَبُ یعنی
قد مبارک زیادہ دراز نہیں تھا بلکہ کسی قدر طول کی طرف مائل تھا۔ آگے زیادہ درازی
کی نفی بھی ہے۔ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ زیادہ لمبائی والے قد سے آپ کا
قد مبارک قدرے کم تھا۔
دراصل شذب کانٹ چھانٹ کو کہتے ہیں۔ جس درخت کی شاخیں کاٹ

[۱] مناوی ص۱۳۰ ...

دی گئی ہوں وہ قدرتی طور پر عام لمبائی سے ذرا لمبا ہی نظر آتا ہے تو یہاں پر مشذب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قد مبارک کانٹ چھانٹ کیے گئے درخت کی طرح لمبا نہیں تھا بلکہ اُس سے کم تھا۔ گویا نہ تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پست قد تھے اور نہ ہی دراز قد بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ بلکہ کسی قدر درازی کی طرف مائل تھا۔

سر مُبارک

راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام عَظِیْمُ الْهَامَۃِ تھے. یعنی آپ کا سر مبارک قدرے بڑا تھا۔ هَامَۃِ سر کی کھوپڑی کو کہا جاتا ہے جس کی جمع هَامَاتٌ آتی ہے۔ بعض لوگوں کے سر کسی عارضہ کی وجہ سے پھول جاتے ہیں مگر آپ کا سر مبارک ایسا نہیں تھا بلکہ قدرتی طور پر اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ اگر سر قدرتی طور پر بڑا ہو گا تو اس شخص کا دماغ بھی بڑا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی زیادہ ہو گی جو کہ خوبی کی علامت ہے۔ البتہ چھوٹے سر معیوب سمجھے جاتے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں کی دماغی صلاحیّت بھی عموماً کم ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی شاہ دولہ کی چوہیاں دیکھی ہیں جن کے سر بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شاہ دولہ کی کارروائی ہے حالانکہ یہ بچے قدرتی طور پر چھوٹے سر والے پیدا ہوتے ہیں۔ پیدا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ. وہ جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اس میں شاہ دولہ کا کیا اختیار ہے۔ بعض سر بیماریوں کی وجہ سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جب ایسا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُسے شاہ دولہ کی قبر پر جا کر چھوڑ آتے ہیں جسے قبر والے کا کارنامہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کہتے ہیں کہ جب کسی مخلوق کا مادہ نوعی احکام کو قبول نہیں کرتا تو اس کی شکل بگڑ جاتی ہے، کسی کا سر بڑا ہو گیا اور کسی کا چھوٹا، کسی کے ایک سر کی بجائے دو سر بن گئے اور دو ہاتھوں کی بجائے چار ہاتھ بن گئے بعض لوگوں کے بعض اعضا معمول سے لمبے اور بعض کے چھوٹے رہ جاتے ہیں۔ یہ قدرت کا کام ہے کہ کسی عضو کو گھٹا دیا اور کسی کو بڑھا دیا۔ بہر حال حضور نبیٔ کریم

صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا جو کہ عیب نہیں بلکہ کمال کی علامت ہے۔

بال مُبارک رَجِلَ الشَّعْرِ آپ کے بال مبارک کسی قدر گھنگھریالے تھے یعنی شَدِیْدُ الْجُعُوْدَةِ بہت زیادہ شکستگی نہیں تھی بلکہ نہ تو بال مبارک بالکل سیدھے تھے اور نہ ہی بالکل شکستہ۔ حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام کے بال مبارک قدرے گھنگھریالے تھے۔ اِنِ انْفَرَقَتْ عَقِیْقَتُهٗ فَرَقَ وَ اِلَّا فَلَا۔ اگر آپ کے سر کے بال مبارک جدا ہو جاتے تو آپ جُدا کر دیتے ورنہ نہیں۔ بالوں کی جدائی کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر غسل کرنے کے بعد حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام اپنے بالوں کو سنوارتے اور اگر آسانی سے سر میں مانگ نکل آتی تو نکال لیتے ورنہ آج کل کے نوجوانوں کی طرح کنگھی شیشہ استعمال کر کے لازمی طور پر مانگ نہیں نکالتے تھے۔ یہاں پر فَلَا کا معنیٰ ہے فَلَا یَتَكَلَّفُ آپ مانگ نکالنے میں تکلف نہیں فرماتے تھے۔

اس روایت میں بالوں کے لیے عقیقہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عقیقہ کا معنیٰ نافرمانی بھی ہوتا ہے اور بال اتارنا بھی ہوتا ہے۔ جب نوزائیدہ بچے کے سر کے بال اتارے جاتے ہیں جن کا ساتویں دن اُتارنا مستحب ہے تو اُس دن کچھ صدقہ بھی کیا جاتا ہے جس پر عقیقہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خود حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام نے اپنے نواسوں حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بال پیدائش کے بعد ساتویں دن اُتارے تھے اور ختنہ بھی کیا تھا جس شخص کو توفیق ہو وہ اُس دن بالوں کے برابر سونا، چاندی وغیرہ کا صدقہ بھی کر دے۔ اگر توفیق نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے صدقہ تو ہر وقت مستحب ہے، آدمی آگے پیچھے بھی تھوڑا بہت کر سکتا ہے یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ بچے کی پیدائش اللہ تعالےٰ کی نعمت ہے۔ لہٰذا بال اتارتے وقت نعمت کے شکریہ کے طور پر صدقہ کیا جاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ بچے کے پہلے بال اُتارنے کے بعد کچھ رسُومات

ادا کرتے تھے اور زعفران یا کوئی دوسری چیزیں ملتے تھے مگر اسلام نے ان رسومات کی ممانعت فرمادی، البتہ بالوں کے وزن کے برابر صدقہ کرنے کو مستحب قرار دیا۔ (لڑکے کی طرف سے دو جانور اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور کی قربانی بھی مستحب قرار دی گئی ہے۔)

یہاں پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں پر بھی عقیقہ کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے، اس کی بھی کوئی حکمت ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ پیدائش کے ساتویں دن نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال نہیں اُتارے گئے تھے لہٰذا اس مناسبت سے آپ کے بالوں پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پیدائش پر آپ کے نام پر کی جانے والی جاہلانہ رُسوم سے اللہ نے بچا لیا۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ تو فوت ہو چکے تھے آپ کی والدہ تھیں یا آپ کے دادا عبدالمطلب تھے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اُس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بال اتارنے کی باقاعدہ رُسوم نہ ادا کی گئی ہوں۔ یا اگر اُس وقت آپ کے بال اُتار بھی دیے گئے ہوں تو یہاں پر عقیقہ کا اطلاق مطلقاً بالوں پر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

یُجَاوِزُ شَعْرُہٗ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ آپ کے سر کے بال مُبارک کانوں کی لَو سے تجاوز کر جاتے تھے اِذَا ھُوَ وَفَّرَہٗ جب آپ بالوں کو بڑھاتے تھے وَفْرَہٗ کا لغوی معنیٰ آگے بڑھانا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت حجامت دیر سے بنوائی ہے تو اس دوران میں بال مبارک بڑھ جاتے تھے وگرنہ عام طور پر کانوں کی لَو تک دراز ہوتے تھے۔ بہرحال اگر بال کانوں سے نیچے گردن تک پہنچ جائیں تو اس کے لیے لِمَّۃٌ کا لفظ بولا جاتا ہے اور اگر مزید بڑھ کر کندھوں تک آجائیں تو اُسے جُمَّۃٌ کہتے ہیں۔

رنگ مُبارک

آگے راوی بیان کرتا ہے: اَزْھَرَ اللَّوْنِ آپ کا رنگ مبارک سفید تھا جس میں سُرخی ملی ہُوئی ہو۔ یعنی آپ کے

رنگ مُبارک میں ہلکی سی گندم گونی تھی۔ عام لوگوں کے نزدیک بھی سرخ و سفید رنگ بڑا خوب صورت ہوتا ہے۔ نیز وَاسِعَ الْجَبِیْنِ آپ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ دھوبی کے پھٹے کی طرح نہیں بلکہ طولاً عرضاً کشادہ تھی جو کہ خوبی، کمال اور حُسن کی علامت ہے۔

اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اَبرو مُبارک باریک اور خمدار تھے اور کامل تھے۔ بعض لوگوں کے اَبرو درمیان میں ٹوٹ جاتے ہیں مگر آپ کے اَبرو مُبارک ایسے نہیں تھے بلکہ آخر تک یکساں طور پر مکمّل تھے جو کہ خوب صُورتی کی علامت ہے۔

حَوَاجِبْ جمع ہے حَاجِبٌ کی جس کا معنیٰ دربان بھی ہوتا ہے اور ابرو بھی۔ عام اصول یہ ہے کہ انسانی جسم کے دوہرے اعضاء مؤنث استعمال ہوتے ہیں مگر اس اصول کا اطلاق ابروؤں پر نہیں ہوتا اور یہ آنکھوں اور کانوں وغیرہ کے برخلاف مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ اَزَجَّ کا لفظ زجاج یا زج کے مادہ سے ہے اور زجاج شیشے کو بھی کہتے ہیں مگر یہاں پر اَزَجَّ سے مُراد باریک اور خمدار ہے۔

آگے ابروؤں کی تعریف میں ہے مِنْ غَیْرِ قَرَنٍ کہ آپ کے دونوں ابرو آپس میں ملے ہُوئے نہیں تھے بلکہ بَیْنَہُمَا عِرْقٌ یُدِرُّہُ الْغَضَبُ اُن دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصّے کے وقت اُبھر آتی تھی۔

قَرَنَ یَقْرُنُ قَرْنٌ جوڑنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اسی لیے حج کی ایک قسم قِران ہے جس میں عمرہ اور حج کا اکٹھا احرام باندھا جاتا ہے۔ قرین کا معنےٰ ساتھی بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور قَرِنَ باب سَمِعَ سے فَهُوَ مَقْرُوْنُ الْحَوَاجِبِ کے معنیٰ میں آتا ہے۔

عِرَقٌ کا معنیٰ پسینہ یا خاص طور پر کشید شدہ پانی بھی ہوتا ہے مگر عِرْقٌ عُرُوْقٌ عِرَاقٌ کا معنیٰ جڑ یا رگ ہوتا ہے۔ اللہ نے انسانی جسم میں بے شمار

رگیں پیدا کی ہیں جن کے ذریعے جسم کے ہر حصّے میں خون گردش کرتا ہے بعض رگیں باریک ہوتی ہیں اور بعض موٹی۔ جسم کے جس جس حصّے میں جس قسم کی رگ کی ضرورت ہے اللہ نے ویسی ہی پیدا کی ہے۔ انھی رگوں کے ذریعے فاسد خون، پیشاب اور پاخانہ وغیرہ جسم سے باہر نکلتا ہے۔

بہرحال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دونوں ابرو آپس میں ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ ان کے درمیان قدرے فاصلہ تھا جس میں ایک ایسی باریک رگ تھی جو غصّے کے وقت اُبھر کر نظر آنے لگتی تھی۔ یاد رہے کہ غصّے کی آمد کمالِ قوّت کی علامت ہے۔ آپ عام طور پر غصّے کا ردِّ عمل ظاہر نہیں فرماتے تھے، سوائے اس کے کہ جب کوئی شخص حدودِ شرع کو پامال کرتا تھا تو پھر آپ کا غصّہ ظاہر ہو جاتا تھا۔ ایسی حالت میں کوئی چیز آپ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی تھی جب تک کہ غلط بات کی درستگی نہ ہو جاتی۔

پھر کہتے ہیں اَقْنَی الْعِرْنِیْنِ آپ کی ناک مبارک کا بانسہ اونچا یا لمبا معلوم ہوتا تھا۔ حالانکہ فی الواقعہ ایسا نہیں تھا بلکہ آپ کی ناک مبارک آپ کے دیگر جسمانی اعضاء کے ساتھ بالکل معتدل تھی۔ آپ پوری نوعِ انسانی میں مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ تھے۔ تاہم لَهٗ نُوْرٌ يَّعْلُوْهُ آپ کے چہرہ مبارک پر غیر معمولی ایسی نورانیت چھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ کی ناک مبارک قدرے دراز معلوم ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق مختلف لوگوں کے اعضاء میں تفاوت رکھا ہے، کسی کی ناک لمبی ہوتی ہے، کسی کی چھوٹی اور کسی کی معتدل بعض علاقوں کے لوگوں کی ناک بہت اُونچی اور بعض کی بالکل چپٹی ہوتی ہے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ناک اُونچی معلوم ہوتی تھی مگر حقیقت میں وہ معتدل تھی۔ امام ذہبیؒ [1] (المتوفی ۷۴۸ھ) نے

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۲۵۲ ج ۴ ۔ (فیاض)

ایک لمبی ناک والے محدثؒ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ جب زوجین کو خلوت حاصل ہوئی تو اُس نے بیوی کا بوسہ لینا چاہا۔ اندھیرا تھا، بیگم کہنے لگی صاحب ذرا یہ گھٹنہ تو پیچھے ہٹاؤ تو وہ کہنے لگا کہ یہ گھٹنہ نہیں بلکہ میری ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لیسے اعضاء بھی پیدا کیے ہیں۔

آگے اس اونچی ناک کی مزید وضاحت ہے یَحْسِبُہٗ مَنْ لَّمْ یَتَاَمَّلْہُ اَشَمَّ جو شخص آپ کے چہرہ مبارک کو غور سے نہیں دیکھتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ آپ کی ناک لمبی ہے یا اُونچی ہے مگر واقعہ اور نفس الامر میں ایسا نہیں تھا بلکہ آپ کی ناک مبارک بالکل متناسب تھی۔

اَشَمَّ کا لفظی معنیٰ پہاڑ کی چوٹی ہے اور اسے بلندی کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چہرہ مبارک کی طرف غور سے نہ دیکھنا رُعب کی وجہ سے ہو سکتا تھا یا جس شخص کو بغور دیکھنے کا موقع میسّر نہیں آتا تھا یا بعض اوقات حالات ایسے ہوتے تھے کہ وہ غور سے دیکھنا مناسب نہیں سمجھتا تھا تو ایسا شخص بھی ناک مبارک کو اونچی گمان کرتا تھا ورنہ اکثر ملاقات کرنے والے آدمی کو کبھی یہ گمان نہیں ہوتا تھا۔ شاعر نے اپنے ممدوح کی تعریف میں بھی اَشَمَّ کا لفظ اسی معنیٰ میں استعمال کیا ہے[۲]۔

؎ عَجَبًا لِاَرْبَعِ اَذْرُعٍ فِیْ خَمْسَۃٍ
فِیْ جَوْفِھَا جَبَلٌ اَشَمُّ کَبِیْرُ

پانچ بالشت لمبی اور چار بالشت چوڑی قبر میں بڑا اونچا پہاڑ دفن ہے۔ یہ کسقدر عجیب بات ہے۔ شاعر نے اپنے محبوب کو اونچے پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دی ہے حالانکہ اتنی تھوڑی جگہ میں پہاڑ نہیں بلکہ اُس کا محبوب دفن تھا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے داڑھی مبارک کے متعلق راوی کہتا ہے کَثَّ

---

[۱] ابوعاصم النبیلؒ المتوفی ۲۱۴ھ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ان کو ایک ہزار جید اور صحیح احادیث یاد تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۳۳۱ وتہذیب التہذیب ج۴ ص۴۵۱)

[۲] حماسہ باب المراثی ص۱۶۴ (فیاض)

اللِّحْيَۃِ آپ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ مختلف لوگوں کی داڑھیوں کی ساخت بھی مختلف ہوتی ہے۔ بعض داڑھیاں لمبی، بعض چھوٹی، بعض پتلی اور بعض گھنی۔ تاہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی داڑھی مبارک گنجان تھی۔ داڑھی کا ذکر اور اس کے احکام آگے بھی آئیں گے جب آپ کو پتہ چلے گا کہ داڑھی کتنی اہم شے ہے حالانکہ آج کل اسے معیوب خیال کیا جاتا ہے۔

پہلے زمانے میں ہر مذہب وملّت کے نیک وبد لوگ سب داڑھیاں رکھتے تھے۔ ہندوستان کے تمام راجاؤں اور بادشاہوں کی بڑی بڑی داڑھیاں تھیں پھر بعض اقوام میں داڑھیاں منڈوانے کا رجحان پیدا ہوگیا جو کہ درست نہیں ہے۔ جس طرح عورت کے حق میں سر کے بال ضروری ہیں اسی طرح مرد کے لیے داڑھی ضروری ہے۔ عورت کے سر کے بالوں کی طرح مرد کی داڑھی بھی اس کی زینت ہے۔ آپ غور کریں کہ اگر عورت سر کے بال کٹوا دے تو اس کی کیا حالت ہوگی، اس کی شکل کیسی بن جائے گی، اسی طرح مرد کی داڑھی ہے مگر لوگ اس حقیقت کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے انسانیت کے نقطہ نگاہ سے داڑھی منڈوانے کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ داڑھی منڈوانے کی قباحت سے تم تو واقف ہو، مگر اس کا مزا اُن لوگوں سے پوچھو جو داڑھی منڈواتے ہیں۔ بہرحال یہ سراسر فسق ہے۔

یاد رکھنا اہلِ جنت کی داڑھیاں نہیں ہوں گی، دُعا کریں کہ ہم سب لوگ اللہ کی رحمت کے اُس مقام میں پہنچ جائیں۔ صحابی رسول حضرت ابو الدرداءؓ[1] (المتوفی ۳۲ھ) دُعا کرتے تھے[2] بَرَّحَ اللّٰہُ اللُّحٰی۔ اللہ تعالیٰ ان داڑھیوں کو دور کرے یعنی ہمیں جنت میں پہنچائے کیونکہ اہلِ جنّت کا یہ خاصہ ہوگا کہ اُن کی داڑھیاں نہیں ہونگی۔ تاہم دُنیا میں داڑھی مرد کے لیے کمالِ عزّت کی نشانی ہے۔ بہرحال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی داڑھی مبارک گنجان تھی۔ کَثَّ، یَکُثُّ، کَثِیْثًا کا معنی گھنا اور گنجان ہونا ہے۔

---

[1] ان کا نام عویمر تھا۔ [2] الزہد للامام الزاہد ہناد بن السری الکوفی التمیمیؒ المتوفی ۲۴۳ھ ص ۱۴۰ (فیاض)

سَہۡلَ الۡخَدَّیۡنِ آپ کے رُخسار مبارک ہموار تھے۔ بعض لوگوں کے منہ پر چھائیاں اور کیل وغیرہ ہوتے ہیں اور بعض کے چہرے پر چیچک کے داغ یا گڑھے ہوتے ہیں۔ مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے رخسار مبارک بالکل صاف اور ہموار تھے۔ ضَلِیۡعَ الۡفَمِ آپ کا دہن مبارک کشادہ تھا۔ اگر منہ چھوٹا یا تنگ ہو تو وہ فصیح و بلیغ نہیں ہوتا اور ایسے منہ سے نکلی ہُوئی بات ٹھیک طریقے سے فصاحت میں بھی نہیں آتی۔ بہت بڑا منہ بھی بھدّا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ متناسب کشادہ دہنی ایک اچھّی صفت ہے، جو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں موجود تھی۔

مُفَلَّجَ الۡاَسۡنَانِ آپ کے سامنے کے دانتوں میں قدرے کشادگی تھی یعنی وہ آپس میں بالکل پیوست نہیں تھے بلکہ اُن کے درمیان معمولی سا فرق تھا۔ دَقِیۡقَ الۡمَسۡرُبَۃِ بالوں کی ایک باریک لکیر تھی جو سینے سے شروع ہو کر ناف تک چلی گئی تھی۔ اس کا ذکر گزشتہ روایت میں بھی آچکا ہے۔ کَاَنَّ عُنُقَہٗ جِیۡدُ دُمۡیَۃٍ آپ کی گردن مبارک ایسی تھی گویا کہ کسی حسین و جمیل مورتی کی گردن ہو۔ پرانے زمانے میں پتھر کی خوب صورت مورتیاں، گڑیاں یا پُتلیاں بنائی جاتی تھیں جنھیں خوبصورتی کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ آپ بُدھ کے زمانہ کی تہذیب کسی عجائب گھر میں جا کر دیکھیں، آپ حسین و جمیل مجسمے دیکھ کر حیران رہ جائیں گے جنھیں وہ لوگ پتھروں کو تراش تراش کر بناتے تھے۔ صنم گری کی یہ انتہا ہے کہ کسی کاریگر نے چاول کے ایک دانے پر مہاتما بُدھ کی نہایت اعلیٰ تصویر بنا دی تھی۔ آج کل تو کیمرے کی فوٹوگرافی اپنے کمال کو پہنچی ہُوئی ہے مگر پُرانے زمانے میں لوگ سنگ تراشی اور صنم سازی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ آج بھی کسی عجائب گھر میں رکھی ہُوئی مُورتیاں اور مجسمے دیکھ کر شبہ پڑ جاتا ہے کہ یہ مجسمہ ہے یا اصلی انسان ہے۔ مُتنبی اپنے محبوب کی تعریف میں کہتا ہے[1] کہ یہ:

؎ صَنَمًا مِّنَ الۡاَصۡنَامِ لَوۡلَا الرُّوۡحُ

اگر اس میں روح نہ ہوتی تو یہ کوئی مجسمہ ہی معلوم ہوتا۔ غرضیکہ کسی کو

---

[1] متنبی ص۶۱ (فیاض)

خوب صورتی میں صنم کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی۔ یہاں بھی راوی کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گردن مبارک ایسی تھی جیسے کسی مورتی کی خوب صورت گردن ہو۔

فِیْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ آپ کی گردن کی صفائی بالکل چاندی جیسی تھی۔ چاندی کو صفائی کے معیار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جب چاندی کے زیور یا برتن کو پالش کر لیا جائے تو اس میں نہایت اعلیٰ قسم کی چمک پیدا ہو جاتی ہے اہلِ جنّت کے انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ ۝ قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ (الدھر: ۱۵، ۱۶) خدّام چاندی کے برتن لیے اُن کے اردگرد پھریں گے اور شیشے کے نہایت شفاف گلاس بھی، اور شیشے بھی ایسے جو پینے کی خواہش کے مطابق ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہوں گے۔ الغرض حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی گردن مبارک کی صفائی گویا چاندی جیسی تھی۔ دیگر اقوام کی طرح اس قسم کی تشبیہات عربوں میں رائج تھیں، آنکھ کو ہرنی کے ساتھ یا گردن کو مورتی کی گردن کے ساتھ تشبیہ دینا اکثر سننے میں آتا رہتا ہے تو یہاں بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گردن مبارک کو خوبصورتی اور صفائی کے لحاظ سے کسی مورتی کی گردن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

جسمِ مُبارک راوی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ نہایت موزوں اور متناسب جسم والے تھے آپ کے کسی عضو میں کوئی اُونچ نیچ، تفاوت یا عیب نہیں پایا جاتا تھا کہ جس پر اعتراض کیا جا سکے۔

بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بدن مُبارک نہ تو بالکل نحیف تھا اور نہ ہی زیادہ بھاری بلکہ قدرے بھاری تھا۔ متماسک کا لغوی معنیٰ بعض اعضاء کا بعض کے ساتھ ملا ہونا ہے مطلب یہ ہے کہ جسم مبارک ڈھیلا ڈھالا نہیں بلکہ مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ آپ کا پیٹ اور سینہ مبارک برابر

تھے بعض لوگوں کا پیٹ بڑھ کر سینے سے بہت آگے نکل جاتا ہے بعض سیٹھوں کی بڑی بڑی توندیں تو آپ نے دیکھی ہی ہوں گی۔ اس کے برخلاف بعض جسمانی طور پر کمزور لوگوں کے پیٹ اندر کی طرف دھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں حالتیں حسن وخوبی کے خلاف ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا بدن مبارک بالکل متوازن تھا، تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر خوب تھے جسے پیٹ اور سینے کو برابری کا نام دیا گیا ہے۔ عَرِیْضُ الصَّدْرِ آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا جو کہ حسن وکمال اور قوت کی علامت ہے۔ بَعِیْدُ مَا بَیْنَ مَنْکِبَیْنِ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ اس کی تشریح آپ پہلے سن چکے ہیں۔ ضَخْمُ الْکَرَادِیْسِ یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپؐ کے جوڑوں کی ہڈیاں (کندھے، گھٹنے، کلائیاں وغیرہ) بڑی اور مضبوط تھیں۔ اَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ آپ کے جسم کا لباس سے خالی حصّہ نورانی تھا، یعنی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ، پاؤں اور چہرہ وغیرہ چمکتے تھے اور بدن کے جو حصّے لباس میں ملبوس ہوتے تھے اُن کی نورانیّت کا تو کیا کہنا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کبھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے جسم سے کوئی کپڑا اُتارتے تو بڑی نورانیّت ظاہر ہوتی تھی۔

مَوْصُوْلُ مَا بَیْنَ اللَّبَّۃِ وَالسُّرَّۃِ بِشَعْرٍ یَّجْرِیْ کَالْخَطِّ آپ کا لُبَّہ (سینہ کا بالائی حصّہ اور گلے کا چنبر) اور ناف مبارک بالوں کی ایک باریک لکیر کے ساتھ ملا ہوا تھا جو ایک لکیر کی صورت میں چلتی تھی عَارِیُ الثَّدْیَیْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰی ذٰلِکَ بالوں کی مذکورہ پتلی سی لکیر کے علاوہ آپ کی دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا۔ اَشْعَرُ الذِّرَاعَیْنِ وَالْمَنْکِبَیْنِ وَاَعَالِی الصَّدْرِ البتہ آپ کے دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصّے پر کچھ بال تھے۔ طَوِیْلُ الزَّنْدَیْنِ آپ کی کلائیاں لمبی تھیں یعنی بہت چھوٹی نہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ دراز تھیں۔ کلائی کی یہ دو ہڈیاں زندِ اعلیٰ اور زندِ اسفل کہلاتی ہیں۔ ان کو زندِ انس اور زندِ وحشی بھی کہا جاتا ہے۔ اندر والی

ہڈی زندِ انس اور باہر والی زندِ وحشی کہلاتی ہے۔ یہ دونوں ہڈیاں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دونوں کلائیاں قدرے لمبی تھیں۔

رَحْبُ الرَّاحَۃِ آپ کی ہتھیلی مبارک کشادہ تھی۔ یہ کشادگی ظاہری طور پر دیگر اعضا کی مناسبت کی وجہ سے کشادہ تھی اور باطنی کشادگی یہ تھی کہ آپ بڑے فیاض تھے مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ظاہرًا اور باطنًا کشادہ دست تھے۔ اس کے علاوہ آپ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ آپ کے ہاتھ مبارک اور دونوں پاؤں مُبارک پُر گوشت تھے۔ یہ الفاظ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ سَائِلُ الْاَطْرَافِ اَوْ قَالَ شَائِلُ الْاَطْرَافِ آپ کی انگلیاں مبارک اعتدال کے ساتھ دراز تھیں یعنی نہ تو بہت چھوٹی تھیں اور نہ بہت لمبی۔ راوی کو تردّد ہو گیا کہ اُستاد نے سائل کا لفظ بولا تھا یا شائل کا۔ تاہم دونوں الفاظ کا معنیٰ ایک ہی ہے لغوی معنیٰ تو گھوڑے یا اُونٹ کے دم کا اُٹھا ہُوا اور اُبھرا ہوا ہونا ہے تاہم مطلب یہی ہے کہ آپ کی انگلیاں تناسب کے ساتھ دراز تھیں۔

خُمْصَانُ الْاَخْمَصَیْنِ آپ کے دونوں پاؤں کے تلوے مُبارک قدرے گہرے تھے یعنی گوشت سے بھر پور نہیں تھے۔ اُونٹ کے تلوے بالکل ہموار ہوتے ہیں اور پورا پاؤں زمین کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف عام انسانوں کے پاؤں کے تلوے درمیان سے گہرے ہوتے ہیں اور زمین کے ساتھ نہیں لگتے۔ پاؤں کا یہ درمیانی خالی حصّہ ہی فطری ہوتا ہے اور خوبصورتی کی علامت ہے۔ آپ کے پاؤں کے تلوے ایسے ہی تھے۔

چال مُبارک

مَسِیْحُ الْقَدَمَیْنِ یَنْبُوْ عَنْھُمَا الْمَاءُ آپ کے قدم مبارک صاف اور چکنے تھے حتیٰ کہ اگر اُن پر پانی ڈالا جائے تو وہ بہہ نکلے۔ اِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا جب آپ چلتے تھے تو قدم اُٹھا کر چلتے تھے نہ کہ زمین پر پاؤں کو گھسیٹتے ہُوئے۔ یَخْطُوْ تَکَفِّیًا جب آپ قدم مبارک زمین پر رکھتے تو اس طرح گویا کہ آپ ڈھلوان کی طرف جا رہے ہیں۔ وَیَمْشِیْ ھَوْنًا

چلتے وقت آپ نہایت وقار کے ساتھ چلتے تھے۔ ذَرِیْعُ الْمِشْیَۃِ آپ کی چال مبارک ذرا تیز تھی صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ جب ہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ پیدل چل رہے ہوتے تو آپ اگرچہ اپنی طبعی چال چلتے تھے مگر ہم لوگ آپ کے ساتھ دوڑ رہے ہوتے تھے۔ اِذَا مَشٰی کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ جب آپ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ بالائی سطح سے نچلی سطح کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ کا یہ انداز ازراہ تواضع ہوتا تھا کیونکہ آپ کی ذاتِ مبارکہ میں غرور و تکبر کا شائبہ تک نہ تھا۔ یہ بات آپ پچھلی روایات میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

نظرِ مبارک

راوی مزید بیان کرتا ہے وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ جَمِیْعًا جب آپ کسی آدمی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے طریقے سے یعنی پورے جسم کے ساتھ توجہ فرماتے، سائل کی بات اچھی طرح سنتے اور پھر اُس کا جواب دیتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جبّاروں اور متکبّروں کی طرح نیم توجہ نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی کسی بات کو سُنی ان سُنی کر دیتے، یہ بھی آپ کے کریمانہ اخلاق کی علامت تھی۔ خَافِضُ الطَّرْفِ نَظَرُہٗ اِلَی الْاَرْضِ آپ کی نگاہ مبارک زیادہ تر زمین کی طرف ہی جھکی ہوئی رہتی تھی اَکْثَرُ مِنْ نَظَرِہٖ اِلَی السَّمَآءِ بہ نسبت آسمان کی طرف نظر اٹھانے کے مطلب یہ ہے کہ تواضع کی خاطر آپ اکثر اوقات اپنی نظر نیچے کی طرف رکھتے۔ ہاں اگر کسی وقت ضرورت ہوتی تو آپ نظر مبارک اوپر کی طرف بھی اٹھا لیتے۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِكَ فِی السَّمَآءِ (البقرۃ : ١٤٤) ۔ ہم آپ کا آسمان کی طرف اُٹھا ہوا چہرہ دیکھ رہے ہیں۔ مگر یہاں پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ اکثر اپنی نظریں نیچی ہی رکھتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وحی کے انتظار میں بعض اوقات اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے، وگرنہ عام حالات میں آپ کی نظریں نیچی ہی رہتی تھیں۔ جُلُّ نَظَرِہِ الْمُلَاحَظَۃُ

اکثر اوقات آپکی نظر مبارک لبس یکبارگی دیکھ لینا ہی ہوتا تھا۔ ملاحظہ کا عام فہم معنی گوشۂ چشم سے محض لاپرواہی کے ساتھ دیکھنا ہے مگر یہاں پر مفہوم یہ ہے کہ آپ کسی کی طرف گھور گھور کر نہیں دیکھتے تھے بلکہ ایک ہی نظر میں حقیقت کو پا جاتے تھے۔

صحابہؓ کی ہمرکابی یَسُوْقُ اَصْحَابَہٗ دورانِ سفر آپ اپنے ساتھیوں کو اپنے آگے آگے چلاتے تھے اور خود پیچھے چلتے تھے دوسری حدیث میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تیز چال کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو ساتھ چلنا دشوار ہوتا تھا اس لیے آپ ان کو اپنے آگے چلاتے تاکہ وہ پیچھے نہ رہ جائیں، ایک اور وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ خَلُّوْا ظَهْرِیْ لِلْمَلٰٓئِكَةِ آپ اپنی پشت کی طرف خالی کرا دیتے کیونکہ آپ کے پیچھے فرشتے بھی چل رہے ہوتے تھے۔

یَبْدَءُ مَنْ لَقِیَ بِالسَّلَامِ آپ جس شخص سے بھی ملتے اس کو سلام کرنے میں پہل کرتے خواہ کوئی بڑا ہو یا بچہ ہو۔ دوسرے شخص کے سلام کرنے سے پہلے آپ خود سلام کہہ دیتے۔ ہمارے معلم شیخ الفقہ والادب[1] کی عادت بھی ایسی ہی تھی کہ وہ کسی دوسرے شخص کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنے دیتے تھے۔

---

[1] حضرت مولانا مفتی محمد اعزاز علی دیوبندی امروہیؒ المتوفی ۱۳۷۴ھ (فیاض)

درس - ۷　　　　حدیث - ۸

حَدَّثَنَا اَبُوْمُوْسٰی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَۃَ یَقُوْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَلِیْعَ الْفَمِ اَشْکَلَ الْعَیْنِ مَنْہُوْسَ الْعَقِبِ قَالَ شُعْبَۃُ قُلْتُ لِسِمَاکٍ مَا ضَلِیْعُ الْفَمِ قَالَ عَظِیْمُ الْفَمِ قُلْتُ مَا اَشْکَلُ الْعَیْنِ قَالَ طَوِیْلُ شَقِّ الْعَیْنِ قُلْتُ مَا مَنْہُوْسُ الْعَقِبِ قَالَ قَلِیْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۸)

ترجمہ: "ہمارے پاس ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا۔ ان کے پاس محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ اُن کے پاس شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضلیع الفم، اشکل العین اور منہوس العقب تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ سماک بن حرب سے پوچھا کہ ضلیع الفم سے کیا مُراد ہے تو اُنھوں نے کہا کہ دہن کا کشادہ ہونا۔ میں نے کہا اشکل العین کیا ہے؟ تو اُنھوں نے بتایا کہ آنکھ کی دراڑ کا کشادہ ہونا۔ کہتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا، منہوس العقب کا کیا مطلب ہے؟ تو اُنھوں نے کہا کہ پنڈلیوں پر گوشت کا کم ہونا۔"

سندِ حدیث | امام ترمذیؒ کے پاس اُن کے استاذ ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ (المتوفیٰ سنہ ۲۵۲ھ) نے بیان کیا ہے جو کہ بڑے ثقہ اور پرہیزگار امام

تھے صحاح ستّہ والے سارے ان کے شاگرد ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ان سے روایت لی ہے
انھوں نے محمد بن[1] جعفر سے نقل کیا ہے جو کہ حَافِظٌ کَبِیْرٌ تھے۔ ان کا لقب غندر تھا
انھوں نے شعبہ سے اور انھوں نے یہ روایت سماک بن حرب سے لی ہے۔ تو یہ
سماک بن حرب[2] کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول جابر بن[3] سمرۃؓ (یہ بھی جابر بن عبداللہؓ
(المتوفی ۷۸ھ یا ۷۴ھ یا ۷۳ھ یا ۷۷ھ) کی طرح بڑے پائے کے صحابی ہیں) کو
یہ کہتے ہوئے سُنا۔

کشادہ دہن

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيْعُ الْفَمِ اَشْكَلَ الْعَيْنِ مَنْهُوْسَ الْعَقِبِ۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ضَلِیْعَ الْفَمِ، اَشْکَلَ الْعَیْنِ اور مَنْهُوْسَ الْعَقِبِ تھے۔
شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ سماک سے پوچھا مَا ضَلِيْعُ الْفَمِ کہ ضلیع الفم
کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے بتایا عَظِيْمُ الْفَمِ کہ اس سے مُراد دہن کی
کشادگی ہے یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دہن مبارک تنگ نہیں بلکہ کشادہ تھا۔
دہن مبارک زیادہ بڑا بھی نہیں تھا بلکہ اعتدال کے ساتھ کشادہ تھا جو کہ فصاحت و بلاغت
اور حسن و کمال کی علامت ہے۔ اس بات کی وضاحت پہلے بھی ہو چکی ہے۔

سُرخ و سفید آنکھیں

شعبہ نے پھر پوچھا مَا اَشْكَلُ الْعَيْنِ الفاظ اَشکل العین
کسے کہتے ہیں؟ تو سماک نے بتایا طَوِيْلُ شَقِّ
الْعَيْنِ کہ اس سے مُراد آنکھ کی دراڑ کی طوالت ہے۔ اہلِ لغت اور دوسرے
ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ سماک بن حربؒ کو یہ معنیٰ کرنے میں اشتباہ ہوا ہے۔ اگرچہ وہ
بھی بڑے امام ہیں مگر انسان غلطی کا پُتلا ہے لہٰذا ہر شخص غلطی کا ارتکاب کرسکتا ہے۔
سماک بن حربؒ نے اَشْكَلُ الْعَيْنِ کا ترجمہ آنکھ کی دراڑ کی درازی کیا ہے حالانکہ اس

[1] ابو عبداللہ کنیت ہے المتوفی ۱۹۲ھ یا ۱۹۳ھ یا ۱۹۴ھ۔
[2] ابوالمغیرہ کنیت ہے المتوفی ۱۲۳ھ۔
[3] المتوفی ۷۳ھ یا ۷۴ھ یا ۷۵ھ یا ۷۶ھ۔ (فیاض)

کے لیے عربی زبان میں عَیْنُ النَّجْلَاءِ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اشکل العین کا صحیح معنیٰ آنکھ کا شکلاء والا ہونا ہے۔ اور شکلاء سے مراد ہے حُمْرَۃٌ فِیْ بَیَاضٍ یعنی آنکھ کے سفید حصّے میں سُرخ ڈوریاں ہونا ہے۔ ایسی آنکھ عَیْنُ الشَّکْلَاءِ کہلاتی ہے مگر سماک صاحب نے عَیْنُ النَّجْلَاءِ والا معنیٰ کر دیا ہے۔ بہرحال آنکھ کے سفید حصّے میں سُرخ ڈوری کو اَشْکَل کہتے ہیں جو کہ حسن وجمال کی علامت ہے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آنکھوں کے سفید حصّے میں سُرخ ڈوریاں تھیں۔

ایڑی مُبارک

شعبہ نے اپنے استاد سماک سے مزید پوچھا مَا مَنْهُوْسُ الْعَقِبِ۔ منہوس العقب سے کیا مراد ہے؟ تو اُنھوں نے بتایا قَلِیْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ ایڑیوں پر گوشت کا کم ہونا۔ منہوس کا لغوی معنیٰ دانتوں سے نوچنا ہوتا ہے۔ یہ ذکر آگے بھی آئے گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بکری کے پائے دانتوں سے نوچ کر تناول فرماتے تھے۔ تاہم یہاں پر مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام کی ایڑیوں پر گوشت کم تھا یعنی آپ کی ایڑیاں مُبارک موٹی اور پُرگوشت نہیں تھیں۔

درس - ۷　　　　حدیث - ۹

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبْثَرُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَشْعَثَ يَعْنِي ابْنَ سَوَّارٍ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةٍ اِضْحِيَانٍ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلَى الْقَمَرِ فَلَهُوَ عِنْدِيْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ - (ترمذی مع شمائل ص۵۶۸)

ترجمہ : ہمارے پاس بیان کیا ہناد بن سری نے ، انکے پاس بیان کیا عبثر بن قاسم نے اشعث یعنی ابن سوار کے حوالے سے ۔ انھوں نے یہ روایت ابی اسحاق سے اور انھوں نے جابر بن سمرہؓ سے ۔ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبیؐ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چاندنی رات میں دیکھا اور آپ اُس وقت سرخ دھاری دار سوٹ زیب تن کیے ہوئے تھے ۔ میں کبھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی طرف ۔ میرے نزدیک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ مبارکہ چاند سے زیادہ حسین وجمیل تھی ۔"

سندِ حدیث | امام ترمذیؒ نے یہ روایت ھناد بن سریؒ[۱] سے لی ہے جو کہ کوفہ کے رہنے والے تھے ۔ یہ حافظ الحدیث اور بڑے عبادت گزار تھے ۔ یہ امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں جنھوں نے کتاب الخلق میں ان کی روایت نقل کی ہے ۔ امام مسلمؒ نے تو ان سے بہت سی روایتیں اخذ کی ہیں ۔

[۱] المتوفی ۲۴۳ھ　　　　(فیاض)

هناد بن سری نے یہ روایت عبثر بن قاسم سے نقل کی ہے۔ یہ بھی کوفہ کے رہنے والے اور ثقہ راوی ہیں۔ انھوں نے یہ روایت بیان کی ہے اشعث[1] یعنی ابن سوار سے انھوں نے یہ روایت ابی اسحاق سے لی ہے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ صاحب صحابی رسول حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

چہرۂ رسولؐ اور چاند کا تقابل

کہتے ہیں کہ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَۃٍ اِضْحِیَانٍ میں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو چاندنی رات میں دیکھا یعنی اس رات کی بات ہے جب چاند بالکل روشن ہوتا ہے۔ اس کو لَیْلَۃُ الْمُقْمِرَۃِ بھی کہتے ہیں۔ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ اُس وقت آپ سرخ دھاری دار یمنی سُوٹ پہنے ہُوئے تھے جس میں آپ نہایت حسین معلوم ہو رہے تھے۔ اس سوٹ کا ذکر پہلی روایات میں ہو چکا ہے۔ خالص سُرخ رنگ کا لباس مردوں کے لیے روا ہے سوائے زعفرانی اور کسنبہ رنگ کے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا سُوٹ مبارک یمن کا بنا ہُوا دھاری دار سرخ تھا جو آپ بعض اوقات زیب تن فرماتے تھے۔ صحابی رسول نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ایسے سُوٹ میں ملبوس دیکھا تو کہتے ہیں کہ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَیْہِ وَ اِلَی الْقَمَرِ میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ فَلَھُوَ عِنْدِیْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ تو میرے نزدیک آپ کی ذاتِ مبارکہ چاند سے زیادہ حسین تھی۔

یہ تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے، مَا رَاَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْہُ۔ (حدیث: ۳) کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے حسین چیز کبھی کوئی نہیں دیکھی۔ اگرچہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ مبارکہ کے مقابلہ میں چاند کی کوئی حیثیت نہیں۔ مگر عرفِ عام میں حسن و خوبصورتی کے لیے چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر صحابی رسول کا بیان

---

[1] المتوفی ۱۳۶ھ (فیاض)

ہے کہ مَیں کبھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا اور کبھی روشن چاند کی طرف۔ آخر مَیں نے یہی تاثر لیا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم چاند سے زیادہ حسین و جمیل ہیں اور یہ محض حسنِ عقیدت کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے زیادہ حسین کوئی شخصیّت پیدا ہی نہیں ہُوئی۔

حضور کا لباس مُبارک

عام حالات میں آپ قیمتی لباس نہیں پہنتے تھے مگر کبھی کبھی اچّھا اور قیمتی لباس زیب تن فرما لیتے تھے۔ آگے لباس کے باب میں بہت سی تفصیلات آئیں گی۔ اگر مل جاتا تو آپ قیمتی لباس بھی پہن لیتے۔ بعض اوقات آپ نے قیمتی لباس خود بھی خریدا ہے۔ چنانچہ ابنِ جوزیؒ[1] نے ابنِ حیانؒ[2] کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک[3] دفعہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ستائیس[27] اونٹنیوں کے بدلے میں ایک جوڑا خریدا۔ یہ لباس ریشمی نہیں تھا کیونکہ ریشم تو مَردوں کے لیے روا نہیں ہے۔ تاہم یہ لباس اچھے کپڑے کا بنا ہوا تھا جو آپ نے پہنا۔ تاہم عام طور پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سادہ لباس ہی زیب تن فرماتے تھے۔

---

[1] المتوفی ۵۹۷ھ   [2] المتوفی ۳۵۴ھ

[3] نجوری ص۳ مناوی ص۱۹   وفاض

شمائلِ ترمذی — باب - ۱

درس - ۷ — حدیث - ۱۰

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّوَاسِيُّ عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ قَالَ سَاَلَ رَجُلُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ اَكَانَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّيْفِ قَالَ لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۸)

ترجمہ: سفیان بن وکیع نے روایت بیان کی ہے حمید بن عبدالرحمٰن رواسی سے ۔ انھوں نے یہ روایت زہیر سے اور انھوں نے ابی اسحٰق سے یہ روایت بیان کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے صحابی رسول حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا چہرۂ مبارک تلوار کی مانند تھا، انھوں نے کہا نہیں، بلکہ چاند کی مثل تھا ۔"

سندِ حدیث سفیان بن وکیع کا حال پہلے بیان کیا جاچکا ہے ۔ انھوں نے یہ روایت حمید بن عبدالرحمٰن[۱] رواسی سے نقل کی ہے ۔ رواس ان کے کسی جد امجد کا نام ہوگا جس کی طرف نسبت ہے ۔ انھوں نے یہ روایت زہیر[۲] سے اور انھوں نے ابو اسحٰق سبیعی سے اخذ کی ہے جو تابعین میں سے ہیں ۔ زہیر امام مسلمؒ کے بھی استاذ ہیں جنھوں نے ان سے ایک ہزار روایات نقل کی ہیں ۔

چہرہ مبارک کی مثال ابو اسحٰق کا بیان ہے قَالَ سَاَلَ رَجُلُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ کہ کسی شخص نے صحابی رسول حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت کیا اَكَانَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

[۱] المتوفی سنہ ۱۹۰ھ ، [۲] ابو خثیمہ کنیت ہے المتوفی سنہ ۱۷۳ھ ۔ (فیاض)

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّیْفِ کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا چہرۂ انور تلوار کی مانند تھا یعنی تلوار کی طرح صاف اور چمکدار تھا ؟ اس زمانے میں تلوار کو بڑا صاف کر کے رکھا جاتا تھا جس کی وجہ سے اُس میں بڑی چمک آجاتی تھی تو صحابیؓ رسول نے جواب دیا قَالَ لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ فرمایا، آپ کا چہرۂ مبارک تلوار کی مثل نہیں تھا بلکہ چاند کی مانند تھا جو کہ زیادہ چمکدار ہوتا ہے۔ چاند سے مثال دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تلوار لمبی ہوتی ہے اور چاند گول، اور آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کسی قدر گول تھا۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ تلوار میں تو صرف چمک ہوتی ہے، نورانیت نہیں ہوتی۔ مگر چاند میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ چونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرہ مبارک میں بھی چمک اور نورانیت تھی لہذا چاند کے ساتھ مشابہت زیادہ قرین قیاس ہے۔

شمائل ترمذی　　　　باب - ۱۰

حدیث - ۱۱

درس - ۸

حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْمَصَاحِفِیُّ سُلَیْمَانُ بْنُ سَلْمٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَیْلٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ اَبِی الْاَخْضَرِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِی سَلَمَۃَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبْیَضَ كَاَنَّمَا صِیْغَ مِنْ فِضَّۃٍ رَجِلَ الشَّعْرِ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۶۸)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا ابوداؤد مصاحفی سلیمان بن سلم نے۔ اُن کے پاس بیان کیا نضر بن شمیل نے ۔ انھوں نے روایت بیان کی صالح بن ابی الاخضر سے اور انھوں نے ابن شہاب سے انھوں نے روایت اخذ کی ہے ابی سلمہ سے اور انھوں نے روایت کیا حضرت ابوہریرہؓ سے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک سفید تھا ۔ گویا کہ کوئی چیز چاندی کو ڈھال کر بنائی گئی ہو ۔ آپ کے بال مبارک کسی قدر گھنگھریالے تھے۔"

سندِ حدیث | امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْمَصَاحِفِیُّ سُلَیْمَانُ بْنُ سَلْمٍ کہ ہمارے پاس ابوداؤد مصاحفی جن کا نام سلیمان بن سلم ہے نے بیان کیا ۔ یہ مصاحفی نسبت ہے مصاحف کی طرف جو کہ مصحف کی جمع ہے اور مصحف قرآن پاک کو کہا جاتا ہے ۔ قانون یہ ہے کہ جب کوئی نسبت جمع کی طرف کی جائے تو اس کو مفرد کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے ۔ اس لحاظ سے یہ نسبت مصحفی ہونا چاہیے تھی ۔ کیونکہ مصاحفی غیر قیاسی ہے ۔ بہر حال اس راوی کا نام سلیمان بن سلم ہے جو کہ ثقہ راوی ہے ۔ (المتوفی ۲۳۸ھ) ۔

لہ یہ بھی قرآن کریم لکھتے تھے یا بیچتے تھے ۔ (فیاض)

مصحفی یا مصاحفی کہتے ہیں۔ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ کہ ہمارے سامنے
نضر بن شمیل نے بیان کیا، یہ وہی بصرہ والے امام ہیں جن کی صرف کی مشہور کتاب
التصریف ہے اور یہ امام ابوالحسن مازنی کے نام سے ہی معروف ہیں یہ صرف و نحو کی طرح حدیث
کے بھی ثقہ امام ہیں اور انکی ایک روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ (رسالہ قشیریہ ص۱۳)
انھوں نے ایک تہہ بند خریدا جو اتفاق سے چھوٹا نکلا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے
سامنے دعا کی کہ اے اللہ! اس تہبند کو ایک ہاتھ کے برابر بڑھا دے۔ آپ
کی یہ دعا قبول ہوئی اور تہہ بند ایک ہاتھ بڑھ گیا۔

عَنْ صَالِحِ بْنِ اَبِی الْاَخْضَرِ انھوں نے یہ روایت صالح بن ابی الاخضر
سے نقل کی ہے۔ مگر یہ ضعیف راوی ہیں۔ البتہ امام ترمذی نے اس روایت
کو قبول کیا ہے۔ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ انھوں نے یہ روایت (محمد بن مسلم بن عبیداللہ
بن عبداللہ) ابن شہاب امام زہری (المتوفی ۱۲۴ھ) سے اخذ کی ہے جو کہ
تابعی اور جلیل القدر امام اور ثقہ راوی ہیں۔ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ انھوں نے یہ
روایت ابی سلمہ[1] جو بڑے پایہ کے تابعی اور جلیل القدر امام ہیں سے لی
ہے۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔ آگے وہ روایت کرتے ہیں عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ
حضرت ابوہریرہ[2] سے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی
ہیں اور بے شمار احادیث کے راوی ہیں۔

رنگ اور بال مبارک

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ مبارکہ اس طرح
بیان کرتے ہیں قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْيَضَ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ
مبارک سفید تھا۔ كَاَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ گویا کہ کوئی چیز چاندی کو ڈھال

---

[1] انکے نام میں اختلاف ہے عبداللہ یا اسمٰعیل یا ابراہیم ہے۔ المتوفی ۹۴ھ۔ [2] زمانہ جاہلیت
میں انکا نام عبد شمس تھا۔ اسلام لانے کے بعد انکا نام عبدالرحمٰن بن صخر رکھا گیا انکے نام کے بارہ میں چالیس
اقوال ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہی ہے۔ المتوفی ۵۷ھ یا ۵۹ھ۔ آپ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر روایات مروی ہیں۔
قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔ (فیاض)

کر بنائی گئی ہو۔ صیغ کا معنیٰ ڈھالنا ہوتا ہے، اسی لیے زیورات ڈھال کر بنانے والے سنار کو صواغ کہتے ہیں۔ صِیْغَ مجہول کا صیغہ ہے۔ گویا کہ آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا ہے۔ چاندی سے بنی ہوئی چیز میں بڑی صفائی اور چمک ہوتی ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ مبارک کو چاندی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ نیز ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رَجِلَ الشَّعْرِ آپ کے بال مبارک کسی قدر گھنگھریالے تھے۔ اس کا مفصّل بیان پچھلی روایات میں آچکا ہے۔

درس - ۸
حدیث - ۱۲

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَآءُ فَاِذَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَرَاَيْتُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهُ الْكَرِيْمَةَ وَرَاَيْتُ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا دِحْيَةُ - (ترمذی مع شمائل ص۵۶۸)

ترجمہ :: ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے ۔ اس نے کہا کہ ہمیں خبر دی لیث بن سعد نے ابوزبیر کے حوالے سے، اور انھوں نے روایت نقل کی صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ سے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر انبیاء علیہم السّلام کو پیش کیا گیا ۔ مَیں نے موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھا جو چھریرے بدن والے تھے جیسا کہ قبیلہ شنوءہ کے مرد ہوتے ہیں ۔ اور مَیں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السّلام کو دیکھا تو وہ اُن لوگوں میں سے جن کو مَیں نے دیکھا ہے عُروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ قریبی مشابہت رکھنے والے ہیں اور مَیں نے ابراہیم علیہ السّلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے

ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی اُن کے زیادہ مشابہ ہوں۔ ابراہیم علیہ السّلام کی مشابہت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ کریمہ کے ساتھ بھی اور میں نے جبرئیل علیہ السّلام کو دیکھا جو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے دحیہ کلبیؓ سے زیادہ قریبی مشابہت رکھتے ہیں۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ ہمارے پاس قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ یہ ثقہ راوی ہیں۔ امام ترمذی کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی ان سے روایات اخذ کی ہیں۔ اَخْبَرَنَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں لیث بن سعد نے خبر دی۔ یہ انتہائی متقی اور عبادت گزار آدمی تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے پاس ہر سال ۸۰ تا ۹۰ ہزار دینار آتے تھے مگر ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ غریب غرباء پر خرچ کر دیتے تھے۔ یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح مجتہد تھے اور ان کا زیادہ تر رجحان امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی طرف ہی تھا۔ امام مالکؒ کی طرح یہ بھی عظیم محدّث اور امام تھے، بلکہ امام شافعیؒ تو کہتے ہیں[1] کہ یہ امام مالکؒ سے بھی زیادہ فقیہہ تھے۔ اِلَّا اَنَّہٗ ضَیَّعَہٗ اَصْحَابُہٗ سوائے اسکے کہ ان کو امام مالکؒ کے تلامذہ جیسی قابلیت کے حامل تلامذہ میسّر نہ آئے۔ امام لیثؒ علم میں امام مالکؒ سے کم نہیں تھے۔ امام مالکؒ کے تلامذہ نے ان کے مسلک کو دُور دُور تک پھیلا دیا مگر امام لیثؒ کے تلامذہ یہ کام نہ کر سکے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ امام مالکؒ کے برخلاف امام لیثؒ کا مسلک دُنیا میں نہ پھیل سکا۔ امام لیثؒ مصر میں مقیم ہو گئے تھے اور ۱۷۵ھ میں وہیں فوت ہوئے۔ امام شافعیؒ ان کی فوتیدگی کے تھوڑا عرصہ بعد مصر پہنچے مگر امام لیثؒ کو نہ پا کر بصد حسرت کہا کہ مجھے پوری زندگی اس قدر افسوس کسی بات پر نہیں ہوا، جس قدر افسوس امام لیثؒ کو نہ پا کر ہوا ہے۔ امام شافعیؒ امام لیثؒ کی شہرت اور روایات سے واقف تھے۔ وہ بھی زندگی کے

---

[1] مناوی صفحہ ۷۹ (فیاض)

آخری لمحات تک مصر میں ہی مقیم رہے اور پھر وہیں فوت ہو گئے۔

عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ امام لیثؒ نے یہ روایت ابو زبیر محمد بن مسلم المکی الاسدی المتوفی ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ) سے لی تھی۔ یہ بھی حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں۔

آگے انھوں نے روایت کی عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ حضرت جابر بن عبداللہؓ صحابی رسول سے۔ یہ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ عبداللہؓ جنگِ اُحد کے موقع پر شہید ہو گئے تھے۔ البتہ حضرت جابرؓ نے لمبی عُمر پائی۔ اُنھوں نے خلفائے راشدینؓ کا دور پایا۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ کا زمانہ دیکھا اور آخر کار اُمویوں کی خلافت کے دوران ۷۴ھ یا ۷۸ھ میں وفات پائی۔ یہ عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ آگے ان کی بہت سی روایات آ رہی ہیں۔

سابقہ انبیاءؑ سے ملاقات اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ الْاَنْبِیَاءُ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا مجھ پر انبیاء علیہم السّلام کو پیش کیا گیا۔ یہ کون سا مقام تھا جہاں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات پہلے انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ ہوئی معراج کا واقعہ آپ مسلم شریف میں تفصیل کے ساتھ پڑھیں گے کہ بیت المقدس میں سارے انبیاء کو اکٹھا کیا گیا جنھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ اس سے پہلے انبیاء علیہم السّلام کا اجتماع عالمِ بالا میں بھی ابن ماجہ کی روایت سے ثابت ہے۔ تاہم واقعہ معراج میں تو تفصیل موجود ہے کہ مختلف آسمانوں پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات مختلف انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ ہوئی۔ نیز بیت المقدس کے اجتماع کے ضمن میں تو اَجْمَعُوْنَ کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر تمام انبیاء علیہم السّلام کو جمع کیا گیا تھا اور نماز میں امامت کا فریضہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ادا کیا۔ اس سے آپ کی امامت اور فضیلت کا اظہار مقصود تھا یعنی آپ امام النّاس اور امام الانبیاءؑ ہیں۔ یا پھر خواب کے ذریعے بھی انبیاء کی ملاقات ہو سکتی ہے۔

اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُن چند انبیاء علیہم السّلام کا

ذکر فرمایا ہے جن کی نسبت آپ کے ساتھ زیادہ تھی یعنی جن کی امتوں کے حالات آپ کی امت کے ساتھ زیادہ ملتے جلتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے ان انبیاء کی شکل شباہت کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ فلاں نبی کی شکل و شباہت فلاں کے ساتھ ملتی تھی اور اسی سلسلہ میں اپنی مشابہت کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام اور انکی مشابہت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی مشابہت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا فَإِذَا مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ چھریرے بدن اور پتلے جسم کے آدمی تھے یعنی بھاری جسم والے نہیں تھے کَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ جیسا کہ قبیلہ شنوءہ کے جوان ہوتے تھے۔ ان کو ازدحجر اور ازدشنوءہ بھی کہتے تھے۔ امام طحاویؒ کا تعلق بھی ازدحجر سے تھا شنوءہ قبیلے کے لوگ مصر میں بھی آباد تھے اور ادھر یمن کے علاقے کی طرف بھی انکی آبادیاں تھیں۔ ان کو ازدشنوءہ بھی کہتے تھے اس قبیلہ کے مرد پتلے جسم کے دراز قامت بڑے چست و چالاک اور پھرتیلے ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ آپ کا قد کاٹھ قبیلہ شنوءہ کے مردوں کی طرح تھا۔ یہاں پنجاب میں بھی ماجھے کے جٹ مشہور ہیں جو بڑے قد آور اور طاقتور آدمی ہوتے ہیں جٹاں ماجھے، اسی طرح اس زمانہ میں شنوءہ کے لوگ مشہور تھے اور حجاز کے لوگ بھی ان سے واقف تھے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام کی مثال شنوءہ کے مردوں کے ساتھ دی۔

ضَرْبٌ میں مُضْطَرِبٌ بھی آتا ہے اور مطلب وہی ہے یعنی چھریرا اور پتلا ہونا جیسے کسی نے کہا ہے۔[1]

أَنَا الرَّجُلُ الضَّرْبُ الَّذِي تَعْرِفُوْنَهُ
خَشَاشٌ كَرَأْسِ الْحَيَّةِ الْمُتَوَقِّدِ (سبعہ معلقہ)

[1] المعلقۃ الثانیۃ ص۳۲ (فیاض)

میں چھریرے بدن کا چست وچالاک آدمی ہوں۔ میں کاموں میں اس طرح گھس جاتا ہوں جیسا کہ سانپ کا چمکدار سر جو تنگ سے تنگ سوراخ میں بھی گھس جاتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السّلام کی مشابہت

راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السّلام کے اجتماع کے موقع پر وَرَاَیْتُ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ میں نے عیسی ابن مریم علیہ السّلام کو دیکھا۔ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِہٖ شَبَہًا عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدٍ تو میں نے ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ثقفی سے زیادہ مشابہ پایا۔ یہ طائف کے رہنے والے اور وہاں کے قبیلہ ثقیف کے سردار تھے جو بعد میں ایمان لے آئے تھے اور مکّے کے لوگ ان کو اچھّی طرح جانتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی شکل وشباہت زیادہ تر عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملتی تھی۔

ابراہیم علیہ السّلام کی مشابہت

پھر فرمایا وَرَاَیْتُ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ میں نے مذکورہ اجتماع میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بھی دیکھا۔ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِہٖ شَبَہًا صَاحِبُکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَہُ الْکَرِیْمَۃَ پس میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے ابراہیم علیہ السّلام کی مشابہت زیادہ تر تمھارے صاحب کے ساتھ تھی یعنی میں خود ابراہیم علیہ السّلام کے زیادہ مشابہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو کیونکہ ان کی شکل وصورت زیادہ تر مجھ سے ملتی جلتی ہے۔

جبرئیلؑ کی مشابہت

پھر آپ نے فرمایا وَرَاَیْتُ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ میں نے جبرئیل علیہ السّلام کو بھی دیکھا۔ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِہٖ شَبَہًا دِحْیَۃُ اور جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل وشباہت جبرئیل علیہ السّلام کی شکل وصورت سے زیادہ قریب ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ السّلام نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو اپنی حیاتِ مبارکہ میں دو دفعہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا۔ پہلی دفعہ تو ابتدائے نبوت کے موقع پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السّلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا۔ اس کی تفصیل آپ باب "کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ" میں پڑھ چکے ہوں گے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر وحی کا آغاز کس طرح ہُوا؟ اور دوسری دفعہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جبرئیل علیہ السّلام کو ان کی اصلی شکل میں معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ آپ کے علاوہ کسی دوسرے نبی نے جبرئیل علیہ السّلام کو اصلی شکل میں نہیں دیکھا۔ خود حضور علیہ السّلام بھی ان دو مواقع کے علاوہ جبرئیل علیہ السلام کو کبھی انسانی شکل میں دیکھتے تھے یا پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے ساتھ تعلق قائم کر کے اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے۔ انسانی شکل میں جبرئیل علیہ السّلام حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ایک جلیل القدر صحابی، بنی کلب کے سردار اور نہایت حسین وجمیل اور وجیہ شخص دحیہ رضؓ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں آتے تھے۔ جبرئیل علیہ السّلام ان کی شکل میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس بیٹھتے تھے مگر لوگ سمجھتے تھے کہ دحیہ کلبیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہیں پھر جب وہ چلے جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتاتے کہ یہ جبرئیل علیہ السّلام تھے بعض اوقات جبرئیل علیہ السّلام کسی اجنبی انسانی شکل میں بھی آجاتے تھے، اس قسم کی روایات بھی ملتی ہیں۔ دحیہ کلبیؓ کا تعلق قبیلہ بنو کلب کے ساتھ تھا جو عرب کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ یہ علاقہ شام کے قریب آباد تھا اور اس کی آگے بہت سی شاخیں تھیں۔ یہ وہی دحیہ کلبیؓ ہیں جنھیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خط دے کر قیصر شاہ روم کے پاس بھیجا تھا۔ دحیہ کلبیؓ کا یہ انتخاب اس وجہ سے تھا کہ آپ کی شکل وصورت اور وجاہت سے رُعب و دبدبہ ٹپکتا تھا اور اُس زمانے میں دُنیا کی بہت بڑی سلطنت کے بادشاہ کے پاس بطور سفیر ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی۔

ملائکہ کی تخلیق اس روایت میں تین انبیاء علیہم السّلام حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مشابہت کا

لہ بخاری ص ج ۲ (فیاض)

ذکر ہے اور چوتھے نمبر پر جبرئیل علیہ السّلام کا جن کا تعلق ملائکہ کے ساتھ ہے انسانوں کی طرح ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ان کی تخلیق کا فلسفہ آپ "حجۃ اللہ البالغہ" کے باب "ملاءِ اعلیٰ" میں پڑھیں گے۔ جس کے بعد آپ کو ملائکہ کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ جنّات اور شیطان کی حقیقت بھی آپ پر واضح ہو جائے گی کہ انکی تخلیق کیسے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنّات کو آتشین مادے سے، ملائکہ کو نورانی مادے سے اور انسانوں کو خاکی مادے سے پیدا کیا ہے۔ ملائکہ عقل و شعور رکھنے والی مخلوق ہے جن کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔ جَوْهَرٌ شَاعِرٌ لَيْسَ بِذِيْ نُمُوٍّ وَّ شَهْوَةٍ وَّ غَضَبٍ وَّإِنْ أَرَادَ إِنْعَامًا وَّ إِكْرَامًا وَّ يَتَشَكَّلُ بِأَشْكَالٍ مُّخْتَلِفَةٍ[1]۔ فرشتے جوہر ہیں، ان کو نہ بڑھوتری کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی ان میں شہوت اور غصّے کا مادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کی ان کو بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ جس شکل میں چاہیں متشکل ہو سکتے ہیں۔

وضاحت طلب بات یہ ہے کہ فرشتے جوہر ہیں، کسی صفت کا نام نہیں ہے بالکل اسی طرح جس طرح انسان اور جن بھی جوہر ہیں، ان سب کا وجود ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی مقام میں ہوتا ہے بعض لوگ فرشتوں کو جوہر ماننے سے انکاری ہیں اور فرشتوں، جنّات اور ابلیس وغیرہ کو ایک صفت مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی قوتِ غضبیہ کا نام شیطان اور قوتِ رحیمیہ کا نام فرشتہ ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط عقیدہ ہے۔ فرشتوں کی تعریف سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی مخلوق ہے جس میں نمو نہیں ہے۔ یعنی انسانوں، جانوروں، پرندوں، درندوں، جنات اور نباتات کی طرح یہ بتدریج حدِّ کمال کو نہیں پہنچتے بلکہ یہ پیدائشی طور پر ہی ہر لحاظ سے کامل ہوتے ہیں۔ پھر یہ انسانوں اور جنّات کی طرح عقل و شعور رکھنے والی مخلوق ہے۔ البتہ اس میں شہوت اور غضب کا مادہ نہیں ہے لہٰذا ایسی مخلوق کو محض ایک صفت یا ہوائی چیز تسلیم کرنا گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ پھر ان ملائکہ کے

[1] شاہ رفیع الدّین محدّث دہلویؒ نے تکمیل الاذہان ص۱۰۵ مطبوعہ ادارہ نشرواشاعۃ مدرسہ نصرۃ العلوم میں یہ تعریف کی۔

بھی مختلف طبقات ہیں۔ ان میں سے بلند ترین طبقے کے فرشتوں کے سردار جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی طرف وحی لاتے رہے ہیں جب یہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آتے تو کبھی دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کی شکل میں متشکل ہو کر آتے تھے اسی لیے اس روایت میں فرمایا کہ میری نظروں میں جبرئیل علیہ السلام کی مشابہت دحیہ کلبیؓ کے ساتھ ہے۔

درس - ۸　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۱۳

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَّسُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ اَلْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا اَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ سَعِيدِ الْجُرَيْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الطُّفَيْلِ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِيَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ رَاٰهُ غَيْرِيْ قُلْتُ صِفْهُ لِيْ قَالَ كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُّقَصَّدًا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا سفیان بن وکیع اور محمد بن بشار نے جن کے بیان کا مفہوم ایک ہی ہے۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون نے سعید جریری کے حوالے سے خبر دی۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے ابوطفیلؓ کو یہ کہتے ہُوئے سُنا کہ مَیں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا جبکہ رُوئے زمین پر آپ کو دیکھنے والا میرے سوا اب کوئی دوسرا آدمی نہیں رہا۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ میرے سامنے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا کچھ حُلیہ مُبارک بیان کریں۔ انھوں نے کہا کہ آپ کا رنگ مبارک سرخی مائل سفید تھا، آپ حسین و جمیل اور میانہ قامت تھے "

سندِ حدیث حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَّسُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سفیان بن وکیع اور محمد بن بشار نے بیان کیا اَلْمَعْنٰى وَاحِدٌ اور دونوں کے بیان کے الفاظ تو مختلف تھے مگر مفہوم ایک ہی تھا۔ ان دونوں ائمہ حدیث کا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے۔ قَالَا اَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُوْنَ - یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یزید بن[1] ہارون نے

[1] ابو خالد الواسطی المتوفی ۲۰۶ھ یا ۲۰۲ھ (فیاض)

خبردی۔ عَنْ سَعِیْدِ الْجُرَیْرِیِّ انھوں نے یہ روایت سعید جریری سے اخذ کی۔
یزید بن ہارون بھی حافظ الحدیث، احدالاعلام، نہایت متقی اور عبادت گزار راوی ہیں
ان کے استاد سعید جریری (المتوفی ۱۴۴ھ) ہیں۔ جریری ان کا کوئی بزرگ تھا جس کی
طرف اُن کی نسبت ہے۔ یہ لفظ تصغیر کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے۔ قَالَ سَمِعْتُ
اَبَا الطُّفَیْلِ یَقُوْلُ سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ابوطفیل کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔
ابوطفیل رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں اور ان کا پورا نام عامر بن واثلہؓ ہے۔ یہ مکّے میں
رہتے تھے اور اس دُنیا سے رخصت ہونے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔ البتہ
ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ مسلم صاحبؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلی صدی کے
آخر میں فوت ہوئے مگر اسماء الرجال والے ۱۱۰ھ بتاتے ہیں۔ بعض روایات میں ۱۰۲ھ
کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ ابوطفیلؓ حضرت علیؓ کی جماعت کے آدمی تھے اور علوی
کہلاتے تھے۔

آخری صحابی ابوطفیلؓ کہتے ہیں رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا وَمَا بَقِیَ
عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَدٌ رَاٰہُ غَیْرِیْ اور اس وقت میرے علاوہ حضور علیہ
الصّلوٰۃ والسّلام کو دیکھنے والا کوئی شخص روئے زمین پر موجود نہیں، جیسا کہ پہلے بیان
ہوا۔ یہ صحابی دوسری صدی کے آغاز میں فوت ہوئے۔ تو سو سال کے عرصہ میں
اسلامی نظامِ حکومت کے وسائل کافی ترقی کر چکے تھے۔ اگرچہ مواصلات اور اطلاعات
کا نظام موجودہ زمانے کی طرح جدید تو نہیں تھا مگر پھر بھی ایک اعلیٰ نظام قائم ہو چکا تھا
اور مرکزِ اسلام میں دُور دُور تک کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی لیے ابوطفیلؓ یقین
کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صحابی تھے
جو بقید حیات تھے۔

اس بیان میں وَجْہِ الْاَرْضِ کی قید خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ پوری زمین
کے تختے پر ابوطفیلؓ کے سوا کوئی صحابی موجود نہیں تھا۔ خضر علیہ السّلام کے متعلق

مختلف روایات ملتی ہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ زندہ ہیں تو انھوں نے تو اجتماع میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ضرور دیکھا ہے، تو پھر روئے زمین کی قید کا کیا مطلب ہو سکتا ہے آخر وہ کہیں نہ کہیں تو ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السّلام زندہ بھی ہوں تو وہ روئے زمین پر نہیں بلکہ پانی کی سطح پر کہیں ہوں گے۔ تاہم یہ بھی کوئی پختہ بات نہیں بلکہ احتمالی سی بات ہے۔ آگے خضر علیہ السّلام کی زندگی یا وفات کے متعلق بہت سی روایات آئیں گی۔ اگرچہ یہ راجح قول نہیں ہے تاہم آثار بہت زیادہ ہیں کہ وہ روئے زمین پر نہیں تھے۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی زندگی میں تو کوئی شک نہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُن کو اور عیسیٰ علیہ السّلام نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے مگر وہ بھی تو آسمانوں پر ہیں، روئے زمین پر تو نہیں ہیں، لہٰذا روئے زمین کی قید پر کوئی اشکال نہیں آتا۔ ان کے بارے میں ہمارے استاذ الاستاذ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ابوطفیلؓ آخری صحابی ہیں جو مکّہ میں فوت ہوئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ آخری صحابی ہیں جو مدینہ میں فوت ہوئے۔ انھوں نے بھی امام مسلم والا قول اختیار کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ آخری صحابی پہلی صدی کے آخر میں وفات پا گئے۔

معتدل الخلق رسُول

سعید جریری کہتے ہیں قُلْتُ صِفْهُ لِي میں نے ابوطفیلؓ سے کہا کہ میرے سامنے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا کچھ حُلیہ بیان کریں تو قَالَ انھوں نے کہا كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُّقَصَّدًا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک سرخ و سفید تھا۔ آپ نہایت حسین وجمیل تھے اور آپ کا قد مُبارک درمیانہ تھا۔ ان تین لفظوں میں صحابی نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ساری صفات بیان کر دیں۔ ابیض کا معنیٰ سفید ہوتا ہے مگر پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا رنگ مبارک کاغذ یا چونے کی طرح سفید نہیں تھا بلکہ قدرے گندم گونی تھا جیسے سفیدی میں ہلکی سی سُرخی کی ملاوٹ ہو۔ مَلِيْحًا لعنی آپ اپنے تمام اعضاء کی مناسبت کی وجہ سے

له فیض الباری ص۲۱۵ ج ۲ فیاضی

نہایت خوب صورت تھے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ نیز آپ صلّی اللہ علیہ وسلم مُقَصَّدًا یعنی درمیانے قد والے تھے، نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی پست قامت بلکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک درمیانہ مگر کسی قدر درازی کی طرف مائل تھا۔ الغرض حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہر لحاظ سے معتدل الخلق تھے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں کسی قسم کی خامی کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی تھی۔

درس - ۸　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۱۴

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ ثَابِتٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنِيْ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنُ اَخِيْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ۔

(ترمذی مع شمائل ص ۵۶۹)

ترجمہ: ”ہمارے پاس بیان کیا عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے، ان کو خبر دی ابراہیم بن منذر حزامی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عبدالعزیز بن ثابت زہری نے، وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس بیان کیا اسمٰعیل بن ابراہیم نے جو موسیٰ بن عقبہ کے بھائی ہیں۔ انھوں نے روایت بیان کی موسیٰ بن عقبہ سے، انھوں نے نقل کیا کریب سے اور انھوں نے ابنِ عباسؓ سے انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے کے دو دانت کشادہ تھے۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ کے ان دو دانتوں کے درمیان سے نُور سا نکل رہا ہے۔“

سندِ حدیث | امام ترمذیؒ اس حدیث کی سند اس طرح بیان کرتے ہیں حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ہمارے پاس عبداللہ بن عبدالرحمٰن (المتوفی ۲۵۵ھ) نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں اَخْبَرَنَا

اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِیُّ۔ ہمیں ابراہیم بن منذر حزامی (المتوفی ۲۳۶ھ) نے خبر دی۔ حزامی ان کی خاندانی نسبت ہے۔ شاید ان کا کوئی جدّ امجد حزام ہوگا جس کے نام پر قبیلہ بنو حزام اور پھر اُسی نسبت سے یہ راوی حزامی کہلائے۔ وہ کہتا ہے اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنِ ثَابِتِ الزُّهْرِیُّ کہ ہمیں عبدالعزیز بن ثابت زہری نے خبر دی۔ حَدَّثَنِیْ اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ اَخِیْ مُوْسٰی بْنِ عُقْبَةَ۔ اُس نے یہ روایت نقل کی ہے اسمٰعیل بن ابراہیم (المتوفی ۱۶۹ھ) سے جو موسٰی بن عقبہ کے بھائی ہیں۔ عَنْ مُوْسٰی بْنِ عُقْبَةَ۔ انھوں نے یہ روایت موسٰی بن عقبہ (المتوفی ۱۴۱ھ) سے لی ہے۔ عَنْ کُرَیْبٍ اور آگے انھوں نے یہ روایت کریب المتوفی ۹۸ھ) سے اخذ کی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے شاگرد ہیں۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وہ یہ روایت عبداللہ بن عباسؓ صحابی رسول سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عباسؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چچا اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے چچازاد بھائی ہیں جو کہ صغار صحابہؓ میں شامل ہیں۔ یہ باپ بیٹا دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی فضیلت آگے بہت سی روایات میں آپ پڑھیں گے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عمر ۱۰ سال اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۳ سال تھی۔ امام احمدؒ نے ان سے تقریباً چودہ سو روایات نقل کی ہیں۔ ان میں سے بعض بلاواسطہ اور بعض بالواسطہ ہیں۔ یعنی کچھ روایات تو انھوں نے براہِ راست حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبان مبارک سے سُن کر بیان کی ہیں اور بعض دوسرے صحابہؓ سے سُن کر آگے نقل کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سب سے بڑے مفسّرِ قرآن اور حبرِ اُمّت ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ

لہ ابوالعباس کنیت ہے آپ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کی وفات طائف میں ۶۸ھ میں ہوئی۔ (فیاض)

والسّلام نے اُنکے حق میں دُعا فرمائی تھی۔[۱] اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتٰبَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔ اے اللہ! اس بچے کو کتاب سکھا دے اور اسے دین میں سمجھ نصیب فرما۔ آپ بے انتہا ذہین اور سمجھ دار تھے۔ اکثر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس ہی رہتے تھے کیونکہ ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اُمّہات المومنین میں شامل تھیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر میں رہ کر آپ نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے خوب سیکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں کچھ عرصہ کوفہ کے گورنر بھی رہے مگر یہ منصب راس نہ آیا، اس لیے چھوڑ دیا۔ پھر آخر وقت تک طائف میں مقیم رہے اور قرآن وسنّت کی تعلیم دیتے رہے۔ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپؓ کے علم سے فیضیاب ہُوئے۔ آپؓ کی قبر بھی طائف میں ہی ہے۔

آپ کے نام سے طائف میں ایک پُرانی مسجد بھی ہے۔ اب اس مسجد سے آگے سعودی حکومت نے ایک بڑی مسجد تعمیر کر دی ہے تاہم اصل مسجد میں بھی لوگ نماز پڑھتے ہیں کیونکہ وہ پُرانا ڈھانچہ اُسی طرح قائم ہے۔ آپ کی قبر اس مسجد کی دیوار کے ساتھ ہی ہے اور اُس پر گنبد بھی بنا ہُوا ہے جو کہ ترکوں کے زمانہ میں تعمیر کیا گیا تھا مگر یہ عموماً مقفّل رہتی ہے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے حتیٰ کہ حکومت کے کارندے کسی کو دیوار کے پاس بھی نہیں بیٹھنے دیتے ہیں اور مولوی اجمل خاں وہاں گئے تو دیوار کے ساتھ بیٹھ کر ایک پارہ قرآن پڑھنے کا ارادہ کیا مگر شرطوں نے ہمیں وہاں نہ بیٹھنے دیا۔ ہم نے ہر چند کہا کہ ہم کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والے نہیں ہیں مگر وہ نہیں مانے لہٰذا ہم مسجد میں جا بیٹھے۔

طائف کے قیام کے دوران ہم نے بعض دوسری زیارات بھی دیکھیں۔ وہاں پر کوئی با اعتبار گائیڈ تو ہمیں نہ مل سکا تاہم ہمارے ڈرائیور نے ہمیں بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں چیونٹیوں کی بستی تھی اور پھر حضرت سلیمان علیہ السّلام کا تخت یہاں اُترا تھا۔ ایک چھوٹا سا مکان تھا، اس میں انگور کی بیل بھی تھی۔ ساتھ ایک

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ص۳ ج۱ و بخاری ص۲۶ ج۱ و ص۵۳۱ ج۱ (فیاض)

گرا ہوا سا تھا، کہتے ہیں کہ اس جگہ تخت سلیمانی اُترا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ہم حضرت علیؓ کی مسجد میں بھی گئے۔ قرنِ ثعلب کا وہ مقام بھی دیکھا جہاں پر آپ لہولہان ہو کر گر پڑے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانیوں کی مشرکانہ حرکات کی وجہ سے حکومتی کارندے ایسی زیارات پر جانے سے روکتے ہیں بلکہ اصرار کرنے والوں کو گالیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں رُح ہندی، پاکستانی، مشرک وغیرہ وغیرہ۔

دانت مبارک

قَالَ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِیَّتَیْنِ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے کے دو دانتوں کے درمیان قدرے ریخ یعنی قدرے کشادگی تھی یعنی وہ بالکل ملے ہوئے نہیں تھے۔ اِذَا تَکَلَّمَ جب آپ گفتگو فرماتے رُأِیَ کَالنُّوْرِ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ ثَنَایَاہُ تو ایسا محسوس ہوتا کہ اگلے دو دانتوں کے درمیان سے نور سا نکل رہا ہے۔ یہ نور حسّی تھا یا رُوحانی؟ بعض تو اس کو رُوحانی نور کہتے ہیں مگر یہ محض خوش عقیدگی کی بات نہیں ہے صحیح بات یہ ہے کہ یہ نور صحابہ کرامؓ کو نکلتا ہوا فی الحقیقت محسوس ہوتا تھا۔ اس کی مثال حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی قبر کی ہے۔ اگرچہ اُسے صحابیت کا درجہ حاصل نہیں ہُوا، مگر وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر ایمان لا چکا تھا اور اُس کی وفات پر آپ نے اُس کا غائبانہ طور پر جنازہ بھی پڑھا تھا۔ کہتے ہیں[1] کہ نجاشی کی قبر سے عرصہ دراز تک نور سا اُٹھتا ہوا نظر آتا رہا جسے لوگوں نے خود مشاہدہ کیا۔

اگلے دانتوں سے مُراد اُوپر والے اور نیچے والے دو دو دانت مُراد ہیں جنھیں ثنایا کہا جاتا ہے۔ ان ہر دو دانتوں کے درمیان ذرا سی دراڑ تھی جس میں سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ آپ کے دانت مبارک بڑے حسین تھے۔ دانتوں کے بارے میں آگے مزید تفصیل آئے گی۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حلیہ مبارکہ یعنی آپ کی شکل وصُورت

---

[1] عن عائشۃ۔ ابوداؤد صـ۳۴۹ (فیاض)

وضع قطع ، رنگ ڈھنگ ، چال ڈھال اور قد کاٹھ سے متعلق پہلا باب
اپنے اختتام کو پہنچا۔ آگے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے دیگر عادات و خصائل
کا بیان ہو گا ۔

---

(۲) بَابُ مَاجَاءَ فِیْ خَاتِمِ النُّبُوَّةِ۔

ترجمہ: "باب حضور علیہ السّلام کی مہر نبوت کے بارے میں۔"

مُہرِ نبوّت امام ترمذیؒ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مہر نبوت کے بارے میں اس باب میں آٹھ روایات بیان کی ہیں۔ یہ لفظ خَاتَمُ اور خَاتِمُ دونوں طرح درست ہے کسرہ کے ساتھ خَاتِمُ فاعلی معنیٰ دیتی ہے اوراس سے وہ چیز مُراد ہوتی ہے مَایُخْتَمُ بِہٖ جس کے ساتھ کسی چیز کو بند کردینے کے بعد مہر لگادی جاتی ہے اوروہ چیز مہر شدہ یا (SEALED) کہلاتی ہے۔ جنتیوں کے انعامات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ ط (المطففین : ۲۶) اہل جنت کا مشروب خالص مہر شدہ شراب ہوگی، جس کی مہر کستوری کی ہوگی۔ آگے لفظ بطور خَاتَمُ بھی آئے گا جس کا معنیٰ انگوٹھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تحریر کے اختتام پر تحریر کنندہ کی طرف سے لگائی جانے والی مہر کو بھی خاتَم کہتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس کا علیحدہ باب باندھا ہے تاہم یہاں پر خاتِم سے مُراد ختمِ نبوت کی مُہر ہے جو حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دونوں کندھوں کے درمیان بیضوی شکل میں اُبھری ہوئی ایک گلٹی کی صورت میں تھی چونکہ اس مہر نبوت کا تعلق آپ کے جسم کے ساتھ ہے اس لیے امام ترمذیؒ نے اس کو حلیہ مبارکہ سے متعلق باب سے متصلاً بیان کردیا ہے۔

مہر نبوت کی ساخت مہر نبوت کیا تھی؟ اس کے متعلق آپ آمدہ روایات میں پڑھیں گے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پشت مبارک پر دونوں کندھوں مبارکوں کے درمیان گوشت کی اُبھری ہوئی ایک بیضہ نما گلٹی سی تھی اوراس پر بال بھی تھے۔ اس

چیز کو دیکھنے والے یا ہاتھ سے ٹٹولنے والے صحابہؓ نے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے یعنی اس مُہرِ نبوت کی ساخت کے متعلق جو کسی مشاہدہ کرنے والے کی سمجھ میں آیا اُس نے بیان کر دیا یا اس کی کوئی مثال بیان کر دی۔ بعض نے اس مہرِ نبوّت کو بند مٹھی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جسم مبارک پر دونوں کندھوں کے درمیان ایسی اُبھری ہوئی تھی جیسے کسی نے مٹھی بند کر کے رکھ دی ہو۔ جس نے اس مقام پر بال محسوس کیے اس نے بیان کرنے میں شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ کے الفاظ استعمال کیے کہ یہ بہت سے بالوں کا مجموعہ تھا حالانکہ یہ سرخ رنگ کی گلٹی سی تھی جس پر کثرت سے بال تھے۔ کسی صحابی نے مہرِ نبوّت کو چکور اور کسی نے کبوتری کے انڈے سے تشبیہ دی ہے کہ اس کی ساخت اس طرح کی تھی۔ بعض نے دلہن کی ڈولی یا پلنگ پر لگائی جانے والی مسہری کے ساتھ لٹکنے والی گھنڈیوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کسی مشاہدہ کرنے والے نے اس مہرِ نبوّت کو کپڑے سے بنائے گئے موٹے موٹے بٹنوں کی مثال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ الغرض! چیز تو ایک ہی ہے مگر جس شخص نے دیکھ کر یا ٹٹول کر جو کچھ محسوس کیا اس نے بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا ان مختلف تشبیہات کو تعارض پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔

بہرحال اس مہرِ نبوت کا ذکر سابقہ کتابوں میں بھی نبی آخر الزمان کی علامت کے طور پر موجود تھا، اور اُس زمانے کے اہلِ علم آپ کی اس علامت کے متعلق جانتے تھے، اور یہ ایک متفق علیہ چیز ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا اس مُہر پر قدرتی طور پر کوئی تحریر بھی موجود تھی یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مُہرِ نبوّت پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا نام مبارک کندہ تھا جو اس پر موجود بالوں سے مل کر بنا ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ سِرْ فَاِنَّكَ الْمَنْصُوْرُ کے الفاظ تھے مگر یہ روایات کمزور ہیں اور قابلِ استدلال نہیں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ مہر پیدائشی تھی یا نبوت ملنے کے بعد جسم پر اُبھری تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا سینہ مُبارک

چاک کیا گیا تھا تو اُس وقت مُہر نبوت بھی بنا دی گئی تھی، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسم مبارک میں پیدائشی تھی۔ بہرحال خاتم نبوت سے متعلق مختلف اقوال ہیں جن کو امام ترمذیؒ نے یہاں جمع کر دیا ہے۔ ان روایات کی مزید تشریح ہر روایت کو پڑھتے وقت بیان کر دی جائے گی۔

درس ۔ ۹　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلَى الْخَاتَمِ الَّذِيْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَاِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے، انھوں نے خبر دی حاتم بن اسمٰعیل نے، جنھوں نے یہ روایت جعد بن عبدالرحمٰن سے اخذ کی ۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میری خالہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے گئی اور عرض کیا: اللہ کے رسُول! میرا یہ بھانجا تکلیف میں مبتلا ہے ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور میرے لیے برکت کی دُعا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پس مَیں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا باقی ماندہ پانی پیا ۔ کہتے ہیں کہ مَیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پشت کے پیچھے کھڑا تھا ۔ مَیں نے آپ کے دونوں کندھوں مبارکوں کے

درمیان مُہرِ نبوّت کو دیکھا جو چکور کے انڈے جیسی تھی ۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ نے اس باب کی پہلی حدیث ابو رجاء قتیبہ بن سعید سے نقل کی ہے ۔ ان کا مفصّل تذکرہ پہلے باب میں آچکا ہے روایت کے الفاظ ہیں ـــــ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ یہ کہتے ہیں، اَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ کہ ہمارے پاس حاتم بن اسمٰعیل (المتوفی ۱۸۷ھ) نے بیان کیا۔ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ انھوں نے یہ روایت جعد بن عبدالرحمٰن (المتوفی ۱۴۸ھ) سے نقل کی ۔ قَالَ سَمِعْتُ السَّآئِبَ بْنَ یَزِیْدَ یَقُوْلُ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت سائب بن یزیدؓ (المتولد ۲ھ والمتوفی ۸۰ھ) کو یہ کہتے ہُوئے سُنا بعض دیگر صحابہؓ عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، حسن، حسین رضی اللہ عنہم وغیرہم کی طرح یہ سائب بن یزیدؓ بھی خورد سال صحابی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں ذَھَبَتْ بِیْ خَالَتِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ میری خالہ جو خود حضور علیہ السّلام کی صحابیہ ہیں مجھے آپ کی خدمت میں لے گئیں۔ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اور عرض کیا، اللہ کے رسول ! مولٰنا انور شاہ کشمیریؒ سے فیض الباری میں منقول ہے کہ جس کلمہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو خطاب کیا گیا ہو جیسے یہاں آیا ہے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تو ایسے موقع پر آپ پر درود شریف نہ پڑھا جائے ۔ اس قسم کے موقع کے علاوہ جہاں بھی حضور سرورِ کائنات کا نامِ نامی آئے تو آپ پر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضرور پڑھا جائے ۔ بعض نے اس کے خلاف بھی کہا ہے مگر شاہ صاحب کا نظریہ یہی ہے وہ فرماتے ہیں سلف سے اسی طرح منقول ہے ۔

جسمانی تکلیف سے افاقہ راوی سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ! اِنَّ ابْنَ اُخْتِیْ وَجِعٌ میرا یہ بھانجا تکلیف میں مبتلا ہے ۔ وَجِعٌ صفت مشبّہ کا صیغہ ہے جیسے امام بخاریؒ نے

بھی نقل کیا ہے۔ البتہ بعض نے اسے وَقِعٌ سمجھا ہے اور یہ بھی صفتِ مشبّہ ہے۔
البتہ بعض کہتے ہیں کہ یہ فعلِ ماضی وَقَعَ ہے اور بخاری شریف میں یہی ہے۔
تاہم وَجِعٌ زیادہ مشہور ہے۔ وَقَعَ سے مُراد یہ ہے کہ وہ گر گیا تھا اور پاؤں
میں تکلیف ہے۔ بہرحال صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
نے میری خالہ کی بات سُن کر فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأْسِی
حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا۔ وَدَعَالِی بِالْبَرَکَةِ
اور میرے لیے برکت کی دُعا کی۔

اس مقام پر یہ بات قدرے کھٹکتی ہے کہ تکلیف تو صحابی کے پاؤں میں
تھی مگر آپ نے شفا کے لیے ہاتھ مبارک سر پر پھیرا۔ تو اس کے جواب میں
کہتے ہیں کہ شفا دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اُس نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
کے دُعا کرنے سے صحابی کی تکلیف کو رفع کر دیا۔ البتہ سر پر ہاتھ پھیرنا محض شفقت و
محبت کے لیے تھا۔ پیار کی وجہ سے لوگ بچوں کے رخسار چُومتے ہیں، سینے سے
لگاتے ہیں یا سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا سر پہ ہاتھ پھیرنا
اسی قبیل سے تھا۔

برکت کا مفہوم

بَرَکَۃٌ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور اسی لحاظ سے
اونٹوں کی بیٹھی ہوئی جماعت کو بَارِکَۃٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح
بِرْکَۃٌ حوض کو کہتے ہیں اور بَرَکَۃ سے مُراد برکت ہے۔ برکت کا لفظی معنٰی
زیادتی اور نشو و نما ہوتا ہے۔ مگر مطلق زیادتی نہیں بلکہ ایسی زیادتی جس میں تقدس
کا مفہوم پایا جائے جیسے جسم، عُمر، علم وغیرہ میں زیادتی جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے خاص قسم کی زیادتی ہوتی ہے اور اسی کو برکت کا نام دیا گیا ہے۔ آپ
معجزات کے باب میں پڑھتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دُعا فرمائی تو
چند آدمیوں کا کھانا سینکڑوں آدمیوں نے کھا لیا یا تھوڑے پانی میں اللہ تعالیٰ
نے برکت ڈالی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے اس سے چشمہ جاری ہو گیا

اگر اس ضمن میں زیادہ تفصیل دیکھنی ہو تو امام رازیؒ کی طرف سے آیتِ کریمہ
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ۝ (المؤمنون: ۱۴) میں پڑھ لیں۔
بہر حال برکت سے مُراد وہ مقدس قسم کی زیادتی ہے جس میں خیر الٰہی شامل ہو۔
حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک شخص کے حق میں دُعا کی تو اس کی برکت
سے اس شخص کے بال ساری عمر سیاہ رہے مسیلمہ کذاب نے کہا کہ یہ کام تو میں
بھی کر سکتا ہوں۔ جونہی اُس نے کسی شخص کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کے سارے
بال سفید ہو گئے۔ وہ تو تھا ہی بے ایمان اور کذاب، تاہم کبھی استدراج کے
طور پر بات پوری بھی ہو جاتی ہے اور پھر بعض اوقات بالکل اُلٹ بھی ہو جاتا ہے۔

وضو کا باقی ماندہ پانی

آگے راوی بیان کرتا ہے وَتَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وضو
کیا اور مَیں نے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا۔ لفظ وُضو فعل پر اطلاق کرتا ہے
یعنی وضو کرنا جبکہ وَضو سے وہ پانی مراد ہوتا ہے جس کے ساتھ وضو کیا
جاتا ہے۔ وضو کے بقیہ پانی سے مُراد وہ پانی بھی ہو سکتا ہے جو وضو کرنے کے
بعد برتن میں بچ گیا ہو اور اس سے وہ پانی بھی مُراد لیا جا سکتا ہے جس کے
ساتھ وضو کیا گیا ہو یعنی وضو کا مستعمل پانی۔ عام آدمی کا مستعمل پانی تو بلا شبہ مکروہ ہے
مگر یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خاصیّت ہے کہ آپ کا مستعمل پانی مکروہ نہیں
ہوتا۔ آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وضو فرماتے
تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مستعمل پانی زمین پر نہیں گرنے
دیتے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں پر لے لیتے تھے اور پھر یہ متبرک پانی اپنے منہ اور
جسم کے دیگر حصّوں پر مَل لیتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اور بھی بہت
سی خصوصیّات ہیں مثلاً عام آدمی کو بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنے
کی ممانعت ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے اجازت تھی۔ اسی طرح
آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مستعمل پانی بھی پاک اور متبرک تھا۔

مُہر نبوّت کا مشاہدہ

راوی بیان کرتا ہے وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پُشت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ فَنَظَرْتُ اِلَی الْخَاتَمِ الَّذِیْ بَیْنَ کَتِفَیْهِ پس میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوّت کا مشاہدہ کیا۔ فَاِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔ پس میں نے اُسے چکور کے انڈے جیسا پایا۔ حجلہ چکور کو کہتے ہیں اور اس کا انڈا مُرغی کے انڈے سے ذرا چھوٹا اور کبوتری کے انڈے سے ذرا بڑا ہوتا ہے۔

حجلہ اس ڈولی کو بھی کہتے ہیں جس میں پہلے دن دُلہن کو بٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ڈولی کے اُوپر کڑھائی والی چادر ڈالی جاتی ہے جس کے ساتھ خوبصورتی کے لیے گھُنڈیاں لٹکائی جاتی ہیں۔ ایسی ہی گھُنڈیاں پلنگ پر لگائی جانے والی مسہری کے ساتھ بھی لٹکائی جاتی ہیں۔ یہ گھنڈیاں بھی تقریباً اسی حجم کی ہوتی ہیں جو کبوتری یا چکور کا انڈا ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں کپڑے کے موٹے موٹے بٹن بھی بنائے جاتے تھے جن کا سائز بھی تقریباً ایسا ہی ہوتا تھا۔

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَعْقُوْبَ الطَّالَقَانِيُّ اَخْبَرَنَا اَيُّوْبُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُدَّةً حَمْرَآءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ ۔　　　　(ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا سعید بن یعقوب طالقانی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ایوب بن جابر نے انھوں نے روایت بیان کی سماک بن حرب سے اور انھوں نے جابر بن سمرۃؓ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت دیکھی جو کہ ایک سُرخ رنگ کی گلٹی کی صُورت میں تھی جیسا کہ کبوتری کا انڈا ہوتا ہے۔

مُہرِ نبوّت کی مزید تشریح

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَعْقُوْبَ الطَّالَقَانِيُّ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سعید بن یعقوب طالقانی (المتوفی ۲۴۴ھ) نے بیان کیا۔ ایران میں طالقان ایک مشہور مقام ہے جس کی نسبت سے یہ راوی طالقانی کہلاتے تھے۔ اَخْبَرَنَا اَيُّوْبُ بْنُ جَابِرٍ ان کو خبر دی ایوب بن جابر نے۔ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ اور انھوں نے روایت کی ہے سماک بن حرب (المتوفی ۱۲۳ھ) سے جو کہ تابعین میں سے ہیں۔ پھر انھوں نے روایت کیا ہے عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ جابر بن سمرۃؓ سے جو کہ صحابیِ رسول ہیں۔ یہ کہتے ہیں قَالَ رَاَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے رسول اللہ

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

اور بے شک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں (القلم)

شمائل ترمذی

مع اردو ترجمہ و شرح

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

بانی، مدرسہ نصرۃ العلوم، جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

مقدمہ، اضافہ، حاشیہ

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ، پاکستان

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَعْقُوْبَ الطَّالَقَانِيُّ اَخْبَرَنَا اَيُّوْبُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُدَّةً حَمْرَآءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا سعید بن یعقوب طالقانی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ایوب بن جابر نے انھوں نے روایت بیان کی سماک بن حرب سے اور انھوں نے جابر بن سمرۃؓ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت دیکھی جو کہ ایک سُرخ رنگ کی گلٹی کی صُورت میں تھی جیسا کہ کبوتری کا انڈا ہوتا ہے۔

مُہرِ نبوّت کی مزید تشریح

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَعْقُوْبَ الطَّالَقَانِيُّ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سعید بن یعقوب طالقانی (المتوفی ۲۴۴ھ) نے بیان کیا۔ ایران میں طالقان ایک مشہور مقام ہے جس کی نسبت سے یہ راوی طالقانی کہلاتے تھے۔ اَخْبَرَنَا اَيُّوْبُ بْنُ جَابِرٍ ان کو خبر دی ایوب بن جابر نے۔ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ اور انھوں نے روایت کی ہے سماک بن حرب (المتوفی ۱۲۳ھ) سے جو کہ تابعین میں سے ہیں۔ پھر انھوں نے روایت کیا ہے عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ جابر بن سمرۃؓ سے جو کہ صحابیِ رسول ہیں۔ یہ کہتے ہیں قَالَ رَاَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوّت کا مشاہدہ کیا۔ اور یہ مُہرِ نبوّت غُدَّۃً حَمرَاءَ ایک سرخ رنگ کی گلٹی کی صورت میں تھی۔ مِثلَ بَیضَۃِ الحَمَامَۃِ جو کہ کبوتری کے انڈے کے مشابہ تھی۔

پچھلی روایت میں مُہرِ نبوّت کے حجم کو چکور کے انڈے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کبوتری کا انڈا بھی چکور کے انڈے کی طرح کا ہی ہوتا ہے تاہم چکور کا انڈا ذرا بڑا ہوتا ہے۔ مُہرِ نبوّت کی مزید تفصیلات اگلی روایات میں بھی آرہی ہیں۔ بعض روایات میں مُہرِ نبوّت کو مُکّہ اور بعض میں اسے گول مسّہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس پر بکثرت بال ہوں۔

حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبِ الْمَدَنِیُّ اَخْبَرَنَا یُوْسُفُ بْنُ الْمَاجِشُوْنَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ جَدَّتِهٖ رُمَیْثَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ اَشَآءُ اَنْ اُقَبِّلَ الْخَاتَمَ الَّذِیْ بَیْنَ کَتِفَیْهِ مِنْ قُرْبِهٖ لَفَعَلْتُ یَقُوْلُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ یَوْمَ مَاتَ اِهْتَزَّ لَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ ۵۶۹)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا ابو مصعب مدنی نے۔ اُن کے پاس خبر دی یوسف بن ماجشون نے اپنے باپ کے حوالے سے۔ انھوں نے یہ روایت عاصم بن عمر بن قتادہ سے لی۔ انھوں نے اپنی دادی رمیثہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ اُس نے کہا، مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا۔ اور اگر میں چاہتی تو اُس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دونوں کندھوں مبارکوں کے درمیان مُہرِ نبوّت کو بوسہ دے لیتی۔ آپ کے قریب ہونے کی وجہ سے تو آپ نے سعد بن معاذ کی وفات کے دن فرمایا تھا کہ آج اس بندۂ خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کا عرش بھی جھوم اُٹھا ہے۔"

سندِ حدیث | حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبِ الْمَدَنِیُّ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابو مصعب[1] مدنی نے بیان کی۔ نسبت مدنی مدینۃ الرسول کی طرف نسبت ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اَخْبَرَنَا یُوْسُفُ بْنُ

[1] ان کا نام مطرف بن عبداللہ الہلالی ہے یا احمد بن بجیر الزہری ہے المتوفیٰ ۲۲۰ھ۔ (فیاض)

اَلْمَاجِشُوْنُ عَنْ اَبِیْہِ ۔ ہمارے پاس یوسف بن ماجشون (المتوفی ۱۸۵ھ) نے اپنے باپ (ماجشون المتوفی ۱۲۴ھ) کے حوالے سے روایت بیان کی۔ امام ابن ماجشون عظیم المرتبت امام ہوئے ہیں جو کہ امام مالکؒ کے پیرو کار تھے ماجشون اصل میں فارسی لفظ ماہ گون تھا ۔ مگر حرف گ عربی میں نہیں ہے چنانچہ جب کسی ایسے لفظ کو عربی میں ڈھالنا ہو تو گ کو ج یا غ کے ساتھ بدل دیتے ہیں ۔ اس کی مثال یوں ہے کہ گاندھی کو غاندھی کہیں گے یا جیسے انگریزی مہینہ اگست کو اغسطس اور بنگلہ دیس کو بنجلہ دیس کہتے ہیں ۔ اسی طریقے سے ماہ گون کو ماجشون بنا دیا گیا ہے ۔

یوسف بن ماجشون نے عَنْ اَبِیْہِ یہ روایت اپنے باپ سے نقل کی اور انھوں نے یہ روایت عاصم بن عمر بن قتادہ (المتوفی ۱۲۰ھ) سے عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَۃَ عَنْ جَدَّتِہٖ رُمَیْثَۃَ اور انھوں نے یہ روایت اپنی دادی رمیثہؓ سے اخذ کی ۔ رمیثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ ہیں جن کی چند ایک[1] اور روایات بھی محدثین نے نقل کی ہیں ۔

سعد بن معاذؓ کے حالات اور وفات

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صحابیہ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ یَوْمَ مَاتَ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما (المتوفی ۵ھ) کی وفات کے دن یہ کہتے ہوئے سنا ۔

امام ترمذیؒ نے یہ روایت تو مہر نبوت کے بیان میں نقل کی ہے مگر یہاں پر حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات پر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک تعریفی جملہ بھی نقل کیا گیا ہے ۔ دراصل روایت کے مذکورہ بالا الفاظ کے درمیان ایک جملہ معترضہ ہے جو ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور یہی جملہ

[1] ان سے دو روایتیں منقول ہیں ۔ (فیاض)

دراصل یہاں بیان کرنا مقصود ہے۔

یہ سعد بن معاذؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا تعلق انصارِ مدینہ کے ساتھ ہے اور یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہجرتِ مدینہ سے قبل ہی حضرت مصعب بن عمیرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ ہجرتِ نبوی سے قبل انصارِ مدینہ کے کئی لوگ مختلف اوقات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حج کے موقع پر منیٰ کے مقام پر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ حضرت ابنِ معاذؓ انھی لوگوں میں شامل تھے، بلکہ آپؓ ان بارہ سردارانِ مدینہ میں بھی شامل تھے جن کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نقیب مقرر فرمایا تھا اور انھوں نے واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کی تو بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔ انھی لوگوں کی دعوت پر آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح یہ مدینۃ الرسول سب سے پہلا دارالاسلام بنا۔

الغرض! حضرت سعد بن معاذؓ اونچے قد و قامت کے وجیہہ آدمی تھے اور مدینہ کے سرداروں میں سے تھے۔ انھوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور ۵ھ میں جنگِ خندق کے موقع پر زخمی ہو گئے اور پھر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذؓ[1] کے جنازے میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی تھی۔ مگر ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اتنے جلیل القدر صحابی اور مردِ صالح پر بھی تھوڑی دیر کے لیے قبر میں تنگی آئی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی شخص کو بھی عذابِ قبر سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ عاجزی اور انکساری کا اظہار ہی کرنا چاہیے۔

عرشِ الٰہی میں حرکت

حضرت رمیثہؓ بیان کرتی ہیں کہ جس دن حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات ہوئی اس دن اِهْتَزَّ لَهُ

[1] جمع الوسائل صـ۱۵۷ (فیاض)

عَرْشُ الرَّحْمٰنِ خدائے رحمٰن کے عرش میں بھی حرکت پیدا ہو گئی۔ عرشِ الٰہی میں اس جُنبش کا پیدا ہونا اضطراب کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے یعنی حضرت سعدؓ کی وفات پر اللہ تعالیٰ کا عرش اس قدر متاثر ہُوا کہ اس میں جُنبش پیدا ہو گئی کہ اسلام کا نڈر سپاہی، اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا سچّا فداکار آج دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حرکت عرشِ الٰہی میں غصّے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ اُسے ان کافروں پر سخت غصّہ آیا تھا جنھوں نے اس مردِ میدان اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سچّے شیدائی کو زخمی کر دیا جس نے اسلام کے فداکار کی حیثیت سے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ یہ وہی عظیم المرتبت صحابیِ رسول ہیں جنھوں نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق ثالثی فیصلہ دیا تھا کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لیا جائے۔ اس موقع پر بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا تھا کہ سعدؓ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے، مگر افسوس کہ اسلام کا یہ نڈر سپاہی صرف ۳۷ سال کی عمر میں اپنے خالق سے جا ملا۔

عرشِ الٰہی کی یہ حرکت بعید از امکان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسی چیزوں میں بھی شعور پیدا کر دے جس کی وجہ سے حضرت سعدؓ کی موت پر عرشِ الٰہی بھی حرکت میں آ گیا۔ اس کی مثال کھجور کا وہ خشک تنا ہے جو مسجدِ نبوی میں گڑھا ہوا تھا اور جس کے ساتھ ٹیک لگا کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام صحابہؓ کو خطاب فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب آپ کے لیے لکڑی کا منبر تیار ہو گیا تو آپ اُس لکڑی کے ستون کو چھوڑ کر منبر پر تشریف لانے لگے۔ اس جُدائی پر لکڑی کا وہ خشک تنا بچوں کی طرح بِلک بِلک کر رونے لگا تھا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس تنے میں بھی شعور پیدا کر دیا تھا۔ اسی طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک پتھر کی نشاندہی کی تھی کہ جب بھی میں اس کے قریب سے

گزرتا ہوں تو یہ پتھر مجھے سلام کرتا ہے۔ بہرحال اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش میں بھی شعور پیدا کر دیا ہو تو حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات پر اُس کا جُنبش کرنا بعید از قیاس نہیں ہے۔

اس کے علاوہ عرشِ الٰہی کے جنبش کا مجازی معنیٰ بھی لیا جا سکتا ہے۔ یعنی حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات پر اہلِ عرش بھی حرکت میں آ گئے۔ اہلِ عرش سے مُراد اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے ہیں جن میں سے بعض تو حاملینِ عرش ہیں جیسے فرمایا اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَمَنۡ حَوۡلَہٗ...(المؤمن : ۷) یعنی وہ فرشتے جو عرشِ عظیم کو اٹھائے ہُوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ اور بعض فرشتے وہ ہیں وَتَرَی الۡمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ (الزمر : ۷۵) جو عرش کے گرد گھیرا باندھے ہُوئے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ غرضیکہ حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات حسرت آیات پر اِن فرشتوں کے اندر بھی حرکت پیدا ہوگئی تو یہ بھی درست ہے۔

مُہرِ نبوّت کا بوسہ

یہ تو درمیان میں جملہ معترضہ آ گیا ہے تاہم اس باب میں حدیث لانے کا مقصد حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ہے۔ وہ کہتی ہیں : وَلَوۡ اَشَآءُ اَنۡ اُقَبِّلَ الۡخَاتَمَ الَّذِیۡ بَیۡنَ کَتِفَیۡہِ مِنۡ قُرۡبِہٖ لَفَعَلۡتُ کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد بن معاذؓ کے متعلق مذکورہ بالا تعریفی کلمات کہے تو اُس وقت مَیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس قدر قریب تھی کہ اگر چاہتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے دونوں کندھوں کے درمیان موجود مُہرِ نبوّت کو بوسہ دے لیتی۔ روایت کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے متعلق ہے اس جُملے میں مِنۡ قُرۡبِہٖ کے الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کیونکہ ایسے الفاظ عام طور پر توثیقِ کلام کے لیے ہوتے ہیں۔ حضرت رمیثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کہتی ہیں کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اتنا قریب تھی کہ مُہر نبوت کو بوسہ دے سکتی تھی۔ اس سے ایک تو راوی کے کلام کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس قدر قریب تھی لہٰذا اس کے بیان میں کسی قسم کا تردّد نہیں ہوسکتا۔ نیز اس نے مُہر نبوّت کو بچشم خود دیکھا ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

باب ۲
شمائل ترمذی
حدیث ۴

درس ۹

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰى غُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِّنْ وُلْدِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ وَقَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ "ہمارے پاس بیان کیا احمد بن عبدۃ ضبی اور علی بن حجر وغیرہ نے جن کا مفہوم واحد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی عیسی بن یونس نے اور انھوں نے روایت اخذ کی عمر بن عبداللہ جو غفرہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس بیان کیا ابراہیم بن محمد نے جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے پھر انھوں نے (سابقہ) لمبی حدیث ذکر کی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوّت تھی اور آپ خاتم النبیّین تھے۔"

سندِ حدیث | یہ ایک لمبی حدیث ہے جس کا ایک حصہ بابِ اوّل میں چھٹے نمبر پر بیان ہو چکا ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہ حدیث احمد

بن عبدۃ ضبی بصری سے روایت کی ہے اور اس کے اوّلین راوی ابراہیم بن محمد ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ سند کے راویان کے حالات پہلے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ اُس لمبی روایت کا یہ دوسرا ٹکڑا ہے جس میں مُہرِ نبوت کا ذکر ہے اور امام ترمذیؒ نے اس ٹکڑا کو یہاں مُہرِ نبوّت کے باب میں نقل کیا۔ اس حدیث کے ابھی مزید حصّے اپنے اپنے مقام پر آئیں گے۔

مُہرِ نبوّت کا بیان

اس ٹکڑا حدیث میں راوی ابراہیم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حُلیہ مبارکہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا وَقَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ کو حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، اور آپ خاتم النبیّین یعنی سلسلہ انبیاءؑ کی آخری کڑی ہیں۔ اب آپ کے بعد دُنیا میں کوئی نبی نہیں آئے گا۔

باب ۲

شمائل ترمذی

حدیث ۵

درس ۹

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَاصِمٍ اَخْبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنِیْ عِلْبَاءُ بْنُ اَحْمَرَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ بْنُ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا زَیْدٍ اُدْنُ مِنِّیْ فَامْسَحْ ظَهْرِیْ فَمَسَحْتُ ظَهْرَهٗ فَوَقَعَتْ اَصَابِعِیْ عَلَی الْخَاتَمِ قُلْتُ وَمَا الْخَاتَمُ قَالَ شَعَرَاتٌ مُّجْتَمِعَاتٌ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ : ہمارے پاس بیان کیا محمد بن بشار نے ، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابو عاصم نے خبر دی ، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عزرہ بن ثابت نے خبر دی ، وہ کہتا ہے کہ میرے پاس علباء بن احمر (یشکری) نے ، اس نے کہا کہ میرے پاس بیان کیا (ابو زید) عمر بن اخطب انصاری نے ، کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ، اے ابو زید ! میرے قریب ہو جاؤ اور میری پشت پر ہاتھ پھیرو۔ پس میں نے آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرا تو میری انگلیاں مہر نبوت پر جا لگیں میں نے کہا کہ مہر نبوت سے کیا مراد ہے تو کہنے لگے کہ بالوں کا مجموعہ "

سندِ حدیث اس حدیث کے راوی اور ہیں ۔ امام ترمذیؒ کے سامنے بیان کیا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ان کے استاد

محمد بن بشار نے، ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ انھوں نے یہ روایت اپنے استاذ ابو عاصم[1] سے اخذ کی۔ یہ اکابر محدثین میں سے ہیں، اور ان کی روایات صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں موجود ہیں اَخْبَرَنَا عَزْرَۃُ بْنُ ثَابِتٍ انھوں نے یہ روایت عزرۃ بن ثابت (المتوفی ۲۱۲ یا ۲۱۵ھ) سے اخذ کی۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں ـــــ حَدَّثَنِیْ عِلْبَاءُ بْنُ اَحْمَرَ ـــــ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس علباء بن احمر یشکری نے یہ روایت بیان کی۔ یہ صدوق راوی ہیں ـــــ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ بْنُ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِیُّ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت ابو زید عمر بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کی۔ یہ بدری صحابی ہیں جن کی بڑی فضیلت آئی ہے جنگِ بدر میں شریک ہونے والے ۳۱۳ یا ۳۱۹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دوسری روایات میں آتا ہے کہ جس طرح آسمان پر جبریل اور میکائیل علیہما السلام ملاءِ اعلیٰ کے مقربین ہیں، اسی طرح زمین پر جنگ بدر میں حصہ لینے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ صحابی ہیں۔

مُہرِ نبوّت کا مشاہدہ

قَالَ یہ بدری صحابی کہتے ہیں قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ مجھ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، یَا اَبَا زَیْدٍ اے ابو زید! یہ عمر بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ کی کُنیت ہے جس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو مخاطب کیا۔ کسی شخص کو اس کے نام کی بجائے کُنیت کے ساتھ پکارنا اُس کے لیے باعثِ عزت و شرف سمجھا جاتا تھا اور عربوں میں یہ محبّت و اُلفت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ الغرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے ابو زید، اُدْنُ مِنِّیْ ذرا میرے قریب آجاؤ۔ فَامْسَحْ ظَهْرِیْ اور میری پشت پر ہاتھ پھیرو۔ بعض اوقات آدمی کو کھجلی وغیرہ

[1] ان کا نام ضحاک ہے۔ المتوفی ۲۱۲ھ۔ (فیاض)

ہوتی ہے مگر ہاتھ لپشت پر مطلوبہ جگہ پر نہیں پہنچ پاتا تو کسی دوسرے شخص کو کہنا پڑتا ہے کہ میری فلاں جگہ پر ذرا ہاتھ پھیر دینا۔ دوسری روایت میں آپ پڑھیں گے کہ بعض اوقات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام لوہے یا لکڑی کے بنے ہوئے کھرپے کے ساتھ بھی کھجلی کر لیتے تھے۔ بہرحال ایسی ہی کسی ضرورت کے تحت آپ نے صحابی کو پہلے اپنے قریب آنے کو کہا اور پھر اپنی لپشت پر ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا۔

صحابی بیان کرتا ہے فَمَسَحْتُ ظَهْرَهٗ تعمیل حکم میں مَیں نے حضور نبیٔ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی لپشت پر ہاتھ پھیرا۔ فَوَقَعَ اَصَابِعِيْ عَلَى الْخَاتَمِ تو ہاتھ پھیرتے وقت میری انگلیاں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مُہرِ نبوت پر جا لگیں قُلْتُ وَمَا الْخَاتَمُ نچلا شاگرد علباء بن احمر کہتا ہے کہ مَیں نے ابوزیدؓ سے پوچھا کہ مُہرِ نبوّت سے آپ کی کیا مُراد ہے۔ قَالَ شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ تو انھوں نے بتایا کہ ہاتھ لگنے سے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسا کہ بالوں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے یعنی اُس جگہ پر بہت سے بال تھے۔

مُہرِ نبوّت کے مشاہدہ میں مختلف بیانات آرہے ہیں۔ مَیں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ان بیانات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ہر مشاہدہ کنندہ صحابی نے مہرِ نبوّت کو جس طرح دیکھا یا جس طرح محسوس کیا، وہ بیان کر دیا، تو اس صحابی نے اپنے مشاہدہ کو اس طرح بیان کیا کہ مہرِ نبوّت بہت سے بالوں کا مجموعہ تھی۔ کسی نے مہرِ نبوت کو سرخ گلٹی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو چکور یا کبوتری کے انڈے کے برابر ہو، اور یہاں پر بالوں کی کثرت کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ مہرِ نبوّت پر کثرت سے بال بھی تھے۔

شمائل ترمذی — باب ۲
درس ۱۰ — حدیث ۶
(حصہ اوّل)

حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ الْخُزَاعِيُّ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ بُرَيْدَةَ يَقُوْلُ جَاءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بِمَائِدَةٍ عَلَيْهَا رُطَبٌ فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا سَلْمَانُ مَا هٰذَا فَقَالَ صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَصْحَابِكَ فَقَالَ اِدْفَعْهَا فَاِنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ فَرَفَعَهَا فَجَاءَ الْغَدَ بِمِثْلِهٖ فَوَضَعَهٗ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا سَلْمَانُ فَقَالَ هَدِيَّةٌ لَّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ ابْسُطُوْا ثُمَّ نَظَرَ اِلَى الْخَاتَمِ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰمَنَ بِهٖ وَكَانَ لِلْيَهُوْدِ فَاشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا عَلٰى اَنْ يَّغْرِسَ لَهُمْ نَخِيْلًا فَيَعْمَلَ سَلْمَانُ فِيْهِ حَتّٰى تُطْعِمَ فَغَرَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ اِلَّا نَخْلَةً وَّاحِدَةً غَرَسَهَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَانُ هٰذِهِ النَّخْلَةِ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا غَرَسْتُهَا فَنَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَهَا فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِهٖ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا ابو عمار حسین بن حریث خزاعی نے، ان کے پاس خبر دی علی بن حسین بن واقد نے، اس کے پاس اس کے باپ نے روایت بیان کی اور اس نے عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ بریدہؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہجرت کرکے مدینہ طیّبہ آگئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں ایک دسترخوان لے کر حاضر ہوئے جس پر کچھ تازہ کھجوریں تھیں۔ انھوں نے وہ دسترخوان حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا، اے سلمان یہ کیا ہے؟ عرض کیا، یہ آپ کے لیے اور آپ کے ساتھیوں کے لیے صدقہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس کو اُٹھا لو کیونکہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ راوی کہتے ہیں حضرت سلمان فارسیؓ نے وہ دسترخوان اُٹھا لیا۔ پھر وہ اگلے دن ایسا ہی دسترخوان لے کر آئے اور اُسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا، سلمان! یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا، اسے کھولو، پھر حضرت سلمان فارسیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر مہر نبوت کو دیکھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لے آئے اور سلمان فارسیؓ یہودی کے غلام تھے، پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انھیں اتنے اتنے درہم میں خرید لیا (مکاتب بنالیا، اور دوسری شرط یہ بھی تھی کہ) سلمان فارسیؓ اپنے یہودی مالک کے لیے کھجور کے درخت لگائے گا اور ان پر کام کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ درخت پھل لانے لگیں۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود کھجور کے درخت لگائے سوائے ایک درخت کے جو کہ حضرت عمرؓ نے لگایا پس وہ تمام درخت اسی سال پھل لائے سوائے ایک درخت کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ اس درخت نے پھل کیوں نہیں دیا؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسکو میں نے لگایا تھا۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس درخت کو اکھاڑ کر دوبارہ لگادیا پس اس نے بھی اسی سال پھل دے دیا۔"

سند حدیث حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارِ الْحُسَیْنُ بْنُ حُرَیْثِ الْخُزَاعِیُّ۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا ابوعمار حسین بن حریث خزاعی (المتوفی ۲۴۴ھ) نے۔ ان کا تعلق بنو خزاعہ کے ساتھ تھا اور یہ انتہائی ثقہ راوی ہیں، نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ امام ترمذیؒ کے علاوہ امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ نے بھی ان سے روایات اخذ کی ہیں۔ اس راوی کے بارے میں امام ابن خزیمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو خواب میں سبز رنگ کے لباس میں ملبوس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا آپ قرآن کی یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ (الزخرف: ۷۹) کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ

ہم اُن کی پوشیدہ باتوں اور مخفی سرگوشیوں کو نہیں جانتے ؟ ادھر آپ کی قبر مبارک سے
حقاً حقاً کی آوازیں آرہی تھیں اگرچہ خواب کا بیان کسی چیز کی قطعی دلیل تو نہیں ہوتی
تاہم یہ قرینہ اور توثیق کا باعث تو ہوسکتی ہے۔ بہر حال اس خواب سے اس خدا
کے بندے کی فضیلت ضرور ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت خزاعی کہتے ہیں اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنِ بْنِ وَاقِدٍ کہ ہمارے
پاس علی بن حسین بن واقد (المتوفی ۲۱۱ھ) نے یہ روایت بیان کی۔ کہتے ہیں کہ یہ
صدوق راوی ہیں مگر ان پر ارجاء کا الزام بھی لگایا جاتا تھا۔ جو اعمال کو بے وقعت
بنا دیتا ہے۔ یاد رہے کہ ارجاء کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو سنّت کے مطابق ہو،
اور دوسری وہ جو سنت سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ تاہم ایسی تمام روایات قابل
قبول ہوتی ہیں حتّٰی کہ خارجیوں کی روایات بھی قابلِ اعتماد ہوتی ہیں اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ
مُسْتَحِلٌّ لِّلْکَذِبِ سوائے اس کے کہ ایسا شخص جھوٹ بولنے کو حلال سمجھتا
ہو یا بالفعل جھوٹ بولنے کا عادی ہو۔ ایسے شخص کی روایت نقل کرنا حرام ہے،
ورنہ عام طور پر ان لوگوں کی روایات بھی قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

علی بن حسین کہتے ہیں حَدَّثَنِیْ اَبِیْ کہ میرے پاس میرے باپ
(المتوفی ۱۵۷ یا ۱۵۹ھ) نے یہ روایت بیان کی وہ کہتے ہیں حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ
بُرَیْدَۃَ کہ میرے پاس عبداللہ بن بریدہ نے بیان کیا قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ بُرَیْدَۃَ
یَقُوْلُ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(المتوفی ۶۲ یا ۶۳ھ) کو یہ کہتے ہوئے سُنا، حضرت بریدہؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
کے صحابی ہیں۔ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سَمِعْتُ کا مفعول اَبَا ہونا چاہیے
کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مفعول منصوب ہوتا ہے مگر یہاں پر اَبِیْ آیا ہے، یہ
کیوں ؟ دراصل یہاں پر اَبِیْ سَمِعْتُ کا مفعول نہیں ہے۔ بلکہ یہ بدل اور
مبدل منہ ہیں۔ لہٰذا نصبی حالت نہیں آئے گی اور بدل، مبدل منہ کی حالت
میں معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے باپ یعنی بریدہؓ سے یہ کہتے ہوئے سُنا۔ اگر

سَمِعْتُ کا مفعول ابو بریدہؓ بطور کنیت استعمال ہوتا تو پھر بلا شبہ آیا بُرَیْدَۃَ ہی آتا۔

سلمان فارسیؓ کی حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضری

تو حضرت بریدہؓ نے اس طرح بیان کیا

جَاءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مکہّ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو حضرت سلمان فارسیؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے بِمَائِدَۃٍ عَلَیْھَا رُطَبٌ اُن کے پاس ایک دسترخوان تھا جس پر کچھ تازہ کھجوریں چنی ہوئی تھیں فَوَضَعَھَا بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت سلمان فارسیؓ نے وہ دسترخوان حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے رکھ دیا۔ فَقَالَ یَا سَلْمَانُ مَا ھٰذَا؟ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دریافت کیا، سلمان! یہ کیا چیز ہے؟ فَقَالَ صَدَقَۃٌ عَلَیْکَ وَعَلٰی اَصْحَابِکَ عرض کیا، حضورؐ! یہ آپ کے لیے اور آپ کے صحابہؓ کے لیے صدقہ ہے۔ فَقَالَ اِرْفَعْھَا فَاِنَّا لَا نَاْکُلُ صَدَقَۃً آپ نے فرمایا، اس کو اٹھا لو کیونکہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ قَالَ فَرَفَعَھَا فَجَاءَ الْغَدَ بِمِثْلِہٖ راوی کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے وہ دسترخوان اُٹھا لیا پس سلمان فارسیؓ اگلے دن پھر ویسا ہی دسترخوان لے کر آئے۔ یاد رہے کہ یہاں غدًا سے مُراد حقیقی اگلا دن بھی ہو سکتا ہے یعنی جس دن حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کا صدقہ قبول نہ کیا، اُس سے اگلے دن وہ کچھ اور لے آئے۔ یا غَدًا سے کوئی بھی آنے والا وقت مُراد ہو سکتا ہے جیسے قرآنِ مجید میں آتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ط (الحشر: ۱۸) اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل یعنی قیامت کے لیے آگے کیا بھیجا ہے۔

بہرحال حضرت سلمان فارسیؓ اگلے روز یا کسی دوسرے موقع پر دوبارہ

خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس ویسا ہی دسترخوان تھا فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سلمانؓ نے وہ دسترخوان پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے رکھ دیا۔ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا سَلْمَانُ ؟ آپ نے پھر پوچھا، سلمان ! یہ کیا ہے ؟ فَقَالَ هَدِيَّةٌ لَكَ ۔ انھوں نے عرض کیا، حضور ! یہ آپ کے لیے ہدیہ (تحفہ) ہے۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ یہ سن کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پاس بیٹھے ہوئے صحابہؓ سے فرمایا : اُبْسُطُوْا ۔ اس کو کھولو اور بچھا دو۔ پھر اُس میں سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود بھی تناول فرمایا اور دوسرے موجود صحابہؓ نے بھی وہ کھانا کھایا۔

سلمان فارسیؓ کے حالاتِ زندگی

حضرت سلمان فارسیؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جلیل القدر عظیم المرتبت اور مشہور و معروف صحابی ہیں۔ آپ کی زندگی کے حالات اس کتاب کے علاوہ مسند احمد، حلیۃ الاولیاء، جمع الفوائد اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ اور بلال حبشیؓ تینوں غیر عرب مگر کمال درجے کے صاحبِ ایمان صحابی تھے۔ ان حضرات کو بڑی بڑی خصوصیات حاصل تھیں۔ ان کی فضیلت کے بارے میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بہت سے ارشادات کتبِ احادیث میں محفوظ ہیں اگرچہ یہ تینوں صحابہ کرامؓ بڑی بڑی آزمائشوں سے گزر کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پہنچے مگر سلمان فارسیؓ کی زندگی کے خاص طور پر حیرت انگیز واقعات ملتے ہیں اور پھر انھوں نے عمر بھی بہت لمبی پائی تھی۔

طلوعِ اسلام کے وقت مذاہبِ عالم

حضرت سلمان فارسیؓ ایران کے رہنے والے تھے۔ قدیم زمانے میں ایران کو فارس کہا جاتا تھا لہٰذا یہ سلمان فارسیؓ کہلائے۔ تقریباً ایک ہزار سال تک قدیم فارس کا دارالحکومت مدائن رہا۔ اس خطّے کے لوگ عام طور پر آتش پرست

(مجوسی) تھے۔ یہ اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانے کے ایک بزرگ زرتشت کی طرف کر کے زرتشتی بھی کہلاتے تھے۔ زرتشت ایک کتاب یندراوستا کا حامل تھا۔ خدا جانے وہ کتاب کیسی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اصل کتاب تو صحیح ہو مگر بعد میں آنے والوں نے اُس میں تحریف کر دی ہو۔ تورات کے ساتھ بھی تو یہی معاملہ ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے مگر یہودیوں اور عیسائیوں نے اِن میں بے شمار خرابیاں پیدا کر کے کتاب کو مسخ کر دیا۔ اسی طرح ہندوؤں کی کتاب گیتا ہے جو رام چندر جی اور کرشن کی طرف منسوب ہیں۔ کہتے ہیں کہ گیتا میں توحید کا ذکر بھی تھا مگر بعد میں اس کے پیروکار شرک کی طرف مائل ہو گئے۔ لہٰذا وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوؤں کی کتابیں گیتا، منوسمرتی اور چار وید کی کوئی اصلیت بھی ہے یا نہیں۔ یہ پانچ چھ ہزار سال پرانی بات ہے لہٰذا ہم نہ تو ان کی تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب۔ اسی طرح مہاتما بدھ کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دہریہ تھا یا کسی مذہب کا پیروکار تھا۔ حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ لَا نُصَدِّقُهُمْ وَلَا نُكَذِّبُهُمْ ہم ان کی کتابوں کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تورات و انجیل اللہ کے پاک نبیوں موسیٰ علیہ السّلام اور عیسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوئیں مگر محرفین نے ان میں اس قدر تحریف کر دی ہے کہ تاریخی روایات کے مطابق صرف انجیل میں عیسائیوں نے تین ہزار غلط باتیں شامل کر دی ہیں۔ الغرض؛ سلمان فارسیؓ ایرانی النسل تھے اور ان کے آباء واجداد مجوسی تھے۔

سلمان فارسیؓ کا وطنِ مولوف

حضرت سلمان فارسیؓ نے خود بھی اپنے حالات بیان کیے ہیں جو مختلف روایات میں موجود ہیں یہ ایران کے صوبہ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ ان کے گاؤں کا نام جئی تھا جو قصبہ رام ہرمز کے قریب واقع تھا۔ اسی لیے آپ ہرمزی اور اصفہانی بھی کہلاتے ہیں۔ ان کا والد مجوسی اور گاؤں کا بڑا زمیندار اور سرکردہ آدمی تھا۔ اُس کو دینی اور

دنیاوی دونوں عہدے حاصل تھے۔ وہ گاؤں کا نمبردار ہونے کے علاوہ اپنے آتشکدہ کا انچارج بھی تھا۔ باپ اپنے اکلوتے بیٹے کی دینی اور دنیاوی لحاظ سے اچھی تربیت کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مقامی طور پر بیٹے کو مجوسیت کی تعلیم دلوائی اور اسے مجوسیت پر قائم رہنے کی اکثر تلقین کرتا رہتا۔

مجوسیت سے عیسائیت تک

ایک موقع ایسا آیا کہ باپ کو کھیتوں میں جا کر بھی کام کرنا تھا اور اُدھر مکان کی مرمّت بھی ضروری تھی۔ اُس نے سلمان رضؓ کو کھیتوں پر بھیج دیا اور خود مکان کی مرمت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بیٹا کھیت پر کام کرنے کے لیے جا رہا تھا کہ راستہ میں عیسائیوں کا گرجا تھا، وہ ان کی عبادت کا طریقہ دیکھنے کے لیے وہاں چلا گیا۔ اسے عیسائیوں کی عبادت کا طریقہ اچھا معلوم ہوا، لہٰذا وہ کچھ دیر کے لیے وہاں ٹھہرا رہا اور پھر آگے کھیتوں پر چلا گیا۔ واپسی پر دیر سے گھر پہنچا تو باپ نے وجہ دریافت کی۔ کہنے لگا کہ میں راستے میں عیسائیوں کے عبادت خانہ میں چلا گیا تھا جس کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے۔ باپ پہلے ہی اس کے مذہبی رجحانات پر مطمئن نہیں تھا لہٰذا اُسے تشویش پیدا ہو گئی کہ اس کا بیٹا عیسائیت سے متاثر ہو کر کہیں عیسائی ہی نہ ہو جائے۔ آخر باپ نے پوچھا کہ بیٹا! تم نے مجوسیت کے سائے میں پرورش پائی ہے اور عیسائیوں کا عبادت خانہ بھی دیکھا ہے، تمھیں کون سا مذہب اچھا معلوم ہوا ہے؟ بیٹے نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے تو عیسائیوں کا طریقہ بہتر محسوس ہوتا ہے۔ اس پر باپ ناراض ہو گیا، اس کو مارا پیٹا مگر وہ اپنے بدلے ہوئے نظریات پر قائم رہا۔ آخر باپ نے اُس کو پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر قید میں ڈال دیا۔ بیٹے نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح قید سے رہائی حاصل کر لے مگر وہ اس میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ بالآخر اُس نے کسی طریقہ سے عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ میں نے تمھارا مذہب پسند کیا ہے جس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہوں، اس سلسلے میں مدد کرو۔ عیسائی پادریوں نے

جوابی پیغام بھیجا کہ تمھارا باپ بڑا آدمی ہے، ہم اُس کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں البتہ ہم تمھیں مشورہ دیتے ہیں کہ تم یہاں سے شام چلے جاؤ، وہاں عیسائیت کے بڑے بڑے مراکز ہیں وہاں جاکر تم آزادی کے ساتھ عیسائیت کی تعلیم حاصل کرسکو گے۔ عیسائیوں نے یہ بھی کہا کہ شام کے تجارتی قافلے اکثر یہاں آتے رہتے ہیں جب ایسا کوئی قافلہ واپس جارہا ہوگا تو ہم تمھیں اطلاع دے دیں گے، تم قافلے میں شامل ہوکر شام پہنچ جانا۔

الغرض: ایسا ہی ایک مناسب موقع پاکر عیسائیوں نے سلمانؓ کو پیغام بھیجا کہ شام کا قافلہ فلاں روز واپس جارہا ہے، اگر تم چاہو تو ان کے ہم سفر بن سکتے ہو یہ پیغام پاکر سلمانؓ کسی طریقے سے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ کر آزاد ہونے میں کامیاب ہوگیا اور اس طرح قافلے کے ہمراہ ملک شام پہنچ گیا۔ وہاں جاکر اُس نے کسی بڑے عیسائی مبلغ کا پتہ چلایا اور اُس کے پاس پہنچ گیا۔ اُس کو اپنے حالات سے آگاہ کیا اور عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ کوئی عیسائیت کا بڑا مرکز ہوگا جہاں پہلے بھی طالب علم موجود ہوں گے، چنانچہ عیسائی راہب نے ان کو بھی اپنے مدرسہ میں داخل کرلیا اور یہ وہیں رہ کر تعلیم حاصل کرنے لگے۔

دورانِ قیام سلمانؓ نے محسوس کیا کہ یہ پادری کوئی دنیادار قسم کا آدمی ہے جو صدقہ خیرات کا مال بھی اپنے صندوقوں میں بند کرلیتا تھا اور وہاں رہنے والے درویشوں کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتا تھا کچھ عرصہ بعد وہ پادری مرگیا۔ اس کی جگہ جو دوسرا پادری مقرر ہوا وہ نسبتاً اچھا آدمی تھا، لہٰذا سلمانؓ اس کی خدمت کرتا رہا اور اس سے علم حاصل کرتا رہا۔ جب اس پادری کی موت کا وقت قریب آگیا تو سلمانؓ نے اپنے استاد سے کہا کہ آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں کہ میں آپ کے بعد کونسا راستہ اختیار کروں۔ اُس نے کہا کہ یہاں تو ہمارے مسلک کا کوئی صحیح آدمی موجود نہیں ہے سب دُنیادار ہیں۔ اگر تم اس مسلک کی صحیح تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہو تو عراق کے صوبہ موصل میں عیسائی مسلک کے اچھے لوگ ہیں، وہاں جاکر

بقیہ تعلیم حاصل کرلینا۔

سلمانؓ حسبِ ہدایت شام سے عراق چلے گئے۔ وہاں کسی بڑے پادری کے ہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آخر وہ بھی قریب المرگ ہوگیا تو سلمانؓ نے پوچھا، بابا! اب میرے لیے کیا مشورہ ہے، میں مزید تعلیم کس سے حاصل کروں؟ اس پادری نے کہا کہ یہاں اس علاقے میں تو کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم نصیبین چلے جاؤ، وہاں ہمارے مسلک کے صحیح آدمی موجود ہیں، یہ مقام بھی عراق ہی میں دریائے ہرماس کے کنارے پر آباد ہے۔ اس مشورے کے مطابق استاذ کی وفات کے بعد سلمانؓ نصیبین چلے گئے اور وہاں کے بڑے پادری سے علم حاصل کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اس پادری کا آخری وقت بھی آگیا، تو انھوں نے کہا کہ آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد میں کیا کروں؟ وہ آدمی کوئی سلیم الفطرت انسان تھا، عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا تھا، کہنے لگا کہ میرے بعد تمھیں یہاں کوئی اچھا معلم نہیں ملے گا، بہتر ہوگا کہ تم عموریا چلے جاؤ، وہاں تم اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکو گے، عموریا، ایشیائے کوچک میں ایک شہر تھا جو پہلے بازنطینیوں کے قبضے میں تھا اور پھر عباسیوں کے عہد میں معتصم باللہ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں نے فتح کرلیا تھا۔

نبی آخر الزّماں کی تین علامات

استاذ کی ہدایت کے مطابق سلمانؓ عموریا پہنچے اور وہاں کے بڑے پادری سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جب وہ پادری بھی زندگی کے آخری ایّام میں داخل ہوگیا تو انھوں نے پوچھا کہ آپکے بعد میں کیا کروں اور کس سے تعلیم حاصل کروں؟ پادری کہنے لگا کہ میرے بعد یہاں تو کوئی معقول آدمی مجھے نظر نہیں آتا، سب دنیا دار لوگ ہیں جو آپ کی تعلیم میں اضافہ نہیں کرسکیں گے۔ تاہم مجھے قرائن سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبی آخر الزمانؐ کا وقت قریب ہے اور اُس کا ظہور ہونے والا ہے۔ میں تمھیں

اُس آخری نبی کی علامات بتا دیتا ہوں، اگر تم اس کو پاسکو تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ اللہ کا وہ آخری نبی ملک عرب میں پیدا ہوگا، اس کی ہجرت کی سرزمین پتھریلی ہے جہاں کھجوروں کے باغات ہیں، وہ صدقہ نہیں کھائے گا بلکہ ہدیہ قبول کرلے گا۔ نیز اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ اگر تم سے ہوسکے تو میری وفات کے بعد اس سرزمین میں پہنچ جانا۔

غلامی کی خار زار وادی میں

وہ پادری تو یہ علامات بتلا کر فوت ہوگیا۔ اس دوران میں سلمان فارسیؓ نے کچھ کاروبار بھی کیا، مال جمع کیا، گائیں اور بھیڑ بکریاں پال لیں۔ اتفاق سے بنی کلب کا ایک تجارتی قافلہ وہاں آگیا، سلمانؓ نے اُس قافلے والوں سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ ملک عرب میں لے چلو۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی کچھ گائیں اور بھیڑ بکریاں بھی اہلِ قافلہ کو بطور ہدیہ پیش کردیں۔ سلمانؓ قافلہ کے لوگوں سے معلوم کرچکے تھے کہ ان کا ملک پتھریلا ہے اور وہاں کھجوروں کے درخت بھی بکثرت پائے جاتے ہیں لہٰذا ان کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ وہی سرزمین ہے جہاں اللہ کا آخری نبی آنے والا ہے۔ بہرحال آپ قافلے کے ساتھ چل پڑے مگر انھوں نے مکّہ مکرمہ کے راستہ میں (وادی القریٰ) پہنچ کر انھیں اپنا غلام ظاہر کیا، ان کی بقیہ بھیڑ بکریاں بھی چھین لیں اور اُنھیں منڈی میں لے جاکر فروخت کردیا۔

مدینہ طیبہ کے قریب یہودیوں کا ایک مشہور قبیلہ بنو قریظہ آباد تھا اُن ایّام میں اس قبیلے کے کچھ آدمی مکہ میں موجود تھے جنھوں نے سلمان فارسیؓ کو بنو کلب کے آدمیوں سے خرید لیا اور مدینہ لے آئے۔ جب آپ مدینہ پہنچے تو آپ کو معلوم ہُوا کہ اس سرزمین کی علامات پادری کی بتلائی ہُوئی علامات کے مطابق ہیں یہاں کی زمین پتھریلی ہے اور کھجوروں کے درخت بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اللہ کا آخری نبی یہیں وارد ہو۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ سلمان فارسیؓ یہودی کے باغ میں مصروفِ کار تھے

ان کا مالک بھی وہیں تھا۔ اتنے میں یہودی کا بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور اپنے باپ کو خبر دی کہ جس شخص نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آرہا ہے اور اس وقت قبا میں مقیم ہے سلمان فارسیؓ کو اپنی منزل مزید قریب آتی ہوئی نظر آئی۔ انھوں نے یہودی مالک سے اس شخص کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں مگر اس نے ڈانٹ دیا کہ تم اپنا کام کرو تمھیں ایسی چیزوں سے کیا واسطہ ہے؟ تاہم سلمان فارسیؓ کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ وہی شخصیت ہیں جن کو پانے کے لیے میں یہاں تک پہنچا ہوں چنانچہ کام سے فارغ ہو کر آپ قبا کے مقام پر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور پادری کی بتلائی ہوئی علامات کی تصدیق کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جو اسی روایت میں مذکور ہے۔

تصدیق علاماتِ نبوّت

سلمان فارسیؓ اللہ کے آخری نبی کے ظہور کی سرزمین کی علامات تو پہلے ہی دیکھ چکے تھے اب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دوسری علامت کی تصدیق کرنا چاہی کہ آپ صدقہ نہیں کھائیں گے اور ہدیہ قبول کر لیں گے چنانچہ جیسا کہ اس روایت میں پہلے بیان ہو چکا ہے سلمان فارسیؓ نے ایک دسترخوان پر تازہ کھجوریں رکھ کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے پوچھا، سلمان! یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہ آپؐ کے لیے اور آپ کے ساتھیوں کے لیے صدقہ ہے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اس کو اُٹھا لو کیونکہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ آگے آپ کتب احادیث میں صدقات کے باب میں پڑھیں گے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد مبارک[1] ہے: اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی محمد اور آلِ محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت تھی۔ چنانچہ صدقہ کی کھجوریں آپ نے خود نہیں کھائیں، البتہ دوسرے ساتھیوں نے کھا لیں۔

---

[1] مسلم ص۳۴۵ ج۱، دلائل بینہ موارد الظمآن ص۲۰۳ ان الصدقۃ لا تحل لآل محمد، مسند ابو یعلی الموصلی ص۱۳۲ ج۱۲ لا تحل الصدقۃ لآل محمد، موطا امام مالک ص۳۵ (فاضل)

پھر اگلے روز یا کسی دوسرے موقع پر سلمان فارسیؓ دوبارہ دسترخوان لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر سلمانؓ نے بتلایا کہ یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے جسے آپ نے صحابہؓ سمیت تناول فرمایا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ سلمان فارسیؓ نے جنگل سے کچھ لکڑیاں اکٹھی کیں، انھیں بازار میں فروخت کیا اور ایک درہم کا اونٹ کا گوشت خریدا، اسے پکایا اور پھر یہ سالن اور کچھ کھجوریں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیں۔ غرضیکہ سلمان فارسیؓ نے دوسری علامت کی بھی تصدیق کر لی کہ اللہ تعالیٰ کا آخری نبی صدقہ نہیں کھائے گا اور ہدیہ قبول کر لے گا۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

ہم عام طور پر یہ لفظ صَدَقَہ بولتے ہیں جس کا معنیٰ سخت ہوتا ہے۔ اصل میں یہ صَدَقَہ ہے جو کہ مالی عبادت ہے اور اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف جاتا ہے۔ صاحبِ حیثیت آدمی اپنی استطاعت کے مطابق غرباء و مساکین کی مالی امداد کرتا ہے جو کہ صدقہ کہلاتا ہے۔ زکوٰۃ جو کہ ہر صاحبِ نصاب پر فرض ہے، وہ بھی صدقہ ہی شمار ہوتی ہے، جیسا کہ زکوٰۃ کے مستحقین کے متعلق فرمایا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ .... الاٰیۃ (توبہ : ۶۰) یعنی زکوٰۃ کا مال فلاں فلاں مدّات میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ صدقہ خرچ کرنے والے کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے جو کہ ایک اچھی خصلت ہے اس کا مظاہرہ اگلے جہاں میں چل کر ہوگا جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تمھاری سچائی کی دلیل کیا ہے تو صدقہ سامنے آکر آدمی کی صداقت کی گواہی دے گا۔ صدقہ سے مقصود آخرت کا ثواب ہوتا ہے۔ صدقہ کرنے والا آدمی رحمدل ہوتا ہے جو غرباء و مساکین پر دستِ شفقت رکھتا ہے، اور صدقہ وصول کرنے والے میں عاجزی پائی جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ جن لوگوں سے

کر رکھا ہے ان میں وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ (احزاب : ۳۵) صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں بھی شامل ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد مبارک[1] بھی ہے اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنْ يَدِ السُّفْلٰى یعنی اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے مطلب یہ ہے کہ خیرات، صدقات دینے والا آدمی لینے والے شخص سے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف ہدیہ عام طور پر ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتا ہے جو کسی بزرگ کو خوش کرنے کے لیے یا کسی دوسرے شخص کے ساتھ مؤدت اور محبّت پیدا کرنے کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے اس میں آخرت کا ثواب مطلوب نہیں ہوتا۔ اسی بنیادی فرق کی بنا پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سلمان فارسیؓ سے ہدیہ تو قبول کر لیا مگر صدقہ قبول نہیں کیا۔

ہدیہ میں اشتراک کا مسئلہ یہاں پر یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ جب سلمان فارسیؓ صدقہ لے کر آئے تو عرض کیا کہ یہ آپ کے لیے اور آپ کے صحابہؓ کے لیے صدقہ ہے مگر آپ نے خود نہیں کھایا اور دیگر صحابہؓ نے کھا لیا۔ پھر جب دوسری دفعہ دسترخوان لے کر حاضر ہوئے تو عرض کیا، حضورؐ، یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے۔ اس دفعہ صحابہؓ کا نام نہیں لیا مگر آپ نے صحابہؓ سمیت وہ کھانا تناول فرمایا۔ یہیں سے ہدیہ میں اشتراک کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہدیہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے لیے تھا تو آپ نے حاضرین مجلس کو اس میں کیوں شریک کیا۔ اس میں صوفیائے کرام اور فقہائے عظام کے مسلک مختلف ہیں۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں[2] کہ کوئی شخص کسی بزرگ کے پاس ہدیہ لایا تو حاضرین مجلس میں سے کسی شخص نے کہا : اَلْهَدَايَا مُشْتَرِكَةٌ۔ یعنی ہدیہ تو تمام حاضرینِ مجلس کے لیے مشترک ہوتا ہے مگر اس بزرگ نے جواب دیا: اِنَّا لَا نُحِبُّ الْاِشْتِرَاكَ یعنی ہم تو شراکت کو پسند ہی نہیں کرتے۔ وہ آدمی سمجھا کہ یہ صاحب ہمیں کچھ دینا ہی نہیں چاہتے بلکہ سارا مال خود ہی رکھنا چاہتے ہیں

[1] دارمی ج۱ ص۳۲۶ و نسائی ج۱ ص۳۶۲ و مؤطا امام مالک ص۴۳۳ ؛ [2] جمع الوسائل ج۱ ص۹۸۔ (فیاض)

اس لیے فرمایا کہ ہم شراکت کو پسند نہیں کرتے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو سارے کا سارا مال لے جاؤ اور اس میں کسی دوسرے شخص کو شریک نہ کرو، کیونکہ ہمارا مسلک یہی ہے۔ کہتے ہیں کہ اُس شخص نے سارا مال خود حاصل کرنے کا فیصلہ کیا مگر مال اتنا زیادہ تھا کہ اکیلا اُٹھا بھی نہ سکا۔ چنانچہ اُس بزرگ نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ہدیہ کا مال اُس شخص کے گھر پہنچادیں۔ مطلب یہ ہے کہ صوفیاء کا مسلک یہ ہے کہ ہدیہ میں اشتراک نہیں ہے۔

اُدھر فقہائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ اگر ہدیہ میں کھانے پینے کی اشیاء ہوں تو اس میں اسوۂ حسنہ کے مطابق اشتراک موجود ہے اور اگر کوئی دوسری چیز درہم و دینار وغیرہ ہوں تو اس میں اشتراک نہیں ہے۔[1] امام ابو یوسفؒ کے پاس کوئی شخص نقدی کی صورت میں ہدیہ لایا۔ حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے کہہ دیا اَلْھَدَایَا مُشْتَرِکَۃٌ یعنی ہدیہ تو مشترک ہوتا ہے۔ امام صاحب حلّت و حرمت کے مسائل سے خوب واقف تھے۔ فرمایا اَلْھَدَایَا میں ال عہد کا ہے اور اس کا مورود الیہ طعام ہے۔ گویا اگر ہدیہ طعام کی صورت میں ہو، پھر تو اشتراک ہوتا ہے اور اگر ہدیہ درہم و دینار ہوں تو اُس میں اشتراک نہیں ہوتا۔

متفرق متعلقاتِ واقعہ

امام شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے مبشرات میں لکھا ہے کہ انھیں خواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے ان کو ایک روٹی عنایت فرمائی۔ کہتے ہیں اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آگئے، انھوں نے پوچھا، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کیا عطا فرمایا ہے؟ عرض کیا، ایک روٹی عطا کی ہے۔ حضرت صدیقؓ نے کہا کہ اس میں سے ایک ٹکڑا مجھے بھی دے دو۔ کہتے ہیں کہ میں نے دے دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ آئے۔ انھوں نے بھی ایک ایک ٹکڑے کا مطالبہ کیا، لہٰذا ان کو بھی دیا۔ پھر میں نے یہ بھی کہا کہ اگر میں ساری روٹی اسی طرح تقسیم کر دوں تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔ یہ تبرک مجھے

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عطا فرمایا ہے اس کا کچھ حصہ میرے پاس بھی رہنے دو۔ خیر یہ تو ایک اضافی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے سلمان فارسیؓ کا صدقہ تو قبول نہ کیا مگر ہدیہ قبول فرما لیا۔ اس حدیث میں مائدہ کا لفظ بھی آیا ہے جس کا ترجمہ ہم نے دسترخوان کیا ہے۔ دراصل مائدہ اُس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چُنا ہوا ہو اور اگر دسترخوان پر کھانا نہ رکھا گیا ہو تو اس کو خوان کہتے ہیں سلمان فارسیؓ نے دونوں دفعہ جو مائدہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا دسترخوان تھا جس پر کھانا رکھا ہوا تھا۔

بعض محدثین نے لکھا ہے کہ سلمان فارسیؓ بنو قریظہ کے یہودی کے پاس پہلی دفعہ بطور غلام نہیں آئے تھے بلکہ یہ کئی دفعہ بکتے بکاتے مکّہ تک پہنچے اور اس یہودی کے پاس ان کا دسواں یا سترھواں نمبر تھا۔

سلمان فارسیؓ کی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے پہلی ملاقات قبا کے مقام پر ہوئی جہاں آپ نے مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتے ہوئے چودہ دن قیام کیا تھا اور اس دوران اسلام کی سب سے پہلی مسجد بھی تعمیر کی تھی جو مسجد قبا کے نام سے موسوم ہے اور جس کے متعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ اس مسجد میں دو نفل ادا کرنے کا ثواب عمرہ ادا کرنے کے برابر ہے۔ یہاں سے مدینہ منورہ صرف اڑھائی میل کے فاصلہ پر ہے آپ جمعہ کے روز قبا سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ نے جمعہ کی نماز ادا کی، جہاں اب مسجد جمعہ کے نام سے ایک عالیشان مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

آپ نے پڑھا ہے کہ جب سلمان فارسیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلی دفعہ دسترخوان پیش کیا تو آپ نے سلمانؓ کا نام لے کر پوچھا یَا سَلْمَانُ مَا هٰذَا؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو سلمانؓ کا نام

کیسے معلوم ہوگیا تھا ؟ ہو سکتا ہے کہ یہ نام آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہو، یا حاضرینِ مجلس میں سے کسی جاننے والے نے اس نام کی نشاندہی کی ہو۔ بہرحال آپ عالم الغیب نہیں تھے۔ کیونکہ اس بات کی قرآنِ پاک میں بار بار نفی کی گئی ہے۔

مہرِ نبوّت کا مشاہدہ اور قبولِ اسلام

سلمان فارسیؓ عیسائی پادری کی بتائی ہوئی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی دو علامات کی تصدیق تو کر چکے تھے یعنی آپ کے ظہور کی سرزمین، نیز آپ کا صدقہ اور ہدیہ میں امتیاز کرنا۔ اب تیسری علامت کی تصدیق باقی تھی اور وہ تھی مہرِ نبوّت کا مشاہدہ۔ راوی بیان کرتے ہیں ثُمَّ نَظَرَ اِلَی الْخَاتَمِ عَلٰی ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ انھوں نے مُہرِ نبوّت کا مشاہدہ کیا جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دونوں کندھوں کے درمیان اُبھرے ہوئے گوشت کی صورت میں موجود تھی اور جس کی ساخت کو مختلف مثالوں کے ذریعے واضح کیا جا چکا ہے اس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کسی جنازے میں شرکت کے سلسلے میں جنت البقیع میں تشریف فرما تھے غالباً آپ کے کندھوں سے چادر مبارک اُتری ہوئی تھی اور سلمان فارسیؓ نے اس تیسری علامت کو بھی دیکھ لیا، آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرطِ محبّت میں مُہرِ نبوت کو فوراً چوم لیا۔ فَاٰمَنَ بِہٖ اور اسی وقت ایمان لے آئے یعنی اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں شامل ہو گئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کا واقعہ روایت کے اگلے حصے میں آ رہا ہے۔

(دوسرا حصہ)

حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ الْخُزَاعِيُّ .....
فَاٰمَنَ بِهٖ وَكَانَ لِلْيَهُوْدِ فَاشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا
عَلٰى اَنْ يَّغْرِسَ لَهُمْ نَخِيْلًا فَيَعْمَلَ سَلْمَانُ فِيْهِ
حَتّٰى تُطْعِمَ فَغَرَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ النَّخْلَ اِلَّا نَخْلَةً وَّاحِدَةً غَرَسَهَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةٌ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاْنُ هٰذِهِ
النَّخْلَةِ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا غَرَسْتُهَا فَنَزَعَهَا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَهَا فَحَمَلَتْ
مِنْ عَامِهٖ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۹)

ترجمہ:..... اور سلمان فارسیؓ یہودی کے غلام تھے، پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انھیں اتنے اتنے درہم میں خرید لیا (مکاتب بنالیا، اور دوسری شرط یہ بھی تھی کہ) سلمان فارسیؓ اپنے یہودی مالک کے لیے کھجور کے درخت لگائے گا اور ان پر کام کرتا رہے گا، یہاں تک وہ درخت پھل لانے لگیں۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود کھجور کے درخت لگائے سوائے ایک درخت کے جو کہ حضرت عمرؓ نے لگایا۔ پس وہ تمام درخت اسی سال پھل لائے سوائے ایک درخت کے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ اس درخت

نے پھل کیوں نہیں دیا؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کو میں نے لگایا تھا۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس درخت کو اکھاڑ کر دوبارہ لگا دیا، پس اس نے بھی اسی سال پھل دے دیا۔"

رابطِ دروس کل کے درس میں اس روایت کے حصّہ اوّل سے متعلق تفصیلات عرض کی تھیں جس میں حضرت سلمان فارسیؓ کے حالاتِ زندگی اور اُنکی مشکلات کا ذکر تھا جو انھیں اسلام لانے تک پیش آئیں۔ آپ نے ان تین علامات کا ازخود مشاہدہ کیا جو ایک عیسائی پادری نے نبی آخر الزمان کے متعلق بتلائی تھیں۔ پھر جب اُن کی تسلّی ہوگئی کہ یہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی پیشین گوئیاں کتبِ سابقہ میں موجود تھیں تو وہ فوراً ایمان لائے۔ سلمان فارسیؓ مجوسیت سے عیسائیت کی طرف اور پھر عیسائیت سے اسلام کی طرف جس طریقے سے آئے، وہ مَیں نے کل عرض کر دیا تھا۔ ان کی پیدائش ایران کے گاؤں جیٔ میں ہوئی جو صوبہ اصفہان میں واقع تھا۔ پھر ان کی وفات بھی ایران ہی کے شہر مدائن میں ہوئی جب کہ ایران مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوکر مرکزِ اسلام بن چکا تھا۔ آپ نے زندگی میں بے شمار نشیب وفراز دیکھے۔ اللہ نے آپ کو عمر بھی بڑی لمبی عطا فرمائی تھی جو کہ بعض روایات کے مطابق اڑھائی سو سال اور بعض کے مطابق ساڑھے تین سو سال تھی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ۱ھ میں اسلام قبول کیا اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ۳۵ھ میں وفات پائی۔

غلامی سے آزادی تک یہ تو گزشتہ درس میں بیان ہوچکا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ بنو قریظہ کے ایک یہودی کے غلام تھے انھوں نے حضور خاتم النّبیّین کو سابقہ کتب میں موجود ان کی نشانیوں سے پہچان لیا اور پھر

ایمان لے آئے۔ اب ان کی اگلی منزل غلامی سے آزادی اور اسلام میں پوری طرح داخل ہونا تھا۔ چنانچہ اس روایت کا دوسرا حصّہ اس طرح ہے۔ وَکَانَ لِلْیَھُوْدِ آپ یہودیوں کے غلام تھے۔ یہ مختلف مقامات پر بکتے بکاتے مکہ پہنچے اور پھر وہاں سے بنی قریظہ کا ایک یہودی آپ کو خرید کر مدینہ لے آیا۔ جب آپ نے اسلام قبول کر لیا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ان کی آزادی کی فکر لاحق ہوئی۔ یہاں الفاظ ہیں فَاشْتَرَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَذَا وَکَذَا دِرْھَمًا۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کو اتنے اتنے درہم کے عوض خرید لیا۔ اس روایت میں اِشْتَرَا کا لفظ ہے جس کا معنی خریدنا ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ مکاتبت تھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سلمان فارسیؓ کو مشورہ دیا کہ اپنے یہودی مالک سے مکاتبت کر لو یعنی اُس کو کچھ مال وغیرہ دے کر اُس سے آزادی حاصل کرنے کی بات کر لو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی یہی ہے۔ فَکَاتِبُوْھُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْھِمْ خَیْرًا۔ (النّور: ۳۳) اگر غلام سمجھدار اور باصلاحیت ہو تو اس کے ساتھ مکاتبت کر لو۔ چنانچہ سلمان فارسیؓ نے اپنے مالک سے بات چیت کی اور وہ مکاتبت پر راضی ہو گیا۔ اس مقصد کے لیے دو شرائط طے پائیں۔ ایک یہ کہ غلام اپنے مالک کو اتنی رقم دے اور دوسری یہ ہے کہ عَلٰی اَنْ یَّغْرِسَ لَھُمْ نَخِیْلًا وہ اپنے مالک کے کھیتوں میں کھجور کے (تین سو) درخت لگائے، پھر اُن کی دیکھ بھال کرتا رہے اور جب درخت پھل دینے لگیں تو غلام اپنے یہودی مالک سے آزاد ہو جائے گا۔

اتفاق سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس کچھ مال آگیا۔ آپ نے وہ مال سلمان فارسیؓ کو دیا تاکہ وہ مکاتبت میں اپنے یہودی مالک کو ادا کر دیں۔ دوسری روایت میں اس مال کی مقدار چالیس اوقیہ سونا تھی جو حضرت سلمانؓ کو نقدی کی صورت میں ادا کرنا تھی۔ بظاہر یہ مال کافی معلوم نہیں ہوتا تھا، اور حضرت سلمانؓ نے حضور کے سامنے اس بات کا اظہار بھی کیا مگر آپ نے فرمایا

کہ اسے لے جاؤ، اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے گا۔ چنانچہ آپ وہ مال لے گئے جو یہودی کو پیش کر دیا اور اس طرح آپ کی آزادی کی ایک شرط پوری ہوگئی۔

اب دوسری شرط یہ تھی کہ غلام اپنے مالک کے باغ میں کھجور کے تین سو درخت لگائے گا، پھل دینے تک اُن کی دیکھ بھال کرتا رہے گا اور جب وہ درخت پھل دینے لگیں گے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی روایت کے الفاظ ہیں عَلٰی اَنْ یَّغْرِسَ لَهُمْ نَخِیْلًا فَیَعْمَلَ سَلْمَانُ فِیْهِ حَتّٰی تُطْعِمَ کھجور کے درختوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض قسمیں ایسی ہیں کہ درخت بہت اُونچے چلے جاتے ہیں مگر زیادہ پھیلتے نہیں۔ ایسے درخت تو تیس پینتیس بلکہ بعض اوقات چالیس پچاس سال کے بعد پھل دینا شروع کرتے ہیں۔ البتہ بعض قسمیں چھوٹے قد والے درخت ہوتے ہیں جو زیادہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ اچھی قسم سمجھی جاتی ہے مگر ایسے درخت بھی چار پانچ سال سے کم عرصہ میں پھل دینا شروع نہیں کرتے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کے راستے میں ابھی لمبا عرصہ حائل تھا۔

اس مقصد کو کم از کم مدت میں حاصل کرنے کے لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ کام کیا کہ سلمان فارسیؓ کے درخت لگانے کی بجائے فَغَرَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود اپنے دستِ مبارک سے مطلوبہ تعداد میں درخت لگائے اِلَّا نَخْلَةً وَّاحِدَةً سوائے ایک درخت کے غَرَسَهَا عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ جسکو حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے گاڑھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا کہ تمام درخت لمبی مدت تک انتظار کرانے اور اُن پر کام کرانے کی بجائے اُسی سال پھل لے آئے۔ وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةٌ سوائے ایک درخت کے جو پھل نہ لایا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا شَانُ هٰذِهِ النَّخْلَةِ

بھائی! اس درخت نے پھل کیوں نہیں دیا؟ فَقَالَ عُمَرُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا غَرَسْتُھَا حضرت عمرؓ نے عرض کیا، حضور! یہ درخت آپ نے نہیں لگایا تھا بلکہ میں نے اپنے ہاتھ سے گاڑھا تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ اس نے پھل نہیں دیا۔ فَنَزَعَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَھَا۔ پس اللہ کے رسول نے اُس درخت کو اکھاڑا اور پھر اپنے ہاتھ سے دوبارہ لگا دیا — فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِہٖ۔ پس وہ درخت بھی اُسی سال پھل لے آیا اور اس طرح سلمان فارسیؓ مکاتبت کی دوسری شرط بھی پوری ہونے پر آزاد ہو گئے۔

یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا معجزہ تھا کہ سارے درخت ایک سال کے اندر اندر پھل دینے لگے۔ معجزہ غیر معمولی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ہاتھ پہ ظاہر کرتا ہے وگرنہ یہ کسی نبی کے بس میں نہیں ہے کہ جب چاہے کوئی معجزہ ظاہر کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (المؤمن : ۷۸) کسی رسول کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ از خود کوئی معجزہ ظاہر کر دے بلکہ یہ تو اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ولی کی کرامت بھی اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت سلمان فارسیؓ کی غلامی سے آزادی سے متعلق واقعات خود آپ نے بھی بیان کیے ہیں اور دوسرے صحابہؓ نے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ ان کو نقل کیا ہے۔

سلمان ابن الاسلامؓ

حضرت سلمان فارسیؓ کو اللہ تعالیٰ نے مجوسیت سے عیسائیت اور پھر بالآخر اسلام کی آغوش عاطفت میں پہنچا دیا، اس لیے یہ اسلام کی دولت حاصل ہونے پر بہت خوش تھے لہٰذا وہ اپنے آپ کو سلمان ابن الاسلام کہا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ اسلام اور ایمان ہی میرا سب کچھ ہے۔ آپ کا لقب سلمان الخیر، سلمان الحبر یا سلمان الحبر بھی تھا۔ حبر کا معنی عالم ہوتا ہے جس کی جمع اَحبار آتی ہے۔ چونکہ ان کو سابقہ کتابوں کا علم تھا جو انھوں نے مختلف عیسائی عالموں سے سیکھا تھا لہٰذا ان کے حبر ہونے میں بھی کوئی تردد نہیں ہے سلمان فارسیؓ

خود کہتے تھے :

اَبِی الْاِسْلَامُ لَا اَبَ لِیْ سِوَاہُ
اِذَا افْتَخَرُوْا بِقَیْسٍ اَوْ تَمِیْمٍ

"میرا باپ تو اسلام ہی ہے ، اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں ، لوگ جب قیس یا تمیم پر فخر کریں تو کرتے رہیں مجھے تو صرف اسلام پر ہی فخر ہے ۔"

مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی اپنے آپ کو عبید اللہ ابن الاسلام ہی کہا کرتے تھے۔ آپ کا تعلّق سکھ خاندان کے ساتھ تھا اور آپ کا پہلا نام بوٹا سنگھ ولد گلاب سنگھ تھا۔ ایک بہن بھی جیونی نامی تھی ۔ جب کوئی آپ کا حسب نسب پوچھنے پر اصرار کرتا تو کہتے عبید اللہ ابن الاسلام ابن ابی عائشہ۔ بس اتنا بتا دیتے ۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت سلمان فارسیؓ کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہ آپ کے خاص خدام میں سے تھے اور آپ کے پاس اکثر ان کا آنا جانا رہتا تھا۔ آپ فرماتے تھے[1]: سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ سلمانؓ تو ہمارے گھر کا آدمی ہے ۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ خانہ کا اتنا قرب حاصل تھا۔ سلمان فارسیؓ بڑے پرہیز گار آدمی تھے۔ آپ[2] کو بیت المال سے سالانہ پانچ ہزار درہم وظیفہ ملتا تھا جو سالے کا سارا غرباء و مساکین پر خرچ کر دیتے ۔ آپ پھل سبزی وغیرہ رکھنے والی ٹوکریاں بنا کر فروخت کرتے تھے اور اپنے ذاتی اخراجات اسی کمائی سے پورا کرتے تھے ۔

برصغیر میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ برصغیر کے وسیع علاقے کا بادشاہ تھا مگر بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بناتا اور قرآن پاک کی کتابت کر کے اُس سے گزر اوقات کرتا تھا۔ آپ کا خط بھی بہت اچھا تھا، اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآنِ پاک کا ایک

---

[1] الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۲۸۹ ، [2] المواہب اللدنیہ صفحہ ۳۹ (فیاض)

نسخہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بارہ سال خلافت کی مگر بیت المال سے
قطعاً کوئی وظیفہ وصول نہیں کیا، ان کا اپنا کاروبار تھا جس سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی
تھی۔ مہمانوں کی بڑی پُرتکلف دعوتیں کیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کا یہ کام
تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے اُسوہ کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتا، وہ تو
اتنی پُرتکلف دعوتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا اُن کا اُسوہ بجا مگر یہ سب کچھ میں اپنے ذاتی مال
سے کرتا ہوں، بیت المال سے کچھ نہیں لیتا۔

برّصغیر ہی میں ایک بادشاہ ناصر الدّین التمش گزرا ہے۔ وہ بھی کوئی خُدا پرست
انسان تھا جو بادشاہی میں فقیری کرنے کا مصداق تھا۔ ایک موقع پر بیوی نے کہا کہ چکّی پیستی
ہوں، کھانا پکاتی ہوں، گھر کے سارے کام خود کر کر کے تھک جاتی ہوں، کوئی خادمہ ہی
دے دیں۔ کہنے لگے "کیا یہ تمہارے لیے بہتر نہیں ہے کہ اللہ تمھیں اس محنت کا اجر آخرت
میں دے دے۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے مہمانوں کی خدمت
کیا کرو۔" وہ بے چاری خاموش ہو گئی۔ غرضیکہ دُنیا میں بہت کم لوگ ایسے گزرے ہیں
جن کو اللہ پر توکّل اور آخرت کی فکر ہوتی تھی ورنہ اقتدار پر قابض ہونے کے بعد تو سرکاری
رقوم ذاتی اغراض پر بے تحاشا خرچ ہوتی ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

الغرض سلمان فارسیؓ نہ صرف درویش منش انسان تھے بلکہ آپ بہت بڑے
مجاہد بھی تھے۔ آپ نے بعض جنگوں میں کمان بھی کی ہے۔ بڑے بڑے قلعے فتح کیے اور
آخر لمبی عمر پا کر فوت ہو گئے۔ ۵ھ میں جب غزوہ احزاب کی نوبت آئی تو آپ ہی کے
مشورہ سے مدینہ کے اردگرد خندق کھود کر شہر کا دفاع کیا گیا۔ آپ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
کو مشورہ دیا تھا کہ ہمارے ملک میں جب کوئی ایسا موقع آجاتا تھا تو ہم لوگ شہر کے اردگرد
خندق کھود کر اپنا دفاع کرتے تھے۔ آپ کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
نے اس کام پر ایک ہزار صحابہؓ کو مامور کیا جنھوں نے مدینہ کے تین اطراف میں خندق کھودی
اور چوتھی طرف دشمن کا خود مقابلہ کیا۔ دشمن کی تعداد تقریباً ۲۵ ہزار تھی جب کہ
مسلمانوں کے مجاہدوں کی تعداد صرف تین چار ہزار کے قریب تھی۔ دشمن نے ایک ماہ

شہر کا محاصرہ کیے رکھا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور بالآخر اُسے ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ بہر حال دفاع کا یہ طریقہ حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر ہی اختیار کیا گیا تھا۔

شمائل ترمذی

باب - ۲

حدیث - ۷

درس - ۱۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْوَضَّاحِ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَقِيْلِ الدَّوْرَقِيُّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ فَقَالَ كَانَ فِيْ ظَهْرِهٖ بَضْعَةٌ نَاشِزَةٌ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن بشار نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بشر بن وضاح نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعقیل دَوْرَقی نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت ابونضرۃ عوفی سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ابوسعید خدریؓ سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مُہر یعنی مہرِ نبوّت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا یہ حضور علیہ السّلام کی پُشت مُبارک میں گوشت کا ایک اُبھرا ہُوا لوتھڑا تھی۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ نے کہا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ کہ ہمارے پاس محمد بن بشار نے حدیث بیان کی اور انھوں نے یہ روایت بِشْرُ بْنُ الْوَضَّاحِ بشر[1] بن وضاح سے لی۔ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں۔ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَقِيْلِ الدَّوْرَقِيُّ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعقیل[2] دورقی نے خبر دی۔ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ ، اور انھوں نے یہ روایت ابونضرۃ عوفی[3] سے اخذ کی۔ یہ شیخین (بخاری و مسلم) کے بھی استاذ ہیں جنھوں نے

[1] ابوالہیثم بصری۔ [2] اسمہ بشیر۔ [3] انکا نام منذر بن مالک ہے۔ المتوفی ۱۰۸ یا ۱۰۹ھ (فیاض)

ان سے اکثر روایات نقل کی ہیں۔

مُہرِ نبوّت کا مشاہدہ

قَالَ سَأَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو سعید خدریؓ سے دریافت کیا: عَنْ خَاتِمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مُہر یعنی مہرِ نبوّت کے متعلق۔ فَقَالَ كَانَ فِيْ ظَهْرِهٖ بَضْعَةٌ نَاشِزَةٌ تو انھوں نے بتایا کہ یہ گوشت کا اُبھرا ہوا لوتھڑا تھا۔ نشوز نافرمانی کو بھی کہتے ہیں اور اس کا مادہ بھی وہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جسم کے ساتھ ملا ہُوا نہیں تھا بلکہ جسم کے باقی حصّے سے اُبھرا ہُوا تھا۔

مُہرِ نبوت کا مشاہدہ کرنے والے صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق اس کو مختلف اشیاء کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ کسی نے اس کو چکور کے انڈے سے اور کسی نے کبوتری کے انڈے جیسا بتلایا ہے کسی نے مسہری کی گھنڈی کے ساتھ اور کسی نے اس کو بند مُٹھی کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کسی نے چھوٹے سیب کے برابر قرار دیا اور اس روایت میں گوشت کے ٹکڑے کی طرح بتایا گیا ہے جو جسم سے اُبھرا ہُوا ہو۔ کسی صحابی نے قمیص کے نیچے ہاتھ لگا کر کہا کہ اس حصّہ پر بہت سے بال تھے۔ غرضیکہ جیسا کسی کی سمجھ میں آیا ویسا بیان کر دیا۔

سابقہ کتب کی شہادت

امام جلال الدّین سیوطیؒ کی تفسیر، حدیث، تاریخ اور مختلف علوم وفنون پر کم وبیش پانچ سو کتابیں ہیں جن میں سے تاریخ کی ایک کتاب حُسْنُ الْمُحَاضَرَةِ فِيْ اَحْوَالِ الْمِصْرِ وَ الْقَاهِرَةِ ہے جس میں مصر کی مکمل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب میں مسلمانوں کے ہاتھوں مصر کی فتح کے حالات بھی درج ہیں۔ اس کتاب میں آپ لکھتے ہیں[۲] کہ جب حضور

---

[۱] ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے المتوفی ۷۴ھ۔ [۲] حسن المحاضرة ص ۹۸/۱ (فیاض)

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے قاصد کو اسلام کی دعوت دے کر مقوقس والی مصر کے پاس بھیجا تو اُس نے آپ کے نامہ مبارک کی بڑی قدر کی اور آپ کی خدمت میں دیگر تحائف کے علاوہ دو لونڈیاں ماریہ قبطیہ اور سیرین نامی بھی بھیجیں۔ سیرین تو آپ نے حضرت حسّان بن ثابت رضؓ کو عطا کر دی اور ماریہ کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اس سے آپ کا بیٹا ابراہیم بھی پیدا ہوا۔

اُس موقع پر شاہ مقوقس نے اس بات کی گواہی دی تھی کہ سابقہ کتب میں پائی جانے والی علامات کے مطابق نبی آخر الزمان کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوّت ہو گی۔ اس نے آخری نبی کی دوسری نشانی یہ بتلائی تھی کہ وہ یَرْکَبُ الْحِمَارَ یعنی وہ گدھے جیسی معمولی سواری پر بھی سوار ہونے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرے گا نیز اللہ کا وہ نبی یَلْبَسُ الشَّمْلَۃَ معمولی چادر اوڑھنے میں بھی تکلف نہیں کرے گا۔

مہر نبوّت کے الفاظ بعض کہتے ہیں کہ اس مہر نبوّت پر کچھ الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے بعض کہتے ہیں کہ یہ الفاظ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھے اور بعض کہتے ہیں سِرْ فَاَنْتَ الْمَنْصُوْرُ کے الفاظ تھے مگر ایسی تمام روایات کمزور ہیں۔ مہر نبوّت کا جسم سے اُبھرا ہوا ہونا تو قطعی بات ہے جس کی شہادت سابقہ کتب میں بھی ملتی ہے حتّٰی کہ عموریا کے پادری نے یہ علامت سلمان فارسی رضؓ کو بھی بتلائی تھی اور شاہ مقوقس نے بھی اس کی شہادت دی تھی مگر الفاظ کے متعلق کوئی معتبر روایت موجود نہیں ہے۔

درس ۔ ۱۱　　　　حدیث ۔ ۸

حَدَّثَنَا اَبُوالْاَشْعَثِ اَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ الْبَصْرِيُّ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ نَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَدُرْتُ هٰكَذَا مِنْ خَلْفِهٖ فَعَرَفَ الَّذِيْ اُرِيْدُ فَاَلْقَى الرِّدَاۤءَ عَنْ ظَهْرِهٖ فَرَاَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلٰى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجُمْعِ حَوْلَهَا خِيْلَانٌ كَاَنَّهَا ثَآلِيْلُ فَرَجَعْتُ حَتّٰى اسْتَقْبَلْتُهٗ فَقُلْتُ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَلَكَ فَقَالَ الْقَوْمُ اَسْتَغْفَرَ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَلَكُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ: ”ہمارے پاس بیان کیا ابوالاشعث احمد بن مقدام عجلی بصری نے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی حماد بن زید نے عاصم الاحول کے حوالے سے ۔ انھوں نے یہ روایت اخذ کی عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے ، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا ، اور آپ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں تشریف فرما تھے ۔ میں اس طریقے سے آپ کے پیچھے گھومنے لگا ۔ آپ نے معلوم کر لیا کہ میں مُہر نبوّت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی لپشت مُبارک سے اپنی چادر ہٹا دی ۔ پس

میں نے مُہرِ نبوت کی جگہ کو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُٹھی کی طرح دیکھا جس کے چاروں طرف خال (تِل) تھے جو مسّوں کے برابر تھے۔ پھر میں حضورؐ کے سامنے آگیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالےٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے۔ پھر لوگوں نے مجھ سے پوچھا، کیا رسولُ اللہ نے تمہارے لیے دعائے مغفرت فرمائی ہے؟ میں نے کہا: ہاں اور تم سب کے لیے بھی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی !! آپ اپنی لغزشوں کی بھی معافی طلب کریں اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی "

سندِ حدیث حَدَّثَنَا اَبُو الْاَشْعَثِ اَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوالاشعث احمد بن مقدام (المتوفیٰ ۲۵۳ھ) نے بیان کیا۔ یہ صدوق راوی ہیں۔ امام بخاری اور امام نسائی نے بھی ان سے روایات اخذ کی ہیں۔ ان کا تعلق بنی عجل کے ساتھ تھا اس لیے اَلْعِجْلِیُّ کہلاتے تھے اور چونکہ بصرہ کے رہنے والے تھے، اس لیے اَلْبَصْرِیُّ کہلائے وہ کہتے ہیں اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ کہ ہمارے پاس حماد بن زید (المتوفیٰ ۱۷۹ھ) نے خبر دی یہ بھی بہت متقی اور ثقہ امام تھے۔ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ انھوں نے یہ روایت عاصم احول (المتوفیٰ ۱۴۱ھ یا ۱۴۲ھ) سے اخذ کی۔ احول ناقص آنکھ والے آدمی یعنی بھینگے کو کہتے ہیں مگر ان کے لیے یہ لفظ بطور تعارف آیا ہے نہ کہ بطور تحقیر۔ یہ مدائن کے قاضی رہے ہیں اور ان سے تمام صحاح ستّہ والوں نے روایات حاصل کی ہیں۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَرْجِسَ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن سرجسؓ سے حاصل کی جو صحابیِ رسول ہیں۔

مہرِ نبوّت کا مشاہدہ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ وَهُوَ فِي نَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ اور اس وقت آپ اپنے صحابہ کی جماعت میں تشریف فرما تھے۔ فَدُرْتُ هٰكَذَا مِنْ خَلْفِهٖ میں اس طریقے سے آپ کے پیچھے گھومنے لگا غالباً صحابی نے بالفعل چکر لگا کر دکھایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس طرح گھوما۔ فَعَرَفَ الَّذِي اُرِيْدُ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے اس طرح چکر کاٹنے کا مطلب جان لیا کہ میں مہر نبوت کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ فَاَلْقَى الرِّدَآءَ عَنْ ظَهْرِهٖ پس آپ نے اپنی چادر مبارک اپنی پشت مبارک سے ہٹا دی۔ فَرَاَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلٰى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجُمْعِ تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کی جگہ کو دیکھا جو کہ بندھی مٹھی کی طرح تھی۔ حَوْلَهَا خِيْلَانٌ اس کے اردگرد کچھ خال یعنی تل تھے جو کہ ابھرے ہوئے تھے كَاَنَّهَا ثَآلِيْلُ جیسا کہ مسّے ہوتے ہیں۔ انسان کے جسم پر تل عام طور پر سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں اور زیادہ ابھرے ہوئے نہیں ہوتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کے تل جسم سے ابھرے ہوئے تھے، سیاہ کی بجائے سرخ رنگ کے تھے جن کو مسّوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

دعائے استغفار

فَرَجَعْتُ حَتّٰى اسْتَقْبَلْتُهٗ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگیا۔ پہلے پُشت کی طرف تھے، اب پیچھے سے ہٹ کر آپ کے رُو برو آ گئے۔ کہتے ہیں کہ پھر فَقُلْتُ میں نے عرض کیا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ "اللہ تعالیٰ آپ کی کوتاہیوں کو معاف فرما دے، اے اللہ کے رسول!" غَفَرَ کا محاورہ عربوں کی اصطلاح میں شامل ہے۔ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے اللہ آپ کی مغفرت کرے۔ عرب لوگ اکثر یہ محاورہ وقتاً فوقتاً بولتے رہتے ہیں۔ یہ لفظ عزّت اور ترحم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

فَقَالَ وَلَكَ میرے اس جملے کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور تمہارے لیے بھی، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو بھی معاف فرمائے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر لوگوں کے پاس واپس آیا فَقَالَ

الْقَوْمُ تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا: اَسْتَغْفَرَ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا تمھارے لیے اللہ کے رسُول نے بخشش کی دُعا فرمائی تھی؟ فَقَالَ نَعَمْ میں نے جواب دیا "ہاں" اللہ کے رسُول نے میرے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی جو کہ بڑے شرف کی بات ہے۔ وَلَکُمْ۔ اور اے لوگو! تمھارے لیے بھی اللہ کے نبی نے دُعا فرمائی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (محمد: ۱۹) اے اللہ کے رسول! اپنے لیے بھی اپنے اللہ سے لغزشوں کی بخشش طلب کریں اور مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے لیے بھی۔ صحابی کا یہ آیت تلاوت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے نہ صرف میرے لیے استغفار کیا ہے بلکہ تم سب کے لیے بھی کیا ہے کیونکہ آپ کو اللہ کا یہی حکم ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا نبی تو ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے پاک ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲) کہ اللہ نے تمھارے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اپنے لیے اور دیگر مؤمنوں کے لیے استغفار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اسی آیت کا سہارا لے کر عیسائی لوگ خاص طور پر اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا نبی العیاذ باللہ گنہگار تھا۔ اس لیے اُسے بخشش طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ ہمارا نبی عیسیٰ علیہ السّلام بالکل پاک تھا اور پھر اُس نے خود سُولی پر لٹک کر ہم سب کو بھی بخشوا لیا ہے۔

اس نظریہ کی بنیاد محض تعصّب اور عناد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ذَنب میں ہر قسم کا صغیرہ، کبیرہ گناہ آتا ہے مگر اللہ کا نبی تو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے معصوم ہوتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گارنٹی حاصل ہوتی ہے اور اُس سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہونے دیا جاتا۔ البتہ چھوٹی موٹی خلافِ اولیٰ بات ہو جاتی ہے تو اس پر بھی اللہ کے نبی کو مغفرت کی دُعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس ذات کی تربیت نہایت اعلیٰ طریقے پر ہوئی ہو اور وہ ہو بھی عظیم المرتبت تو پھر ایسی ذات کی معمولی سے معمولی لغزش

پر بھی اللہ کی طرف سے سخت تنبیہ آجاتی ہے جس کے لیے دُعائے مغفرت کا حکم دیا گیا ہے اس کی مثال سورۃ عبس میں دیکھ لیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے نابینا[1] صحابی کی طرف ذراسی بے توجہی فرمائی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آگئی۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝ آپ کے پاس ایک مخلص مومن نابینا آیا تو آپ نے تُرش رو ہو کر اُس سے مُنہ پھیر لیا۔ فرمایا، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح تو اللہ کا دین اسلام ہی بدنام ہو جائیگا کہ اسلام اُمراء کا دین ہے جو غرباء اور معذوروں کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ فرمایا آپکا کام پیغام پہنچا دینا ہے جو نہیں سمجھتا اُسے چھوڑ دیں، ہم خود اس سے نپٹ لیں گے
الغرض! نبی کے لیے ذنب سے مراد اس قسم کی لغزش ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی[2] فرماتے ہیں کہ یہاں پر ذنب سے مُراد خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گناہ نہیں بلکہ آپکی جماعت کے گناہ مراد ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اللہ کے معصوم نبی بھی تھے اور ساتھ ساتھ خلیفۃ اللہ کی حیثیت بھی اُن کو حاصل تھی۔ جب کسی معاملہ میں اللہ کی طرف سے وحی نہیں آتی تھی تو آپ اللہ کے حکم وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران : ۱۵۹) کے مطابق صحابہؓ سے مشورہ فرمالیا کرتے تھے اس قسم کے مشورہ میں بعض اوقات خلافِ اولیٰ بات ہو جاتی تھی یا کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی جس پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے، یا جماعت المسلمین سے کوئی غلطی ہو جاتی تھی اور آپ بحیثیت امیر جماعت اُس غلطی میں شریک تصوّر ہوتے تھے تو ایسی غلطی پر معافی مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ تو عام بات ہے کہ جماعت کی فتح پر امیر کی فتح اور شکست پر امیر کی شکست تصوّر ہوتی ہے۔ اسی طرح جب پوری جماعت سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بحیثیت امیر چونکہ اُس میں شریک ہوتے تھے، اس لیے فرمایا کہ آپ اپنے لیے اور دیگر مؤمن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی اللہ سے بخشش طلب کریں۔

---

[1] عبداللہ ابن ام مکتومؓ (فیاض)
[2] جنگ انقلاب ص۔۔

(۳) بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ "باب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے بیان میں۔"

گزشتہ باب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ختم نبوّت کے بیان میں تھا جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان سُرخ رنگ کی بیضوی شکل کی ایک اُبھری ہُوئی گلٹی کی شکل میں تھی۔ اب یہ باب آپ کے سر کے بالوں کے ضمن میں ہے اور اس میں امام ترمذیؒ نے آٹھ روایات بیان کی ہیں جن میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں کے طول، مقدار اور کیفیت کا ذکر ہے۔

لفظ شَعَرَ یَشْعُرُ باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے۔ شَعْر اور شِعْر میں فرق ہے۔ شِعْر کی جمع اَشْعَار آتی ہے اور اس کا معنیٰ سمجھ، بوجھ یا شعور ہوتا ہے۔ شاعر کو شاعر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ایک قسم کا شعور ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ عام لوگوں کی نسبت کسی بات کو جلدی سمجھ جاتا ہے اور اس شعور کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ نے منافقوں کے متعلق فرمایا کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر محض زبانی ایمان لاکر اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں وَمَا یَشْعُرُوْنَ (البقرۃ: ۹) مگر وہ شعور نہیں رکھتے۔ بہرحال جب کوئی شاعر اپنے خصُوصی شعور کی بنا پر کوئی اچھا شعر پڑھتا ہے تو سامعین اس کو خوب داد دیتے ہیں اور اس سے وہ شعر بار بار پڑھنے کی درخواست کرتے ہیں۔

لفظ شَعْر کی جمع شَعَرَات آتی ہے اور اس کا معنیٰ بال ہے۔ تو یہ باب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سر کے بالوں سے متعلق ہے جسے امام ترمذیؒ نے اس کتاب میں باندھا ہے۔

درس - ۱۲　　　　　　حدیث - ۱

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نِصْفِ أُذُنَيْهِ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: ہمارے پاس علی بن حجر نے بیان کیا۔ ان کو اسمٰعیل بن ابراہیم نے حمید کے حوالے سے خبر دی۔ اور انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سر کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔

سندِ حدیث

امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ کہ ہمارے پاس علی بن حجر نے بیان کیا۔ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ اُن کو خبر دی اسمٰعیل بن ابراہیم نے۔ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں۔ عَنْ حُمَيْدٍ انھوں نے یہ روایت حمید سے اخذ کی جو کہ حمید طویل کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ یہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت بیان کرتے ہیں جو کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابی اور خادم ہیں۔ ان کا مفصّل تذکرہ پہلے باب میں آچکا ہے۔

سر کے بالوں کی طوالت

حضرت انسؓ کہتے ہیں قَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نِصْفِ أُذُنَيْهِ کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بال ایک امرِ اضافی ہے جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔
حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام [illegible]

آپ بال رکھتے تھے ۔ آپ کے بال مبارک عموماً کانوں تک طویل ہوتے تھے پھر جب کبھی حجامت بنوانے میں تاخیر ہو جاتی تو بال بڑھ کر گردن تک آجاتے اور اگر مزید تاخیر ہو جاتی تو بال کندھوں تک پہنچ جاتے ۔ آپ کے بالوں مبارک کی یہ مختلف کیفیت مختلف روایات میں پہلے باب میں بھی بیان ہو چکی ہے ۔ اس میں تعارض والی کوئی بات نہیں ہے ۔ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر بال کانوں کی لو تک پہنچیں تو یہ وَفرۃ کہلاتے ہیں، اگر گردن تک آجائیں تو لِمّہ اور اگر مزید بڑھ کر کندھوں تک آجائیں تو اس حالت کو جُمّہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔

شمائل ترمذی
باب ۔ ۳
درس ۔ ۱۲
حدیث ۔ ۲

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَّكَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ "ہمارے پاس بیان کیا ھناد بن سری نے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے خبر دی ۔ انھوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے اخذ کی اور انھوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ۔ انھوں نے یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لی ۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کر لیتے تھے اور آپ کے بال مبارک جُمّہ سے اوپر مگر وفرہ سے نیچے ہوتے تھے ۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ کہ ہمارے پاس ھناد بن سَرِی نے بیان کیا۔ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ ان کے پاس عبدالرحمٰن بن ابی زناد (المتوفی ۱۷۴ھ) نے خبر دی۔ یہ ثقہ ائمہ حدیث میں سے ہیں اور صدوق راوی ہیں ۔ امام بخاریؒ نے بھی اِن سے روایت اخذ کی ہے ۔ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عبدالرحمٰن کے استاد ہشام بن عروۃ (المتوفی ۱۴۷ھ) ہیں جو کہ مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے ہیں ۔ عروۃ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن اسماءؓ کے فرزند تھے ۔ ان کے بیٹے ہشام بھی بڑے پائے کے فقیہہ تھے۔

اُمّ المومنین سے اکثر روایات بیان کرنے والے عروۃ ہی ہیں۔ عَنْ اَبِیْہِ ہشام یہ روایت اپنے باپ عروۃ سے بیان کرتے ہیں۔ عَنْ عَآئِشَۃَ اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت بیان کرتے ہیں۔ عروۃ تو صحابی نہیں، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانے کے بعد پیدا ہوئے لہٰذا وہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

اُمّ المومنینؓ کی فضیلت

امّ المومنین حضرت عائشہ[1] صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفاۃ ۵۸ھ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سب سے کم عمر زوجہ ہیں۔ ان کو نو سال تک نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زوجیت اور رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ بہت بڑی فقیہہ، فصیحہ، بلیغہ، عالمہ، محدّثہ تھیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ازواجِ مطہراتؓ میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح ہی دوشیزگی کی حالت میں ہوا، جبکہ باقی تمام ازواجؓ بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ آپ بڑی شرف والی خاتون تھیں۔ فضیلت کے باب میں ان کا بہت ذکر آئے گا۔ یہ وہ خاتون ہیں جن کے ذریعے صحابہ کرامؓ کے بہت سے مسائل حل ہوتے تھے جب بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کسی مسئلہ میں پریشان ہو جاتے تھے تو پھر حضرت عائشہؓ کے پاس آکر علم حاصل کرتے تھے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ دین کا ایک بڑا حصّہ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کے ذریعے ہی پھیلا۔ انھوں نے بہت سے لوگوں کو تعلیم دی۔ آپ بڑی عابدہ، زاہدہ اور متّقیہ خاتون تھیں۔

ایک برتن سے غُسل

قَالَتْ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَآءٍ وَّاحِدٍ کہ میں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً یہ کہ پانی کا برتن تو ایک ہی ہوتا تھا مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور امّ المومنینؓ یکے بعد دیگرے اُسی برتن کے پانی سے غسل کرلیتے تھے۔ اس سے یہ مُراد

[1] ۹ سنہ نبوی میں ولادت ہوئی۔ (فیاض)

بھی ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی بیک وقت ایک ہی برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے
ایسی صورت میں ستر کا مسئلہ ضرور پیدا ہوتا ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ زوجین اکٹھا غسل کرنے
کے باوجود ستر کا خیال رکھتے تھے کیونکہ امّ المومنین رضؓ سے روایت صراحتاً منقول ہے کہ
باوجود تعلقات زناشوئی کے نہ تو میں نے کبھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اعضائے مستورہ
کو دیکھا ہے اور نہ ہی آپ نے میرے اعضائے مستورہ پر کبھی نظر ڈالی ہے ہو سکتا ہے کہ تہ بند
باندھ کر غسل کیا جاتا ہو یا دونوں کے درمیان میں کوئی ایسی آڑ ہو جس سے ستر قائم رہتا ہو
اگرچہ زوجین ایک دوسرے کے اعضائے مستورہ کو دیکھ سکتے ہیں اور اس میں گناہ نہیں ہے
مگر یہ انتہائی حیاداری کی علامت ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے اعضاء کو نہ دیکھیں۔
بہر حال شرعی مسئلہ اور حیاداری دو مختلف معاملات ہیں۔

فقہی آراء یہ مسئلہ فقہائے کرام اور محدّثینِ عظام کے درمیان زیرِ بحث رہا ہے کہ کیا
زوجین ایک ہی برتن میں موجود پانی سے بیک وقت غسل اور وضو کر سکتے
ہیں یا نہیں؟ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی ٹب میں پانی ہو اور اس سے مرد
اور عورت بیک وقت اکٹھے بیٹھ کر وضو یا غسل کر سکتے ہیں۔ نیز اس امر سے بھی اتفاق
ہے کہ ایک ہی پانی سے پہلے مرد وضو یا غسل کر لے اور پھر باقی ماندہ پانی سے عورت
کر لے۔ اس میں بھی کوئی قباحت نہیں بلکہ درست ہے تیسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی
ٹب سے پہلے عورت وضو یا غسل کرے اور باقی ماندہ پانی سے مرد کرے۔ بعض روایات
میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرے
امام احمدؒ اس کو جائز قرار نہیں دیتے جبکہ باقی تینوں[۱] ائمہ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ
اصحاب کہتے ہیں کہ ممانعت کی روایات کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت محتاط نہ ہو اور ٹب
وغیرہ میں ناپاک چھینٹوں کے شامل ہو جانے کا احتمال ہو تو پھر مرد کو عورت کے بچے
ہوئے پانی کو طہارت کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم اگر عورت محتاط ہے
تو پھر ایک ہی ٹب کے پانی سے پہلے وہ غسل یا وضو کر سکتی ہے اور بقیہ پانی سے
مرد طہارت حاصل کر سکتا ہے۔

---

[۱] امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ۔ حوالہ کے لیے حافظ ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد ص۳۱ میں لکھا ہے۔ (فیاض)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک

آگے اُم المومنین رضؓ کا بیان ہے وَکَانَ لَہٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّۃِ وَدُوْنَ الْوَفْرَۃِ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال مبارک جُمّہ یعنی گردن سے اُوپر اور وفرہ یعنی کانوں کی لَو سے نیچے ہوتے تھے پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ بالوں کی تین حالتیں معروف تھیں اگر بال کان کی لَو تک آتے تو وفرۃ کہلاتے، گردن تک آجاتے تو لِمّہ اور اگر کندھوں تک پہنچ جائیں تو جُمّہ کہلاتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال مبارک عام طور پر کانوں کی لَو سے نیچے اور کندھوں سے اُوپر یعنی لِمّہ کی حالت میں گردن تک طویل ہوتے تھے۔ بہر حال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال مختلف اوقات میں مختلف حالتوں میں ہوتے تھے۔ جب حجامت بنوالی تو چھوٹے ہو گئے اور جب دیر سے حجامت بنوائی تو لمبے ہو گئے۔

درس ۔ ۱۲　　　　حدیث ۔ ۳

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْ قَطَنٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس احمد بن منیع نے بیان کیا انکے پاس ابوقطن نے خبر دی اور اُن کے پاس شعبہ نے بیان کیا جنھوں نے ابو اسحٰق سے روایت اخذ کی اور اُنھوں نے براء بن عازبؓ صحابی رسول سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم درمیانہ قد تھے۔ آپ کے کندھے مبارکوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا اور آپکے بال مبارک کانوں کی لَو تک ہوتے تھے۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ اس حدیث کی سند اس طرح بیان کرتے ہیں: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد[1] بن منیع نے بیان کی۔ یہ ثقہ راوی ہیں اور ان کی اپنی بھی مسند کی ایک کتاب ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کے بھی شاگرد تھے۔ نہایت عبادت گزار آدمی تھے مشہور ہے کہ یہ ہر روز ایک دفعہ قرآن پاک کی تلاوت مکمل کرتے تھے اِنھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے بھی روایت نقل کی ہے۔ اور امام احمدؒ ان کے شاگرد ہیں۔ یہ بڑے پائے کے محدّث اور حافظ الحدیث تھے۔

اَخْبَرَنَا اَبُوْ قَطَنٍ انھوں نے یہ روایت ابوقطن[2] سے اخذ کی۔ یہ بھی صدوق راوی ہیں۔ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس شعبہ نے بیان کیا۔

---

[1] ابوجعفر البغوی المتوفی ۲۴۴ھ۔ [2] ان کا نام عمرو بن الہیثم الزبیدی ہے۔ (باقی)

عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ آگے انھوں نے یہ روایت ابواسحٰق سے اور انھوں نے عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ صحابی رسول حضرۃ براء بن عازبؓ سے نقل کیا ہے ان سب حضرات کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

قد اور بال مبارک

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا حضرت براءؓ بیان کرتے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم میانہ قد و قامت والے تھے۔ بُعَیْدَ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ آپ کے کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا یعنی کندھے مبارک کشادہ تھے۔ وَکَانَتْ جُمَّتُہٗ تَضْرِبُ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ اور آپ کے بال مبارک کانوں کی لوتک پہنچتے تھے۔ ان چیزوں کی تفصیل پہلے باب میں بھی بیان کی جاچکی ہے۔

درس - ۱۲　　　　حدیث - ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ (ترمذی مع شمائل ص۵۵)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا محمد بن بشار نے۔ اُن کے پاس خبر دی وہب بن جریر بن حازم نے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرے والد نے قتادہ کے حوالے سے بیان کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال مبارک کیسے تھے؟ انھوں نے کہا کہ آپ کے بال مبارک نہ تو شدید گھنگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے۔ آپ کے بال مبارک کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ ان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وہب بن جریر بن حازم (المتوفی ۲۰۶ھ) نے خبر دی۔ یہ بڑے پائے کے حافظ الحدیث اور محدّث تھے ــــ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرے باپ[1] نے قتادہ (المتولد ۶۰ھ والمتوفی ۱۱۷ھ) کے حوالے سے بیان کیا۔ قتادہ تابعین میں سے ہیں اور اپنے زمانے کے بڑے ائمہ میں سے تھے۔ کہتے ہیں[2] وُلِدَ اَكْمَهُ کہ یہ پیدائشی طور پر نابینا

[1] یعنی جریر جن کی کنیت ابو النضر ہے۔ المتوفی ۱۷۰ھ۔ [2] جمع الوسائل ص۷۷ ج۱ (فیاض)

قع - حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بال مُبارک ۴

قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کَیْفَ کَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کیسے تھے ؟ قَالَ لَمْ یَکُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ انھوں نے بتایا کہ آپ کے بال مبارک نہ تو شدید گھنگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے تھے یعنی اُن میں کسی قدر گھنگھریالہ پن پایا جاتا تھا۔ اس کا مفصّل ذکر پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ فرمایا کَانَ یَبْلُغُ شَعْرُہٗ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ آپ کے بال مبارک آپ کے کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے۔ بالوں کی اس طوالت کو وَفْرَہْ کا نام دیا گیا ہے۔

درس - ۱۲　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۵

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا مَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ - (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا محمد بن یحییٰ بن ابی عمر مکی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی سفیان بن عیینہ نے انھوں نے یہ روایت نقل کی ابن ابی نجیح سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت اخذ کی۔ مجاہد نے امِّ ہانی بنتِ ابی طالب سے روایت لی۔ وہ کہتی ہیں کہ ایک موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمارے پاس مکّہ مکرمہ تشریف لائے تو اس وقت آپ کے سر کے بالوں کی چار لٹیں تھیں۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن یحییٰ بن ابی عمر مکی (المتوفی ۲۵۸ھ) نے بیان کیا جو کہ ثقہ راوی ہیں۔ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ۔ انھوں نے اس روایت کی سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) کے حوالے سے خبر دی۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں اور ان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ انھوں نے یہ روایت ابن ابی نجیح (المتوفی ۱۳۱ھ) سے اخذ کی۔ ان کی ثقاہت کی توثیق امام احمدؒ نے بھی کی ہے۔ عَنْ مُجَاهِدٍ انھوں نے یہ روایت مجاہد کے حوالے سے بیان کی ہے جو کہ تابعین میں سے ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ثقہ راوی ہیں اور بڑے امام ہیں۔ آپ مفسرِ قرآن، محدّث اور پائے کے عالم تھے۔ تمام محدّثین نے انکی امانت کی تصدیق کی ہے مشہور ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تیس مرتبہ قرآن پاک کی تفسیر پڑھی تھی۔ بالآخر ۱۰۳ھ میں سجدے کی حالت میں ہی

دم دے دیا۔

چار لٹیں عَنْ اُمِّ ھَانِیٍٔ بِنْتِ اَبِیْ طَالِبٍ مجاہد نے یہ روایت اُمّ ہانی بنت ابی طالب سے نقل کی۔ یہ حضرت علیؓ کی بڑی ہمشیرہ اور قدیم الاسلام ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اکثر ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ جس رات آپ معراج پر تشریف لے گئے، انھی کے گھر راحت فرما رہے تھے۔ یہ مہاجرہ نہیں ہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد بھی مکّہ میں ہی مقیم رہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر اللہ نے منع فرما دیا کہ آپ صرف اُن چچازاد، خالہ زاد ماموں زاد سے نکاح کریں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ تو اُمّ ہانی کہتی ہیں

قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْنَا مَکَّۃَ قَدْ مَۃً کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مکہ تشریف لائے کسی موقع پر وَلَہٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ تو آپ کی چار لٹیں تھیں۔ غدائر مینڈھیوں کو کہتے ہیں جو گوندھی ہوئی نہ ہوں بلکہ بال ویسے ہی کھلے طور پر تقسیم شدہ ہوں۔ حضورؐ نے از خود کبھی بالوں کی لٹیں نہیں بنائیں بلکہ بعض اوقات قدرتی طور پر بال مبارک چار حصّوں میں تقسیم ہو جاتے تھے جنھیں لٹوں کا نام دیا گیا ہے۔ یہ غالباً عمرۃ القضا یا فتح مکّہ کے موقع کا ذکر ہے۔

---

[1] ان کا نام فاختہ یا عاتکہ یا ہند تھا۔ یہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئیں (وفیات)

درس - ۱۲　　　　حدیث - ۶

حَدَّثَنَا سُوَیْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَانَ اِلٰی اَنْصَافِ اُذُنَیْہِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا سوید بن نصر نے ۔ ان کے پاس بیان کیا عبداللہ بن مبارک نے انھوں نے یہ روایت معمر سے ، اور اُنھوں نے اخذ کی ثابت بنانی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک آپ کے نصف کانوں تک تھے ۔"

سند حدیث حَدَّثَنَا سُوَیْدُ بْنُ نَصْرٍ امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ روایت سوید بن نصر (المتوفی سنہ ۲۴۰ھ) سے نقل کی ہے۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَكِ اور اُنھوں نے یہ روایت عبداللہ بن مبارک (المتولد سنہ ۱۱۸ھ والمتوفی سنہ ۱۸۱ھ) سے اخذ کی ۔ محدثین کرام کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک بڑے پلئے کے ثقہ، حافظ الحدیث، عالم، فقیہہ، جوّاد اور عابد تھے ۔ آپ غزوات میں بھی شریک ہوتے تھے ۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے اُستاد ہیں ۔ غرضیکہ یہ عظیم المرتبت انسان تھے ۔

انھوں نے یہ روایت معمر (المتوفی سنہ ۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ) سے اور انھوں نے ثابت بنانی (المتوفی سنہ ۱۲۲ھ یا ۱۲۳ھ) سے اخذ کی ۔ ثابت بنانی نے یہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی رسول سے سُنی ۔ وہ کہتے تھے اَنَّ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَانَ اِلٰی اَنْصَافِ اُذُنَیْہِ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال مبارک آپ کے نصف، کانوں تک تھے ۔ عربوں کی اصطلاح میں اس حالت کے بالوں کو وفرہ کہتے ہیں ۔ اس کا ذکر اس باب کی پہلی حدیث میں بھی آچکا ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال مبارکوں کی طوالت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی تھی۔ لہٰذا جس حالت میں کسی صحابی نے آپ کو دیکھا، ویسا ہی بیان کردیا۔ کسی نے کانوں تک، کسی نے گردن تک اور کسی نے کندھوں تک ذکر کیا ہے۔

درس - ۱۲ حدیث - ۷

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْدِلُ شَعْرَهٗ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرِقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ وَكَانَ اَهْلُ الْكِتٰبِ يَسْدِلُوْنَ رُءُوْسَهُمْ وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتٰبِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ بِشَيْءٍ ثُمَّ فَرَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵ـ)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا سوید بن نصر نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی عبداللہ بن مبارک نے۔ انھوں نے یونس بن یزید سے اور انھوں نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ نے خبر دی، اور انھوں نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کو (بغیر مانگ نکالے) پیچھے ڈال دیتے تھے۔ مشرک لوگ تو بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ جبکہ اہلِ کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو پیچھے ڈال لیتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان چیزوں میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے جن میں آپ کو (بذریعہ وحی) کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا پھر آپ نے سر کے بالوں کو متفرق کرنا (مانگ نکالنا) شروع کر دیا۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سوید بن نصر نے یہ روایت بیان کی۔ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ

الْمُبَارَكِ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا۔ ان کا تذکرہ پچھلی روایت میں بھی ہو چکا ہے۔ عَنْ یُوْنُسَ بْنِ یَزِیْدَ انھوں نے یہ روایت یونس بن یزید (المتوفی ۱۵۲ھ یا ۱۵۹ھ یا ۱۶۰ھ) سے حاصل کی۔ عَنِ الزُّهْرِیِّ زہری کے حوالے سے اَخْبَرَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ (المتوفی ۹۸ھ یا ۹۹ھ) نے بیان کی۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔

بالوں میں مانگ

توحضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَسْدِلُ شَعْرَهٗ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بالوں کو بغیر مانگ نکالے پیچھے ڈال دیا کرتے تھے۔ سَدَلَ یَسْدِلُ کا لفظی معنیٰ پیچھے ڈالنا ہوتا ہے اور بالوں کو پیچھے کی طرف ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر مانگ نکالے سر کی پچھلی جانب ڈال لیا کرتے تھے اسکی وجہ یہ تھی۔ وَکَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَفْرِقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ کہ مشرک لوگ اس زمانے میں سر کے بالوں میں مانگ نکالا کرتے تھے۔ وَکَانَ اَهْلُ الْکِتٰبِ یَسْدِلُوْنَ رُءُوْسَهُمْ جبکہ اہلِ کتاب عام طور پر مانگ نہیں نکالتے تھے بلکہ بالوں کو پیچھے ڈال لیتے تھے۔ وَکَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْکِتٰبِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ فِیْهِ بِشَیْءٍ اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ایسے امور میں جن میں بذریعہ وحی کوئی حکم نہیں آتا تھا اہلِ کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے۔ اگرچہ یہودی بھی گئے گزرے تھے مگر اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے مشرکوں سے بہرحال بہتر تھے۔ چنانچہ آپ مشرکوں کے طریقے کے مطابق مانگ نہیں نکالا کرتے تھے پھر جب آپ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آگئے اور مشرکوں کا بہت حد تک قلع قمع ہوگیا۔ ثُمَّ فَرَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهٗ تو آپ نے سر کے بالوں میں مانگ نکالنا شروع کردی۔ یہ مشرکوں کی موافقت میں نہیں کیونکہ وہ تو مارے جاچکے تھے یا ملک بدر ہوچکے تھے، بلکہ اہلِ کتاب کی مخالفت میں ایسا کرنے لگے تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَافِعٍ الْمَكِّيِّ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا ضَفَائِرَ اَرْبَعٍ - (ترمذی مع شمائل ص ۵۷)

ترجمہ: ہمارے پاس محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن مہدی نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت ابراہیم بن نافع مکی سے نقل کی اور انھوں نے ابنِ ابی نجیح سے اخذ کی۔ وہ مجاہد سے روایت بیان کرتے ہیں اور انھوں نے اُمِّ ہانیؓ کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے۔ اُمِّ ہانیؓ کہتی ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ کی چار لٹیں تھیں۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ نے یہ روایت حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ محمد بن بشار کے حوالے سے نقل کی ہے جن کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن مہدی (المتولّد ۱۳۵ھ والمتوفیٰ ۱۹۸ھ) نے خبر دی۔ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَافِعٍ الْمَكِّيِّ انھوں نے ابراہیم بن نافع مکی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی۔ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ انھوں نے ابن ابی نجیح سے نقل کی ہے۔ عَنْ مُجَاهِدٍ وہ مجاہد سے بیان کرتے ہیں۔ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ اور اُن کا ذریعہ اطلاع حضور کی چچا زاد بہن اُمِّ ہانی ہیں۔ یہ سب راوی قابلِ قبول ہیں تو اُمِّ ہانی کہتی ہیں قَالَتْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا ضَفَائِرَ اَرْبَعٍ کہ مَیں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کی چار لٹیں بنی ہوئی تھیں۔

ضفیرۃ جمع ضفائر لِٹ کے معنوں میں آتا ہے۔ مینڈھی گوندھے ہوئے بالوں کی ہوتی ہے اور لِٹ کھلے بالوں کو کہتے ہیں جو بغیر گوندھے ہوئے مختلف حصّوں میں منقسم ہوں۔ تو اُمّ ہانی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بال مبارک اگرچہ کھلے تھے مگر چار حصّوں میں منقسم تھے۔ تقریباً یہی مضمون اس باب کی پانچویں حدیث میں اُمّ ہانی ہی کی زبان سے بیان ہو چکا ہے۔

---

(۴) بَابُ مَا جَآءَ فِی تَرَجُّلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کنگھی کرنے کے بیان میں۔

گزشتہ باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالوں کی کیفیت سے متعلق تھا۔ اب یہ باب آپ کے بالوں میں کنگھی کرنے سے متعلق ہے۔ یہ بھی شمائلِ نبویؐ کا ایک حصہ ہے۔ تَرَجَّلَ یا رَجَّلَ باب تفعیل اور باب تفعّل دونوں سے آتا ہے۔ تَرَجَّلَ کا معنیٰ پیدل چلنا بھی آتا ہے اور تَرْجِیْل کا معنیٰ کنگھی کرنا ہے۔ اس کو تسریح الشعر بھی کہتے ہیں۔ یعنی بالوں کو کنگھی پھیر کر سنوارنا۔ آگے اس کی تحدید بھی آرہی ہے کہ ہر وقت بالوں کے بناؤ سنگھار میں مصروف رہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ البتہ گاہے بگاہے بالوں کو ٹھیک ٹھاک کرنا مستحبات میں داخل ہے۔ بالوں میں بالکل کنگھی نہ کرکے ان کو میل کچیل سے بھر دینا بھی معیوب ہے۔ یہ ساری باتیں اس باب میں آئیں گی۔ رَجَّلَ کا ایک اور معنیٰ باندھنا بھی آتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے رَجَّلْتُ شَاۃً میں نے بکری کو باندھ دیا۔ بہرحال یہ مشترک لفظ ہے۔ جسکے کئی معانی آتے ہیں۔

شمائل ترمذی — باب - ۴

درس - ۱۳ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِیْسٰی حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے ۔ اُنکے پاس بیان کیا معن بن عیسیٰ نے ۔ اُن کے پاس بیان کیا مالک بن انس نے ہشام بن عروۃ کے حوالے سے اور انھوں نے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت بیان کی ۔ وہ کہتی ہیں کہ مَیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی پھیرتی تھی جب کہ مَیں حیض کی حالت میں ہوتی تھی ۔"

سندِ حدیث

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِیُّ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت بیان کی اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے۔ امام ترمذیؒ کے یہ استاذ نہایت مُتّقی آدمی تھے ۔ وہ کہتے ہیں حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِیْسٰی کہ ہمارے پاس معن بن عیسیٰ (المتوفی ۱۹۸ھ) نے بیان کیا ۔ یہ بھی بہت بڑے محدثین میں سے ہیں ۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ انھوں نے یہ روایت مالک بن انسؒ سے حاصل کی تھی جن کا حال آپ پہلے جان چکے ہیں ۔ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وہ روایت کرتے ہیں ہشام بن عروۃ سے ۔ ان کا مفصل حال بھی پہلے بیان ہوچکا ہے ۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ۔

بالوں میں کنگھی کرنا

قَالَتْ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں كُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کہ مَیں

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی پھیرا کرتی تھی ۔ وَأَنَا حَائِضٌ
اس حالت میں کہ میں حیض سے ہوتی ۔

اس روایت سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ۔ ایک یہ کہ سر میں کنگھی کرنا مستحب ہے اور یہ خدمت اپنی عورت سے لینا جبکہ وہ حالتِ حیض میں ہو ، یہ بھی درست ہے ۔ حیض کی حالت میں عورت سے صرف مباشرت حرام ہے ، باقی سب اُمور جائز ہیں ۔

شمائل ترمذی

باب ــ ۴

حدیث ــ ۲

درس ـ ۱۳

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ هُوَ الرَّقَاشِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دُهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ حَتّٰى كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا یوسف بن عیسیٰ نے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی وکیع نے۔ اُن کے پاس خبر دی ربیع بن صبیح نے یزید بن ابان رقاشی کے حوالے سے۔ وہ روایت بیان کرتے ہیں انس بن مالک رضؓ سے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک میں کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور داڑھی مبارک میں کنگھی کیا کرتے تھے اور سر مبارک پر اکثر کپڑا رکھتے تھے جو کہ تیلی کے کپڑے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى کہ ہمارے پاس یوسف بن عیسیٰ (المتوفی ۲۴۹ھ) نے بیان کیا۔ یہ ابن ماجہ کے سوا باقی تمام صحاح ستہ والوں کے اُستاذ ہیں جنھوں نے ان سے روایات نقل کی ہیں أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ وکیع بھی مشہور محدّث اور امام ہیں جن کا حال آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ أَخْبَرَنَا رَبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ انھوں نے ربیع بن صبیح (المتوفی ۱۶۰ھ یا ۱۷۰ھ) سے روایت لی ہے جو کہ لا بأس بہٖ یعنی قابلِ برداشت درجے کے راوی ہیں، تاہم ان میں کچھ ضعف بھی مانا جاتا ہے۔ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ وہ یزید بن ابان سے روایت کرتے ہیں هُوَ الرَّقَاشِيُّ جو کہ رقاشی ہیں۔ رقاشی ایک خاتون کا نام تھا جن کی طرف ان کی نسبت

ہے۔ یہ بڑے عابد، زاہد قسم کے آدمی تھے لیکن نسائی نے اس کو متروک کہا ہے اور امام احمد اور دارقطنی نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ یہ صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی سے روایت کرتے ہیں جو کہ مشہور و معروف صحابی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔

بالوں میں تیل لگانا اور کنگھی کرنا

قَالَ حضرت انس رض کہتے ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ دُھْنَ رَأْسِہٖ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کے بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے تھے۔ وَتَسْرِیْحَ لِحْیَتِہٖ اور داڑھی مبارک میں کنگھی کرتے تھے۔ وَیُکْثِرُ الْقِنَاعَ اور اکثر سر کو کپڑے یا رومال سے ڈھانپ کر رکھتے تھے۔ عرب کی گرم آب و ہوا میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ باہر نکلتے وقت سر پر کوئی رومال وغیرہ ڈال لیا جائے جس سے گردن تک کو ڈھانپ لے۔ اس طرح آدمی لُو لگنے (SUN STROKE) سے حتی الامکان بچ جاتا ہے۔ لُو لگنے سے انسان کے پٹھے ماؤف ہو جاتے ہیں اور اس کی موت واقع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سر مبارک میں تیل بھی بکثرت استعمال کرتے تھے اور پھر عام طور پر سر پر کپڑا وغیرہ بھی ڈالتے تھے۔ اس کپڑے کے متعلق راوی بیان کرتا ہے کہ کَاَنَّ ثَوْبَہٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ آپ کا سر پر ڈالنے والا کپڑا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی تیل نکالنے والے تیلی کا کپڑا ہو۔ تیلی کے کپڑے تیل کے کاروبار کی وجہ سے اکثر تیل سے آلودہ ہوتے ہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رومال کو تیلی کے کپڑے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

دوسری روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طَیِّبٌ، نَظِیْفٌ یُحِبُّ النَّظَافَۃَ انتہائی درجے کے صاف ستھرے تھے اور نظافت کو پسند فرماتے تھے مگر اس روایت میں ہے کہ آپ کا کپڑا تیلی کے کپڑے کی طرح تیل آلود یعنی میلا کچیلا ہوتا تھا۔ محدثین اس

اشکال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اوّل تو یہ روایت ہی ڈھیلی ڈھالی ہے کیونکہ اس کے بعض راوی متکلّم فیہ ہیں لہٰذا اس کو ضعیف روایت تسلیم کیا جاسکتا ہے اگر ایسا ہے تو پھر مزید جواب کی ضرورت ہی نہیں ہے اور اگر محدّثین کے وضع کردہ اصول کے مطابق اس روایت کو اس بنا پر تسلیم کر لیا جائے کہ اس کا راوی ضعیف ہے مگر وضّاع اور کذّاب نہیں ہے تو پھر اس کی توجیہہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سارے کپڑے میلے کچیلے نہیں ہوتے تھے بلکہ صرف سر پر ڈالنے کا رومال تیل آلود ہوتا تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں اور آپ کی مجموعی نظافت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پھر رومال بھی سارا تیل آلود نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف وہ حصّہ میلا ہو جاتا تھا جو سر کے اوپر والے حصّے میں آتا تھا اور نیچے لٹکنے والا حصّہ صاف ستھرا ہی ہوتا تھا۔

تیلی کے کپڑے کے ساتھ تشبیہہ کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ تیل لگنے سے رومال کی رنگت بدل کر تیل جیسی ہو جاتی تھی۔ تاہم اس کی طہارت و نظافت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔

شمائل ترمذی

باب - ۴

درس - ۱۴

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ إِذَا تَطَهَّرَ وَفِي تَرَجُّلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس ھناد بن سری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوالاحوص نے خبر دی ۔ انھوں نے یہ روایت اشعث بن ابی الشعثاء سے اور انھوں نے اپنے باپ سے بیان کی ہے ۔ وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت اخذ کی ہے آپ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے اپنی طہارت میں جب کہ آپ طہارت کرتے، اور کنگھی کرنے میں جب آپ بالوں میں کنگھی کرتے، اور جوتا پہننے میں جب آپ جوتا پہنتے ۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ لکھتے ہیں حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ کہ ہمارے پاس ھناد بن سری نے بیان کیا ۔ ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ ۔ انھوں نے یہ روایت ابوالاحوص[۱] سے لی تھی ۔ اس کی ثقاہت کی بھی توثیق کی گئی ہے ۔ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ ابوالاحوص نے یہ روایت اشعث بن ابی شعثاء (المتوفی ۱۲۵ھ) سے لی تھی ۔ عَنْ أَبِيهِ جنھوں نے اپنے باپ[۲] کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی ۔ عَنْ مَسْرُوقٍ انھوں نے امام مسروق (المتوفی ۶۳ھ)

[۱] ان کا نام سلام بن سلیم ہے المتوفی ۱۷۹ھ ۔ [۲] ان کا نام سلیم بن عامر ہے ۔ المتوفی ۸۲ھ (وفیات)

سے نقل کیا ہے۔ یہ صاحب بچپن میں بعض شر پسندوں کے ہاتھوں اغوار یا چوری ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا لقب مسروق مشہور ہو گیا جو آخر عمر تک قائم رہا یہ تابعین میں سے ہیں اور ام المؤمنین حضرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ دار اور شاگرد بھی ہیں۔ اپنے وقت کے یہ بہت بڑے امام اور عظیم المرتبت محدث ہوئے ہیں۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا۔ امام مسروق نے یہ روایت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے سُنی تھی۔

دائیں طرف کی فضیلت

قَالَتْ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اِنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیُحِبُّ التَّیَمُّنَ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے یہاں پر لفظ اِنْ شرطیہ نہیں ہے بلکہ نحو کی اصطلاح کے مطابق مخففہ من المثقلہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اِنْ کے بعد اگر لفظ مذکر ہو تو شان کی ضمیر اِنَّہٗ آتی ہے اور اگر مؤنث ہو تو قصہ کی ضمیر اِنَّھَا آتی ہے۔ اگر شان یا قصہ کی ضمیر ظاہر الفاظ میں نہ ہو تو اِنَّہٗ یا اِنَّھَا کی بجائے اِنْ کَانَ یا اِنْ کَانَتْ کے الفاظ لاتے ہیں تو اس روایت کے الفاظ اِنْ کَانَ بھی دراصل مذکر کی ضمیر اِنَّہٗ کا متبادل ہیں۔

اب جملے کا معنیٰ یہ ہوگا، تحقیق شان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البتہ دائیں طرف کو پسند کرتے تھے فِیْ طُھُوْرِہٖ اِذَا تَطَھَّرَ اپنی طہارت میں جب آپ طہارت فرماتے۔ وَفِیْ تَرَجُّلِہٖ اِذَا تَرَجَّلَ اور کنگھی پھیرتے ہیں جب آپ کنگھی پھیرتے۔ وَفِیْ اِنْتِعَالِہٖ اِذَا انْتَعَلَ اور جوتا پہننے میں جب آپ جوتا پہنتے۔

اصول یہ ہے کہ جس کام میں زینت اور شرافت ہو اسکے کرنے میں دایاں طرف مقدم ہوتا ہے اور جس کام میں یہ چیزیں نہیں ہیں ان میں بائیں طرف مقدم ہے۔ جیسے وضو کرتے وقت ہر ہر عضو پہلے دایاں اور پھر بایاں دھویا جائے، کپڑا پہنتے وقت، کنگھی کرتے وقت، جوتا پہنتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف۔ اس کے برخلاف کپڑا اتارتے وقت، جوتا اتارتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں عضو استعمال کرو اور پھر دایاں اور بیت الخلاء میں جانا ہو تو پہلے بایاں پاؤں داخل کرو اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں نکالو۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا اور ہمارے لیے بھی مستحب ہے۔

درس ۔ ۱۳ حدیث ۔ ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا محمد بن بشار نے، اُن کے پاس خبر دی یحییٰ بن سعید نے ہشام بن حسان کے حوالے سے ۔ انھوں نے روایت حسن بصری سے اور انھوں نے صحابی رسول عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کنگھی کرنے سے مگر وقفے وقفے سے ۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن بشار نے بیان کیا ۔ ان کے متعلق پہلے ذکر آچکا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی یحییٰ بن سعید (المتولد ۱۲۰ھ والمتوفی ۱۹۸ھ) نے ــــــ ان کے حالات بھی پہلے بیان ہو چکے ہیں ۔ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ انھوں نے یہ روایت ہشام بن حسان (المتوفی ۱۴۷ھ) سے نقل کی ہے ۔ یہ بھی ثقہ امام تھے ۔ انھوں نے یہ روایت عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ امام حسن بصریؒ[1] سے اخذ کی ۔ امام حسن بصری مشہور تابعی اور ثقہ امام ہیں ۔ یہ سیّدالتابعین کہلاتے تھے ۔ ۲۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ ان کو ایک سو تیس صحابہ کا تلمذ حاصل ہے ۔ آپ عظیم المرتبت مجتہد تھے جس کی وجہ سے آپ کو بڑا شرف حاصل ہوا ۔

متواتر کنگھی کرنے کی ممانعت عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ امام حسن بصری نے یہ روایت صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مغفلؓ

[1] آپ کا نام یسار تھا ۔ المتوفی ۱۱۰ھ ۔ (فیاض)

(المتوفی ۵۶ھ یا ۵۷ھ) سے سُنی تھی۔ قَالَ وہ کہتے ہیں۔ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر کنگھی کرنے سے منع فرمایا۔ غِبًّا کا معنیٰ درمیان میں وقفہ کرنا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر روز شیشہ کنگھی لے کر ہی نہ بیٹھے رہا کرو بلکہ درمیان میں وقفہ بھی کرلیا کرو، ویسے بھی ایک[1] اثر میں آتا ہے۔ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا وقفہ وقفہ سے ملاقات کیا کرو تاکہ تم میں محبت پیدا ہو۔ ہر روز کے آنے جانے میں وہ قدر نہیں رہتی کنگھی کرنے کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ باربار کنگھی کرنا تکلّف میں داخل ہے، لہٰذا درمیان میں وقفہ بھی کرلیا کرو۔

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ص۲۱ ج۲ ومسند ابوداؤد الطیالسی ص۳۳ والمعجم الاوسط للطبرانی ص۲۴۹ ج۲ والمعجم الصغیر للطبرانی ص۱۰۷ ج۱ (فیاض)

درس ـ ۱۳　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث ـ ۵

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ خَالِدٍ عَنْ اَبِي الْعَلَاءِ الْاَوْدِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۵۷۵)

ترجمہ: "ہمارے پاس حسن بن عرفہ نے بیان کیا۔ اُنکے پاس عبدالسّلام بن حرب نے بیان کیا۔ انھوں نے یزید بن ابی خالد سے اور انھوں نے ابوالعلاء اودی سے یہ روایت نقل کی۔ انھوں نے یہ روایت حمید بن عبدالرحمٰن سے اخذ کی اور انھوں نے نبی کریم علیہ السّلام کے ایک صحابی سے روایت سُنی کہ آپ گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ کہ ہمارے پاس حسن بن عرفہ نے یہ روایت بیان کی جو کہ صدوق راوی ہے۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ انھوں نے عبدالسّلام بن حرب (المتوفیٰ ۱۸۶ھ) سے نقل کیا۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ خَالِدٍ انھوں نے یہ روایت یزید بن ابی خالد (المتوفیٰ ۱۳۲ھ یا ۱۳۳ھ یا ۱۳۴ھ) سے اخذ کی۔ یہ ثقہ راوی اور عبادت گزار انسان تھے۔ عَنْ اَبِي الْعَلَاءِ الْاَوْدِيِّ وہ ابوالعلاء[1] اودی سے نقل کرتے ہیں۔ اود ان کے دادا کا نام تھا جس کی طرف نسبت کرکے اودی کہلاتے تھے۔ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ (المتوفیٰ ۹۵ھ) یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انھوں نے یہ روایت

[1] ان کا نام داؤد بن عبداللہ دمشقی ...

ایک صحابیؓ رسول سے سُنی تھی۔ چونکہ یہاں پر صحابی کا نام نہیں ہے لہٰذا ایسی روایت عموماً مجہول کی روایت شمار ہوتی ہے۔ اس ضمن میں محدثین کا اصُول یہ ہے کہ اگر صحابہ سے نیچے والا کوئی راوی مجہول ہو تو وہ بلاشبہ مجہول سمجھا جائے گا اور اگر روایت کسی صحابی سے منقول ہے تو یہ ثقہ تصوّر ہوگی، کیونکہ رسول اللہ کے کسی صحابی سے غلط بیانی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی اصول کے مطابق اگرچہ صحابی رسول مجہول ہے مگر روایت ثقہ تسلیم کی جائے گی۔

گاہے گاہے کنگھی کرنا

تو یہ صحابی رسول کہتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَرَجَّلُ غِبًّا یعنی حضور علیہ السّلام گاہے گاہے بالوں میں کنگھی کیا کرتے تھے۔ یہی مضمون پچھلی روایت میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ ابنِ عربیؒ بھی کہتے ہیں کہ مسلسل کنگھی پھیرنا تصنع اور بناوٹ ہے اور تکلّف میں داخل ہے۔ وَتَرْکُہٗ تَدَنُّسٌ اور کنگھی کا بالکل نہ پھیرنا بھی میل کچیل جمع ہونے کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا سنّت طریقہ یہی ہے کہ ہر روز کنگھی کرنے کی بجائے درمیان میں وقفہ بھی کیا جائے۔ یہی فعل مستحبات کے درجے میں آتا ہے۔

لہ حکم بن عمرؓ یا عبداللہ بن مغفّلؓ یا عبداللہ بن سرجسؓ ہیں۔ (فیاض)

(۵) بَابُ مَا جَآءَ فِيْ شَيْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سفید بال آجانے کے بیان میں"

اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ آیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سر اور داڑھی مبارک کے بالوں میں سفیدی آئی تھی یا نہیں؟ اور اگر آئی تھی تو کس قدر؟ اس باب میں امام ترمذیؒ آٹھ احادیث لائے ہیں۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۵

درس ۔ ۱۴ — حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ اِنَّمَا كَانَ شَيْبًا فِيْ صُدْغَيْهِ وَلٰكِنْ اَبُوْبَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّآءِ وَالْكَتَمِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵)

ترجمہ: ہمارے سامنے محمد بن بشار نے بیان کیا۔ اُن کے پاس ابو داؤد نے خبر دی ـــــ انھوں نے ہمام سے اور ہمام نے قتادہ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا، کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خضاب کیا کرتے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ اس بات کی نوبت ہی نہیں آئی۔ کیونکہ آپ کی صرف کنپٹیوں پر کچھ سفیدی آئی تھی۔ البتہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

رضی اللہ عنہ مہندی اور کتم کے ساتھ خضاب کیا کرتے تھے۔"

سند حدیث امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ کہ یہ روایت ہمارے پاس محمد بن بشار نے بیان کی۔ اس راوی کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے

اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوُدَ ان کے پاس خبر دی ابوداؤد نے۔ یہ صحاح ستہ والے ابوداؤد نہیں بلکہ یہ ابوداؤد طیالسی[1] (المتوفی ۲۰۴ھ) کہلاتے تھے۔ یہ بڑے ثقہ امام تھے اور بخاریؒ اور مسلمؒ کے بھی استاذ ہیں۔ ان کی اپنی حدیث کی کتاب "مسند ابوداؤد طیالسی" موجود ہے جو کہ صحیحین کے پائے کی نہیں بلکہ کمزور ہے۔ صحاح ستہ میں شامل کتاب "ابوداؤد" سے بھی کم درجہ کی کتاب ہے۔ تاہم یہ خود بڑے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اُمّت میں ان کا مرتبہ امام دارمیؒ کے برابر ہے۔

اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ ابوداؤد طیالسی کے استاذ ہمام (المتوفی ۱۶۴ھ) ہیں۔ یہ بھی اونچے درجے کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ عَنْ قَتَادَةَ انھوں نے یہ روایت قتادہ سے اخذ کی۔ یہ بھی بہت بڑے مفسر اور محدث ہیں اور تابعین میں سے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خضاب لگانا قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول اور آپ کے خادم حضرت انس بن مالکؓ سے دریافت کیا، هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کیا کرتے تھے یعنی اپنے بالوں کو مہندی یا وسمہ لگایا کرتے تھے یا نہیں۔ یہ لفظ خَضَبَ يَخْضِبُ خِضَابًا ہے جس کا معنیٰ بالوں کو رنگ دینا ہوتا ہے۔ سفید بالوں کو رنگ دینے کو خضاب کرنا کہتے ہیں۔ خضاب کرنے کا رواج پرانے زمانے میں بھی تھا اور آج بھی ہے۔ پہلے دور میں تو لوگ عام طور پر مہندی یا وسمہ کے ساتھ خضاب کیا کرتے تھے جیسا کہ اسی روایت میں آگے ذکر آرہا ہے کہ اُس زمانے میں کتم نامی ایک بوٹی سے بھی خضاب کیا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں تو کئی قسم کے خضاب نکل آئے ہیں جن کے ساتھ بالوں کو رنگا جاتا ہے۔

---

[1] سلیمان بن داؤد بن الجارود الفارسی البصری الشہیر بابی داؤد الطیالسیؒ۔ (فیاض)

بہر حال حضرت قتادہ نے حضرت انسؓ سے حضور کے خضاب کرنے سے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا قَالَ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب لگانے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ اِنَّمَا كَانَ شَيْئًا فِي صُدْغَيْهِ خضاب کے قابل کچھ سفید بال آپ کی صرف دونوں کنپٹیوں پر آئے تھے جن پر خضاب کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اگلی روایت میں آرہا ہے کہ یہ بھی چند گنے چُنے سفید بال تھے کہ جب آپ بالوں میں تیل لگاتے تو وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ البتہ حضرت انسؓ کہتے ہیں وَلٰكِنْ اَبُوْ بَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہندی اور کتم کے ساتھ بالوں کو خضاب کیا ہے۔ مہندی تو ایک معروف چیز ہے جو ہاتھوں یا بالوں کو سُرخ بنا دیتی ہے۔ البتہ کتم ایک ایسی بُوٹی ہے جس کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اگر مہندی کے ساتھ ملا کر لگائی جائے تو بالوں کا رنگ قدرے سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ مہندی اور کتم یا دونوں کے مرکب سے تیار ہونے والا خضاب دُرست ہے۔ البتہ بالکل سیاہ خضاب کی مُمانعت آئی ہے۔ ابوداؤد، شامی اور طحاوی خالص سیاہ رنگ کو مکروہ تحریمی میں شمار کرتے ہیں۔ البتہ سرخ یا نیلا، پیلا رنگوں سے اکثر بزرگانِ دین نے خضاب کیا ہے جو کہ جائز ہے۔

شمائل ترمذی　　　　باب - ۵
درس - ۱۴　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَيَحْيَى بْنُ مُوْسٰى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا عَدَدْتُ فِيْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتِهٖ اِلَّا اَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ۔

(ترمذی مع شمائل صہ ۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس اسحٰق بن منصور اور یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے یہ روایت بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ثابت سے اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سر مبارک اور داڑھی مبارک کے سفید بالوں کو چودہ سے زیادہ شمار نہیں کیا۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسحٰق بن منصور (المتوفی ۲۵۱ھ) نے بیان کی۔ وَيَحْيَى بْنُ مُوْسٰى اور یحییٰ بن موسیٰ (المتوفی ۲۴۰ھ) نے بھی۔ یہ دونوں راوی اس روایت کو بیان کرتے ہیں۔ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں۔ ان سے متعدد محدّثین نے روایات اخذ کی ہیں قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالرزاق (المتولد ۱۲۶ھ والمتوفی ۲۱۱ھ) نے بیان کی۔ یہ عبدالرزاق ابنِ ہمام ہیں جن سے تمام صحاح ستّہ والوں نے احادیث نقل کی ہیں۔ عَنْ مَعْمَرٍ انھوں نے یہ روایت معمر بن راشد سے حاصل کی۔ عَنْ ثَابِتٍ ان کے استاذ ثابت البنانی ہیں۔ اور انھوں نے یہ روایت عَنْ اَنَسٍ حضرت انس بن مالکؓ صحابیٔ رسول سے سُنی تھی۔

سفید بالوں کی تعداد

قَالَ مَا عَدَدْتُ فِیْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلِحْیَتِہٖ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں سفید بالوں کو شمار نہیں کیا تھا اِلَّا اَرْبَعَ عَشْرَۃَ شَعْرَۃً بَیْضَآءَ مگر چودہ سفید بال، مطلب یہ ہے کہ میرے شمار کے مطابق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سر اور داڑھی مبارک میں سفید بالوں کی تعداد چودہ سے زیادہ نہیں تھی ۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْ دَاؤُدَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يُسْئَلُ عَنْ شَيْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا ادَّهَنَ رَاْسَهٗ لَمْ يُرَ مِنْهُ شَيْبٌ وَاِذَا لَمْ يَدَّهِنْ رُءِيَ مِنْهُ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: ہمارے پاس محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، اُن کے پاس ابوداؤد نے اور اُن کو خبر دی شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے، وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرۃ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کے متعلق کسی نے سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ جب آپ تیل کا استعمال کرتے تھے تو آپ کے سفید بال نظر نہیں آتے تھے۔ اور جب آپ بالوں میں تیل نہیں لگاتے تھے تو پھر اُن میں کچھ سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔"

سند حدیث

امام ترمذیؒ کہتے ہیں۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں اَخْبَرَنَا اَبُوْ دَاؤُدَ کہ ہم نے یہ روایت ابوداؤد سے حاصل کی۔ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ ان کو شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے خبر دی۔

بالوں کی سفیدی

قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ يُسْئَلُ عَنْ شَيْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ کسی شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفید بالوں کے متعلق پوچھا۔ فَقَالَ تو انھوں نے جواب دیا۔ كَانَ اِذَا ادَّهَنَ رَاْسَهٗ لَمْ يُرَ مِنْهُ شَيْبٌ جب کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام بالوں میں تیل لگا لیتے تو بالوں میں چمک آجانے کی وجہ سے بالوں کی سفیدی نظر نہیں آتی تھی۔ وَإِذْ لَمْ يَدَّهِنَّ رُئِيَ مِنْهُ ــــــــ، اور جب آپ تیل استعمال نہیں کرتے تھے تو کچھ سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے سفید بالوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ محض تیل لگانے سے ہی وہ نظر آنا بند ہو جاتے تھے یعنی بالوں کی سفیدی تیل لگانے کی وجہ سے مدہم پڑ جاتی تھی۔

دھن مجرد اور باب افتعال دونوں سے استعمال ہوتا ہے۔

باب ۔ ۵
حدیث ۔ ۴

شمائل ترمذی
درس ۔ ۱۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْوَلِيْدِ الْكِنْدِيُّ الْكُوْفِيُّ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِّنْ عِشْرِيْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ:" ہمارے پاس بیان کیا محمد بن عمر بن ولید کِندی کوفی نے، اُن کو خبر دی یحیٰی بن آدم نے شریک کے حوالے سے، اُن کو یہ روایت عبید اللہ بن عمر سے پہنچی جنھوں نے یہ روایت نافع سے اخذ کی اور نافع نے (عبداللہ) بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی ایسی تھی کہ تقریباً کل بیس بال سفید تھے۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْوَلِيْدِ الْكِنْدِيُّ الْكُوْفِيُّ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن عمر بن ولید کِندی، کوفی (المتوفی ۲۵۶ھ) نے بیان کیا۔ کِندہ شہر کوفے کے ایک محلّے کا نام تھا جہاں یہ صاحب رہتے تھے۔ اس لیے کِندی اور کوفی کہلاتے تھے۔ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یحیٰی بن آدم (المتوفی ۲۰۳ھ) نے اس روایت سے متعلق خبر دی۔ یہ صاحب راویان کے طبقے کے لحاظ سے اُونچے درجے کے راوی ہیں۔ آپ ثقہ راوی اور محدّث ہیں اور کتاب الاموال (اسلام کا اقتصادی نظام) جیسی اہم کتاب کے مصنّف ہیں۔ اسلام کے اقتصادی نظام پر امام ابو یوسفؒ، عبید اللہ بن سلام اور یحیٰی بن آدم نے بیش قیمت کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتب میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کن کن

مّدات سے مال کمانے کی اور کن کن مّدات میں خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ان میں سے عبیداللہ بن سلام کی ایک مفصّل کتاب ہے اس کے علاوہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب زیادہ اہم ہے پھر تیسرے نمبر پر یحییٰ بن آدم کی کتاب الاموال ہے جو کہ نسبتاً ایک چھوٹی کتاب ہے مگر ثقہ ہے، اس میں تمام صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ویسے تو ہر کتاب حدیث میں کتاب الاموال کا باب موجود ہے تاہم مستقل کتاب کی صورت میں مذکورہ تین بزرگوں نے بڑی عرق ریزی کی ہے۔

عَنْ شَرِيْكٍ یحییٰ بن آدم نے یہ روایت شریک (المتوفی ۲۳۰ھ) سے اخذ کی۔ یہ بھی ثقہ راوی اور قاضی تھے عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ انھوں نے یہ روایت عبیداللہ بن عمر (المتوفی ۱۴۴ھ یا ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ) سے لی۔ عَنْ نَافِعٍ انھوں نے نافع (المتوفی ۱۱۷ھ یا ۱۱۹ھ) سے، عَنِ ابْنِ عُمَرَ اور انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے اس کو نقل کیا۔

سند پر اعتراض اس روایت کی سند میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں پر اس روایت کے اوّلین راوی عبداللہ بن عمرؓ کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ ثانی کے مشہور و معروف بیٹے تو عبداللہ (المتوفی ۷۴ھ) ہی ہیں جو اپنے وقت کے پائے کے محدّث، فقیہ اور مخیرؓ تھے۔ آپ کے دوسرے بیٹے کا نام عاصمؓ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ روایت حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے عبداللہؓ سے نہیں بلکہ عاصمؓ سے منقول ہے۔ ان کا سلسلہ نسب عبداللہ بن عمر بن حوص بن عاصم بن عمر بن الخطابؓ ہے۔ یہ نیچے والے عبداللہ بن عمر وہ نہیں ہیں۔ جو عمر بن الخطاب کے بیٹے ہیں بلکہ حوص کے بیٹے ہیں جو آپ ہی کی نسل سے ہیں۔ راویوں میں بعض اوقات ایسی ہی مشابہت کی بنا پر غلط فہمی ہو جاتی ہے لہٰذا ایسی باتوں کی زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیے۔ بہرحال یہ روایت عاصم بن عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے نہ کہ عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ سے۔

سفید بالوں کی تعداد

قَالَ عاصم بن عمرؓ کہتے ہیں اِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِّنْ عِشْرِيْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سفید بالوں کی تعداد تقریباً بیس تھی حضور کے سفید بالوں سے متعلق پہلے بھی روایات بیان ہو چکی ہیں۔ ایک روایت میں چودہ بالوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک میں ہے کہ بیس سے زیادہ نہیں تھے۔ پیچھے یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ آپ کے سفید بالوں کی تعداد اس قدر کم تھی جو تیل لگانے سے بالکل ہی نظر نہیں آتے تھے۔ البتہ جب آپ کے بال خشک ہوتے تھے تو کچھ سفیدی نظر آجاتی تھی۔ یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آخری عُمر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر مبارک اور داڑھی مبارک کے بال نہایت قلیل تعداد میں سفید ہوئے تھے۔

درس - ۱۴　　　　حدیث - ۵

حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنِ هِشَامٍ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَّالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَ عَمَّ يَتَسَاۗءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۹)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا ابوکریب محمد بن علاء نے ۔ اُن کے پاس خبر دی معاویہ بن ہشام نے ۔ انھوں نے یہ روایت شیبان سے اور انھوں نے ابو اسحٰق سے اخذ کی ، اُن کے استاذ عکرمہ ہیں جنھوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول ! آپ کے بال تو سفید ہو گئے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ سورۃ ہود، واقعہ، مرسلات ، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے میرے بال سفید کر دیئے ہیں ۔"

سندِ حدیث | حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوکریب محمد بن العلاء (المتوفی ۲۴۸ھ) نے یہ روایت بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں اَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ کہ ہمارے پاس معاویہ بن ہشام (المتوفی ۲۰۴ھ) نے خبر دی ۔ عَنْ شَيْبَانَ انھوں نے یہ روایت شیبان سے لی تھی ۔ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ اور انھوں نے اپنے استاذ ابو اسحٰق سے نقل کی تھی ۔ ابوکریب ثقہ راوی ہیں اور ان کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں ۔ معاویہ بن ہشام بھی صدوق راوی ہیں ۔ ابو اسحٰق

کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

عَنْ عِكْرِمَةَ ابو اسحٰق نے یہ روایت عکرمہ (المتوفی ۱۰۵ھ یا ۱۰۶ھ یا ۱۱۵ھ) سے سُنی تھی جو کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد تھے۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں مگر کہتے ہیں کہ ان کا رجحان زیادہ تر خارجیوں کی طرف تھا۔ چنانچہ جس دن فوت ہوئے اسی دن ایک شاعر کثیر بھی فوت ہو گیا جو مشہور خاتون عزۃ کا عاشق تھا۔ اس شاعر کے جنازے میں تو لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی مگر عکرمۃ کے جنازے میں بہت کم لوگ شامل ہوئے۔

قیامت کی ہولناکیاں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عکرمۃ نے یہ روایت اپنے استاذ عبد اللہ بن عباسؓ سے سُنی تھی۔ قَالَ وہ کہتے ہیں قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا۔ قَدْ شِبْتَ اے اللہ کے رسول! آپ کے بال تو سفید ہو گئے ہیں۔ قَالَ آپ نے فرمایا شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ وَّالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ کہ مجھے سورۃ ہود واقعہ، مرسلات، عمّ یتساءلون اور اذا الشمس کوّرت نے بوڑھا کر دیا ہے یعنی میرے بال سفید ہو گئے۔

دراصل ان سورتوں میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے جس سے محاسبۂ اعمال کی فکر پیدا ہوتی ہے جب کسی شخص کو غم و فکر لاحق ہو جاتا ہے تو پھر وہ قبل از وقت بوڑھا ہو جاتا ہے اور اُس کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔

بعض شارحین نے مفسر زمخشریؒ کے حوالے سے ایک شخص کے خواب کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ یہ شخص بالکل نوجوان تھا۔ رات کو سویا تو کیا دیکھتا ہے کہ قیامت برپا ہو گئی ہے، جہنم کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر کھینچ کھینچ کر لایا جا رہا ہے اور اسکی خوفناک آوازیں سُنائی دے رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اُس نوجوان پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ راتوں رات اُس کے سیاہ بال بالکل سفید ہو گئے۔ خوف اور دہشت اتنی اثر انگیز چیز ہے۔

المتوفی ۵۳۸ھ

خود ہمارے زمانے میں آج سے کوئی بیس پچیس سال پہلے کا واقعہ ہے، مبارک نامی آدمی چوک نیائیں میں رہتا تھا۔ پہلے پولیس میں ملازم تھا مگر پھر اُس نے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ وہ شخص جمعہ یہیں اس مسجد نور میں پڑھا کرتا تھا، اب فوت ہو چکا ہے اُس سے پُوچھا گیا کہ تم نے پولیس کی ملازمت کیوں ترک کر دی؟ کہنے لگا کہ میری زندگی کے ایک مشاہدہ نے مجھے ترکِ ملازمت پر مجبور کر دیا۔ کہنے لگا کہ میری ڈیوٹی ایک ایسے مجرم کی کوٹھڑی پر تھی جسے سزائے موت کا حکم سُنایا جا چکا تھا وہ بالکل نوجوان، سیاہ ریش آدمی تھا۔ وقتِ مقررہ پر جب اُسے کوٹھڑی سے نکال کر تختہ دار تک لے جایا گیا تو اس پر اس قدر دہشت طاری ہوئی اور وہ موت کو سامنے دیکھ کر اس قدر ڈر گیا کہ چند منٹوں کے اندر اندر اس کے بالکل سیاہ بال بالکل سفید ہو گئے۔ کہنے لگا کہ اس واقعہ کو دیکھ کر میں نے پولیس کی ملازمت چھوڑ دی۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھے قیامت کی ہولناکیوں نے قبل از وقت بوڑھا کر دیا ہے۔

درس - ۱۴　　　　حدیث - ۶

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ وَّ اَخَوَاتُهَا ۔　　(ترمذی مع شمائل صـ۵۱۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن بشر نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت علی بن صالح سے اور انھوں نے ابو اسحٰق سے اخذ کی۔ وہ ابو جحیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہنے لگے کہ لوگوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا حضور! ہم آپ پر بڑھاپے کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، مجھے سورۃ ہُود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ ہمارے پاس یہ روایت سفیان بن وکیع نے بیان کی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وہ محمد بن بشر کے حوالے سے خبر دیتے ہیں۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ۔ انھوں نے یہ روایت علی بن صالح (المتوفی ۱۵۱ھ) سے اخذ کی۔ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ اور وہ ابو اسحٰق سے نقل کرتے ہیں۔ یہ سب ثقہ راوی ہیں۔ عَنْ اَبِي جُحَيْفَةَ انھوں نے صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ (المتوفی ۷۴ھ) سے یہ روایت سُنی۔ قَالَ وہ بیان کرتے ہیں۔ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ قَدْ شِبْتَ کہ لوگوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کیا۔ اللہ کے رسول! ہم آپ پر بڑھاپے کے آثار دیکھ رہے ہیں یعنی آپ کے بال سفید ہو رہے ہیں قَالَ شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ وَّ اَخَوَاتُهَا آپ نے ارشاد فرمایا، لوگو! مجھے سورۃ ہُود

اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ یہی مضمون پچھلی حدیث میں بھی گزر چکا ہے جہاں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ھود کے علاوہ بعض دوسری سورتوں کا نام لے کر فرمایا ہے کہ مجھے ان سورتوں میں مذکور قیامت کی ہولناکیوں نے بڑھاپے کی منزل تک پہنچا دیا ہے اور میرے بال سفید ہونے لگے ہیں۔

درس - ۱۴　　　　حدیث - ۷

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَاَنَا شُعَیْبُ بْنُ صَفْوَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اِیَادِ بْنِ لَقِیْطٍ الْعِجْلِیِّ عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ التَّیْمِیِّ تَیْمِ الرِّبَابِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِیَ ابْنٌ لِیْ قَالَ فَاُرِیْتُهٗ فَقُلْتُ لَمَّا رَاَیْتُهٗ هٰذَا نَبِیُّ اللّٰهِ وَعَلَیْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ وَلَهٗ شَعْرٌ وَقَدْ عَلَاهُ الشَّیْبُ وَشَیْبُهٗ اَحْمَرُ - (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس شعیب بن صفوان نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت عبدالملک بن عمیر سے اور انھوں نے ایاد بن لقیط عجلی سے اخذ کی۔ وہ ابو رمثہ تیمی تیم الرباب سے روایت نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہُوا، اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ کہتے ہیں کہ مجھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دکھلائے گئے۔ جب مَیں نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس وقت آپ سبز رنگ کے دو کپڑے زیبِ تن کیے ہُوئے تھے اور آپ کے بال بھی تھے جن میں سے کچھ پہ بڑھاپے کے آثار غالب آرہے تھے اور یہ آثار یعنی سفید بال سرخی مائل تھے۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ اَنْبَاَنَا شُعَیْبُ بْنُ صَفْوَانَ اور ان کے پاس شعیب بن صفوان نے خبر دی۔ یہ دونوں مقبول راوی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ انھوں نے یہ روایت عبد الملک بن عمیر (المتوفی ۱۳۶ھ یا ۱۳۸ھ) سے اخذ کی۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔ اور عام صحاح ستہ والوں نے ان سے روایات نقل کی ہیں عَنْ اِیَادِ بْنِ لَقِیْطِ الْعِجْلِیِّ۔ اُن کے اُستاد ایاد بن لقیط ہیں۔ ان سے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایات لی ہیں۔ عَنْ اَبِیْ رِمْثَۃَ التَّیْمِیِّ تَیْمَ الرِّبَابِ ایاد بن لقیط نے ابو رمثہ تیمی[1] جو کہ تیم الرباب سے تھے، روایت نقل کی ہے۔ ابو رمثہ قبیلہ تیم سے تعلق رکھتے تھے اور قبیلہ تیم آگے پانچ قبائل ضبہ، ثور، عکل، تیم اور عدی کا ایک وفاق تھا اور یہ سارے تیم رباب کہلاتے تھے۔ ان پانچوں قبائل کا آپس میں ایک پختہ معاہدہ تھا کہ وہ بوقتِ ضرورت ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے کے موقع پر انھوں نے رنگ گھولا اور ہر قبیلے کے سردار نے اس معاہدہ کی پختگی کی علامت کے طور پر اپنے ہاتھ اس رنگ کے ساتھ رنگے تھے۔ بہر حال راوی ابو رمثہ تیمی کا تعلق اس قبیلے کے ساتھ تھا۔

حضور علیہ السّلام سے شرفِ ملاقات

قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یہ صحابی رسول کہتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وَمَعِیَ ابْنٌ لِّیْ اور میرے ساتھ اس وقت میرا بیٹا بھی تھا۔ قَالَ فَاَرَیْتُہٗ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے کو دکھایا۔ اس میں ہٗ کی ضمیر بیٹے کی طرف جاتی ہے فَقُلْتُ لَمَّا رَاَیْتُہٗ ھٰذَا نَبِیُّ اللّٰہِ پھر جب میرے بیٹے نے آپ کو دیکھا تو میں نے اُسے بتایا کہ یہ اللہ کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

اس لفظ کو فَاُرِیْتُہٗ بھی پڑھا گیا ہے یعنی مجھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دکھلائے گئے یہاں بھی ہٗ کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی ہے۔ یعنی میں نے پہلے آپ کو نہیں دیکھا تھا تو کسی پاس بیٹھنے والے نے آپ کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتلا دیا۔ تو کہتے ہیں کہ جب میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرۂ انور کو دیکھا تو کہہ دیا کہ واقعی یہ اللہ کے نبی ہیں۔ گویا آپ کی شکل وصورت سے ہی آپ کی نبوّت ورسالت کا یقین ہو گیا۔ بخاری

[1] ان کا نام رفاعہ یا حبان یا جندب یا خشخاش تھا۔ (فیاض)

شریف میں مذکور[1] ایسا ہی واقعہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا بھی ہے یہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب میری پہلی نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ انور پر پڑی تو فوراً پکار اُٹھا لَيْسَ هٰذَا بِوَجْهِ الْكَذَّابِ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور ایمان لے آئے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ جب میری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہُوئی تو اس وقت عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ آپ نے سبز رنگ کے دو کپڑے (قمیص اور چادر وغیرہ) پہن رکھے تھے۔ وَلَهٗ شَعْرٌ اور آپ کے سر کے بال بھی نمایاں تھے۔ وَقَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ جن سے بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی ظاہر ہو رہی تھی وَشَيْبُهٗ اَحْمَرُ یہ سفیدی سُرخی مائل تھی یہ قدرتی امر ہے کہ جب بال سیاہی سے سفیدی کی طرف مائل ہوتے ہیں تو پہلے سُرخی مائل ہوتے ہیں اور پھر سفید ہو جاتے ہیں۔ غالباً صحابی نے ایسی ہی حالت میں آپ کو دیکھا ہوگا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے بالوں کو مہندی کا خضاب کیا ہو جس کی وجہ سے وہ سُرخ نظر آتے تھے۔

بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرامؓ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا کردہ کچھ بال تھے اور انھوں نے اُن بالوں کو رنگ لیا تھا۔ بعض محدثین کہتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بالوں کو خضاب لگاتے تھے۔ تاہم امام ترمذیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کے بالوں کو خضاب کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ کیونکہ آخری عُمر تک بھی بہت کم تعداد میں بال سفید ہُوئے تھے جو آپ کی کنپٹیوں پر تھے یا جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے، آپ کی مانگ نکالنے کی جگہ پر کچھ سفید بال تھے مگر جب آپ سر میں تیل لگاتے تھے تو وہ بھی نظر نہیں آتے تھے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] نیز ترمذی شریف میں بھی ہے: عرفت انه وجهه ليس بوجه كذاب۔
ترمذی مع شمائل ص۳۵۷۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ اَخْبَرَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ قِيْلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَكَانَ فِيْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ قَالَ لَمْ يَكُنْ فِيْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَعَرَاتٌ فِيْ مَفْرِقِ رَاْسِهٖ اِذَا ادَّهَنَ وَارَاهُنَّ الدُّهْنُ -

(ترمذی مع شمائل صا۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سریج بن نعمان نے خبر دی۔ ان کے پاس حماد بن سلمۃ نے سماک بن حرب کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرۃ سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سر میں سفید بال آئے تھے؟ انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سر مبارک میں مانگ نکالنے کی جگہ پر کچھ سفید بال تھے جو سر میں تیل لگانے پر نظر نہیں آتے تھے۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ کہ ہمارے پاس احمد بن منیع نے یہ روایت بیان کی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ کہتے ہیں: اَخْبَرَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ کہ ہمارے پاس سریج بن نعمان (المتوفی ۲۱۷ھ) نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ کہ ہمارے پاس حماد بن سلمۃ (المتوفی ۱۶۷ھ) نے سماک بن حرب کے حوالے سے خبر دی۔ یہ سب ثقہ راوی ہیں۔

سفید بالوں کے متعلق سوال

سماک بن حرب کہتے ہیں قَالَ قِیْلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ کہ حضرت جابر بن سمرةؓ صحابی رسول دریافت کیا گیا اَکَانَ فِیْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْبٌ ، کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سر میں سفید بال آئے تھے ؟ قَالَ لَمْ یَکُنْ فِیْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَعَرَاتٌ فِیْ مَفْرِقِ رَأْسِہٖ انھوں نے جواب دیا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے سر میں مانگ نکالنے کی جگہ پر چند بالوں کے علاوہ اور کوئی سفید بال نہیں تھے ۔ اِذَا ادَّھَنَ وَارَاھُنَّ الدُّھْنُ وہ بھی تیل لگانے سے نظر نہیں آتے تھے ۔ پہلے روایت بیان ہو چکی ہے کہ آپ کی کنپٹیوں پر بھی کچھ سفید بال تھے ۔ تاہم آپ کے سر اور داڑھی کے سفید بالوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں تھی ۔

(۶) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خضاب کرنے کے بیان میں۔"

گزشتہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں میں سفیدی آجانے کے سلسلہ میں تھا۔ اب یہ باب امام ترمذیؒ نے آپ کے خضاب کرنے کے سلسلہ میں باندھا ہے جس میں پانچ احادیث بیان کی گئی ہیں۔ خضاب اُس چیز کو کہتے ہیں مَا یُخْضَبُ بِہٖ جس کے ساتھ بالوں کو رنگا جاتا ہے۔ یہ چیز مہندی، وسمہ، کتم یا کوئی اور جدید مرکب ہو، خضاب ہی کہلاتی ہے۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۶

درس ۔ ۱۵ — حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ اَخْبَرَنَا هُشَیْمٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَیْرٍ عَنْ اِیَادِ بْنِ لَقِیْطٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ رِمْثَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنٍ لِّیْ۔ فَقَالَ اِبْنُكَ هٰذَا فَقُلْتُ نَعَمْ اَشْهَدُ بِهٖ قَالَ لَا یَجْنِیْ عَلَیْكَ وَلَا تَجْنِیْ عَلَیْهِ ۔ قَالَ وَرَاَیْتُ الشَّیْبَ اَحْمَرَ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی هٰذَا اَحْسَنُ شَیْءٍ رُوِیَ فِیْ هٰذَا الْبَابِ وَاَفْسَرُهٗ لِاَنَّ الرِّوَایَاتِ الصَّحِیْحَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَبْلُغِ الشَّیْبَ وَاَبُوْ رِمْثَةَ اِسْمُهٗ رِفَاعَةُ بْنُ یَثْرِبِیِّ التَّیْمِیِّ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۱)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا احمد بن منیع نے۔ ان کے پاس بیان

کیا ہشیم نے ۔ اُن کے پاس بیان کیا عبدالملک بن عمیر نے ایاد بن لقیط سے روایت کرتے ہوئے ، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو رمثہ نے خبر دی۔ کہنے لگے کہ مَیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا ۔حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ، کیا یہ تمھارا بیٹا ہے ؟ مَیں نے عرض کیا ، ہاں ، مَیں اِس بات کی گواہی دیتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا اس کے کیے کی ذمہ داری تم پر نہیں آئے گی اور نہ تمھارے افعال کی بازپُرس اس سے ہوگی ۔ راوی کہتا ہے کہ مَیں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال مبارک دیکھے جو کہ سُرخ تھے ۔ ابو عیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس باب میں بیان کی گئی بہتر روایت ہے اور زیادہ واضح ہے ۔کیونکہ صحیح روایات میں یہی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید بال آنے کی حد تک پہنچے ہی نہیں تھے اور ابو رمثہؓ کا نام رفاعہ بن یثربی تیمیؒ ہے ۔"

سندِ حدیث

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ ہمارے پاس احمد بن منیع نے بیان کیا ۔ ان کا ذکر گزشتہ باب میں ہو چکا ہے اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ انھوں نے ہشیم سے نقل کیا ۔ یہ بھی مقبول راوی ہیں اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ انھوں نے یہ روایت عبدالملک بن عمیر سے اخذ کی ۔ ان کی روایت بھی پچھلے باب میں گزر چکی ہے ۔ عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيْطٍ انھوں نے یہ روایت ایاد بن لقیط سے حاصل کی ۔ ان کا حال بھی بیان ہو چکا ہے ۔ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ رِمْثَةَ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس روایت کی خبر ابو رمثہؓ نے دی ۔ ابو رمثہ تو کنیت ہے ۔ اس روایت کے آخر میں اس راوی کا نام بھی بتلا دیا گیا ہے ۔ اِسْمُهٗ رِفَاعَةُ بْنُ يَثْرِبِيِّ التَّيْمِيِّ کہ اس کا نام رفاعہ بن یثربی تیمی تھا ۔

جرم وسزا کا اسلامی قانون

قَالَ یہ ابورمثہ بیان کرتے ہیں اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مَعَ ابْنٍ لِّیْ اس وقت میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا قَالَ ابْنُكَ هٰذَا، آپ نے دریافت فرمایا، کیا یہ تیرا بیٹا ہے ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ میں نے عرض کیا، ہاں یہ میرا بیٹا ہے۔ وَ اَشْهَدُ بِهٖ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ واقعی میرا بیٹا ہے۔ اَشْهَدُ متکلّم کا صیغہ ہے کہ بات کرنے والا خود شہادت دے رہا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کو اِشْهَدْ بِهٖ بھی پڑھ سکتے ہیں جس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ راوی کہتا ہے کہ حضور ! بلاشبہ یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ بھی اس پر گواہ بن جائیں یعنی میری بات کی تصدیق فرمائیں۔

اس زمانے میں عرب میں یہ عام دستور تھا کہ بات کی پختگی کے لیے اس کا اعلان مجمع عام میں کرتے تھے تاکہ عام لوگ اُن کے کسی بیان کو جان لیں، اور آئندہ بوقت ضرورت اس کی گواہی دے سکیں۔ مثلاً کوئی آدمی اعلان کرتا تھا کہ یہ میرا باپ ہے۔ یا کوئی کہتا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اسی دستور کے مطابق ابورمثہؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور آپ کو اس اعلان پر گواہ بنانا چاہا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ بھائی ٹھیک ہے، میں تمھاری اس بات پر گواہ تو بن جاتا ہوں مگر یاد رکھنا، اب اسلام کے روشن دور میں زمانہ جاہلیت کی جہالت نہیں چلے گی۔ اُس وقت عرب میں یہ عام دستور تھا کہ اگر باپ نے جُرم کیا ہے تو اس کے بدلے میں بیٹے کو پکڑ لیتے تھے، اور اگر بیٹے نے کوئی نقصان کیا ہے تو وہ باپ سے پورا کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا اب ایسا نہیں ہوگا اسلام کا قانون یہ ہے کہ ہم اس لڑکے کو تیرا بیٹا تو تسلیم کرتے ہیں مگر لَا یَجْنِیْ عَلَیْكَ اس کا جُرم تیرے سر پر نہیں ڈالا جائے گا تاکہ تو اس کی تلافی کرے۔ وَلَا تَجْنِیْ عَلَیْهِ، اور نہ ہی تیرا کوئی تاوان تیرے اس بیٹے پر ڈال کر کہا جائے گا کہ تُو اس کو پُورا کر۔ جاہلیت کا دَور گزر چکا، اب ہر شخص اپنی کارکردگی کا خود ذمہ دار ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔
بلکہ ہر شخص اپنے افعال و کردار کا خود ذمہ دار ہوگا یعنی جو کرے گا وہی بھرے گا۔

بالوں کی سفیدی

قَالَ وَرَاَیْتُ الشَّیْبَ اَحْمَرَ ابورمثہؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے دیکھا کہ آپ کے بالوں کی سفیدی سرخی مائل تھی۔ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی هٰذَا اَحْسَنُ شَیْءٍ رُوِیَ فِیْ هٰذَا الْبَابِ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس باب میں بیان کی گئی یہ بہترین روایت ہے وَاَفْسَرُهٗ اور زیادہ واضح ہے لِاَنَّ الرِّوَایَاتِ الصَّحِیْحَةَ کیونکہ صحیح روایات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے اَنَّهٗ لَمْ یَبْلُغِ الشَّیْبَ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ اقدس پر سفید بال آنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ یعنی آپ کے بہت کم بال سفید ہوئے تھے۔ عام طور پر جب بال سیاہی سے سفیدی کی طرف جانے لگتے ہیں تو پہلے سرخی مائل ہوتے ہیں اور پھر کچھ عرصہ بعد سفید ہو جاتے ہیں۔ تو امام ترمذیؒ نے اس روایت کو زیادہ بہتر اسی لیے کہا ہے کہ اس میں بالوں کے سرخ ہونے کا ذکر ہے یعنی ابھی آپ سفید بالوں کی حد تک پہنچے ہی نہیں تھے۔

یہاں پر بہترین روایت سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ روایت صحیح ترین بھی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے روایت حسن یا ضعیف بھی ہو سکتی ہے۔ اس باب میں تمام منقول روایات میں یہ سب سے بہتر ہے۔ اس کا صحیح ہونا شرط نہیں ہے گویا اس روایت کا درجہ اوّل میں ہونا ضروری نہیں بلکہ درجہ دوم یا سوم کی بھی ہو سکتی ہے۔

درس - ۱۵

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سُئِلَ أَبُوهُرَيْرَةَ هَلْ خَضَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَبُوعِيسَى وَرَوَى أَبُوعَوَانَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۱)

ترجمہ: "ہمارے پاس سفیان بن وکیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس میرے باپ نے شریک کے حوالے سے خبر دی، اور انھوں نے عثمان بن موہب سے یہ روایت اخذ کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خضاب لگایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں ۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت ابوعوانہ نے عثمان بن عبداللہ بن موہب سے ام سلمہؓ کے حوالے سے ذکر کی ہے ۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان بن وکیع نے بیان کی جن کا ذکر آچکا ہے ۔ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبِي وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت میرے باپ وکیع کے ذریعے پہنچی ۔ عَنْ شَرِيكٍ انھوں نے یہ روایت شریک سے حاصل کی ۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ اور انھوں نے عثمان بن موہب کے واسطے سے نقل کیا ۔

بالوں کا خضاب

قَالَ سُئِلَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ راوی عثمان کہتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے دریافت کیا گیا، هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کو خضاب لگایا کرتے تھے؟ قَالَ نَعَمْ۔ انھوں نے جواب دیا، ہاں، اللہ کے رسولؐ ایسا کیا کرتے تھے۔

اُمِّ سلمہؓ سے روایت

آگے امام ترمذیؒ خود اس روایت کے اضطراب کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى آپ نے فرمایا وَرَوٰى اَبُوْ عَوَانَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ کہ اس روایت کو عثمان بن عبداللہ بن موہب نے ام المؤمنین[1] ام سلمہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ مکہ کے معزز خاندان کی خاتون ام سلمہؓ قدیم الاسلام ہیں۔ آپ نے اپنے خاوند ابو سلمہؓ کے ساتھ مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر حبشہ سے دونوں مدینہ پہنچے اور ابو سلمہؓ مدینہ میں وفات پا گئے اسکے بعد اُمِّ سلمہؓ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کر لیا۔ اور یہ صاحبِ علم اور پاکباز خاتون امہات المؤمنینؓ میں شامل ہو گئیں۔ یہ امہات المؤمنینؓ میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والی خاتون ہیں۔

---

[1] المتوفاۃ ۶۳ھ (فیاض)

درس - ۱۵　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَنْبَاَنَا النَّضْرُ بْنُ زُرَارَةَ عَنْ اَبِيْ جَنَابٍ عَنْ اَيَادِ بْنِ لَقِيْطٍ عَنِ الْجَهْذَمَةِ امْرَاَةِ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَتْ اَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ يَنْفُضُ رَاْسَهٗ وَقَدِ اغْتَسَلَ وَبِرَاْسِهٖ رَدْعٌ اَوْ قَالَ رَدْغٌ مِنْ حِنَّاءٍ شَكَّ فِيْ هٰذَا الشَّيْخُ - (ترمذی مع شمائل ص۵۷۱)

ترجمہ :"ہمارے پاس ابراہیم بن ہارون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کی خبر نضر بن زرارہ نے ابو جناب کے حوالے سے دی اور انھوں نے یہ روایت ایاد بن لقیط سے حاصل کی جنھوں نے اسے جہذمہ زوجہ بشیر بن الخصاصیہؓ سے نقل کیا وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ آپ اپنے سر مبارک کو جھاڑ یا جھٹک رہے تھے گویا کہ غسل کر کے آرہے ہیں اور آپ کے سر پر مہندی کا رنگ تھا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے استاد ابراہیم کو شک تھا کہ اس موقع پر راوی نے رَدْعٌ کہا تھا یا رَدْغٌ۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ هَارُوْنَ کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابراہیم بن ہارون نے بیان کی۔ قَالَ اَنْبَاَنَا النَّضْرُ بْنُ زُرَارَةَ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ خبر نضر بن زرارۃ نے دی جو کہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ عَنْ اَبِيْ جَنَابٍ اُن کو یہ روایت ابو جنابؒ[1] کے واسطہ سے پہنچی بعض محدثین

[1] ان کا نام یحییٰ بن ابی حیہ الکلبی ہے۔ (فیاض)

نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم امام ترمذیؒ نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے۔

عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيْطٍ اُن کے اُستاد ایاد بن لقیط ہیں جو کہ مقبول راوی ہیں اور ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ عَنِ الْجَهْذَمَةِ اِمْرَأَةِ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ انھوں نے یہ روایت جہذمہ زوجہ بشیر بن خصاصیہ سے نقل کی۔ اس راویہ کا نام جہذمہ سے بدل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلیٰ کر دیا تھا اور اس کے خاوند کا نام زحما تھا اس کو تبدیل کر کے بشیر کر دیا تھا۔ (مناوی) یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ ہیں اور انصارِ مدینہ میں سے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کی کیفیت

قَالَتْ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صحابیہ بیان کرتی ہیں اَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ کہ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اپنے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا يَنْفُضُ رَاْسَهٗ آپ اپنے سر مبارک کو جھٹک رہے تھے یعنی بالوں میں رُکے ہُوئے پانی کو نکال رہے تھے۔ وَقَدِ اغْتَسَلَ معلوم ہوتا تھا کہ آپ غسل فرما کر آئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ تازہ تازہ غسل کر کے باہر تشریف لائے تھے۔ صحابیہ کہتی ہیں وَبِرَاْسِهٖ رَدْعٌ اَوْقَالَ رَدْغٌ مِّنْ حِنَاءٍ کہ اُس وقت آپ کے سر مبارک پر مہندی کا رنگ معلوم ہو رہا تھا۔ گویا کہ آپ نے اپنے بالوں کو مہندی یا کسی دوسری چیز سے خضاب کر رکھا تھا۔ شَكَّ فِيْ هٰذَا الشَّيْخُ۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اُن کے استاذ ابراہیم بن ہارون کو شک تھا کہ اس موقع پر راوی نے مہندی رنگ کے لیے رَدْعٌ کا لفظ استعمال کیا تھا یا رَدْغٌ کا۔ تاہم معنیٰ یکساں ہی ہے کہ مہندی کی تہ یا رنگ تھا۔

باب - ۶

درس - ۱۵

حدیث - ۴

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ اَخْبَرَنَا حُمَیْدٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا قَالَ حَمَّادٌ وَاَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِیْلٍ قَالَ رَاَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ مَخْضُوْبًا۔

(ترمذی مع شمائل صا۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، اُنکے پاس عمرو بن عاصم نے خبر دی۔ انکے پاس حماد بن سلمۃ نے اوران کے پاس حمید نے حضرت انسؓ کے حوالے سے خبر دی ـــــ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو خضاب کیے ہوئے دیکھا۔ حماد کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن محمد بن عقیل نے خبر دی اور کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کے پاس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں کو خضاب کیے ہوئے دیکھا۔"

سند حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن (المتوفی ۲۵۵ھ) نے بیان کی۔ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس روایت کی عمرو بن عاصم (المتوفی ۲۱۳ھ) نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ کہ ہمارے پاس حماد بن سلمۃ نے خبر دی۔ اَخْبَرَنَا حُمَیْدٌ عَنْ اَنَسٍ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس حمید نے انسؓ کے حوالے

سے خبر دی۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خضاب شدہ بال،

قَالَ حضرت انسؓ کہتے ہیں رَاَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا کہ یَں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں کو خضاب کیے ہوئے دیکھا۔ قَالَ حَمَّادٌ حماد کہتے ہیں وَاَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِیْلٍ قَالَ کہ ہمیں عبداللہ بن محمد بن عقیل نے خبر دی اور کہا: رَاَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ مَخْضُوْبًا کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کے پاس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال خضاب شدہ دیکھے۔ اس روایت میں یہ اشکال پایا جاتا ہے کہ گزشتہ باب کی پہلی حدیث میں حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بال خضاب کرنے کی حد تک پہنچے ہی نہیں تھے مگر اس روایت میں حضرت انسؓ ہی کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب شدہ بالوں کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں روایتیں مختلف اوقات کی ہوں اور دونوں درست ہوں۔

---

(۷) بَابُ مَا جَاءَ فِی کُحْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سُرمہ کے بیان میں"

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سُرمہ استعمال کرنے کے بیان میں پانچ احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں سُرمہ کی خاص قسم، اس کی فضیلت اور طریقہ استعمال کی وضاحت کی گئی ہے۔ سُرمہ مختلف قسم کے حجریات (پتھروں) سیاہ، سفید، نیلا، پیلا، یا سُرخی مائل سے تیار کیا جاتا ہے جو کہ انسانی آنکھوں کی حفاظت کے لیے ایک مفید دوائی اور انسان کی زینت کا باعث بھی ہے۔

لفظ کُحْلٌ اسم ہے جس کی جمع اَکْحَالٌ آتی ہے اور کُحْلٌ اس کا مصدر ہے کَحَلَ یَکْحُلُ کَحْلاً یعنی سرمہ استعمال کرنا۔ بہرحال اس کا مصدر بالفتح (ے) آتا ہے اور اسم بالضمہ (ُ) آتا ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ زینت کے لیے جائز چیزوں کا استعمال مُباح ہے اور ان میں سُرمہ بھی شامل ہے۔ بالوں میں تیل لگانا، کنگھی کرنا، مہندی اور خوشبو لگانا وغیرہ سب جائز ہیں۔ البتہ غیر طبعی زینت از قسمِ لِپ سٹک، نیل پالش، سرخی و پاؤڈر اور میک اپ کے دوسرے لوازمات میں تصنع اور بناوٹ پائی جاتی ہے لہٰذا یہ اسراف ہے اور مکروہات میں داخل ہیں۔ سُرمہ ایک جائز ضرورت ہے جس کو مستحبات میں شمار کیا جاتا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خود سرمہ استعمال فرماتے تھے جس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں یعنی زینت، شفاء اور سُنّت ہونے کا ثواب۔ اہلِ کتاب میں سے بعض لوگ جائز زینت کو بھی ترک کر کے جنگلوں میں نکل جاتے تھے یا از خود جسم کو گرد آلود رکھتے تھے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

(الاعراف : ۳۲) اے پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجئے کہ زینت کی وہ چیزیں جن کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ روزی کو کس نے حرام قرار دیا ہے ؟ مطلب یہ ہے کہ زینت کی جائز چیزیں استعمال کرنی چاہئیں اور بلا وجہ ان کو ترک نہیں کرنا چاہیے ۔ البتہ ہر کام میں اپنے وسائل کو مدّنظر رکھنا ہوگا ۔ وسائل سے زیادہ خرچ کرنا اسراف اور وسائل کو جائز مدّات میں بھی خرچ نہ کرنا بخل اور رہبانیت ہی ہو سکتی ہے ۔

درس - ۱۵　　　　حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ أَنْبَأَنَا أَبُوْدَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِكْتَحِلُوْا بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِيْ هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِيْ هٰذِهٖ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: ہمارے پاس محمد بن حمید رازی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوداؤد طیالسی نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت عبّاد بن منصور سے اخذ کی اور انھوں نے عکرمہ سے۔ وہ اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اثمد سرمہ لگایا کرو کیونکہ یہ بصارت کو روشن کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خیال ظاہر کیا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے آپ ہر رات تین سلائی سرمہ ایک آنکھ میں اور تین سلائی دوسری آنکھ میں ڈالتے تھے۔"

سند حدیث

امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ ہمارے پاس محمد بن حمید رازی (المتوفی ۲۳۰ھ) نے بیان کیا، یہ ثقہ راوی اور حافظ الحدیث تھے۔ یحییٰ بن معینؒ نے ان کی توثیق کی ہے تاہم عمر کے آخری حصّہ میں جاکر ان کے حافظے میں کچھ کمزوری آگئی تھی۔ اَنْبَأَنَا

اَبُوْ دَاوٗدَ الطَّیَالِسِیُّ محمد بن حمید کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابوداؤد طیالسی نے بیان کی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ انھوں نے یہ روایت عبّاد بن منصور سے نقل کی جو کہ مشہور راوی ہیں مگر ان کا رجحان کسی قدر فرقہ قدریہ کی طرف تھا۔ عَنْ عِکْرِمَۃَ انھوں نے یہ روایت عکرمہ کے حوالے سے بیان کی۔ انکا ذکر بھی پہلے آچکا ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اور عکرمہ نے یہ روایت اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی جو مشہور و معروف صحابی اور مفسّرِ قرآن ہیں۔ ان کے بارے میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خاص طور پر دُعا کی تھی[1] اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتٰبَ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔ اے اللہ اسے قرآنِ پاک کا علم سکھا اور دین میں سمجھ عطا فرما۔ آپ کی یہ دُعا قبول ہُوئی اور اللہ نے آپ کو علمِ دین کا وافر حصّہ عطا فرمایا۔ عکرمہ کے متعلق یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ یہ جلیل القدر تابعی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ مگر کسی قدر خوارج کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ ویسے روایت بیان کرنے کے لحاظ سے مقبول راوی ہیں۔

سُرمہ کا استعمال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِکْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ لوگو! آنکھوں میں اِثْمِد سرمہ لگایا کرو۔ اس کو اصفہانی سرمہ بھی کہتے ہیں اور یہ رنگ میں سُرخی مائل ہوتا ہے۔ ویسے ہر قسم کا سرمہ سیاہ، سفید، نیلا، پیلا وغیرہ روا ہے۔ تاہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اثمد سرمہ کو پسند فرماتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کے استعمال کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سرمہ فَاِنَّہٗ یَجْلُوا الْبَصَرَ بصارت کو روشن کرتا ہے یعنی اسکے استعمال سے آنکھوں کی میل کچیل صاف ہو کر نظر میں تیزی آجاتی ہے گویا یہ سرمہ جِلائے بصر ہے اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ کہ آنکھوں پر پائی جانے والی پلکوں کے بالوں کی افزائش کرتا ہے۔ اس سرمہ کے استعمال سے دورانِ خون درست ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے پلکوں کے بال لمبے اور گھنے ہو جاتے ہیں بعض لوگوں

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص۳ ج... ۲۹۶ ...

کی پلکیں کمزور ہوتی ہیں جس کی وجہ سے آنکھوں کی مناسب حفاظت نہیں ہو پاتی، اور بصارت پہ اثر پڑتا ہے۔ اس سرمہ کے لگانے سے انسان کی پلکوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور اگر وہ کمزور ہوں تو طاقت ور بن جاتی ہیں۔

آگے حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں۔ وَزَعَمَ کہ اُن کا خیال ہے۔ پہلے قولی حدیث بیان ہوئی کہ آپ نے سرمہ اثمد کے استعمال کی ترغیب دی۔ آگے حضرت ابنِ عباسؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی فعلی حدیث بیان کر رہے ہیں کہ سُرمہ استعمال کرنے سے متعلق آپ کا اپنا عمل کیا تھا۔ اس حصّہ حدیث کو زَعَمَ سے شروع کیا گیا ہے چونکہ یہ بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کا کلام ہے لہٰذا پہلے حصہ حدیث کی طرح اس کو بھی قَالَ کے لفظ سے شروع کیا جاتا تھا مگر یہاں پر زَعَمَ کا لفظ لایا گیا ہے جس کا معنی گمان کرنا یا خیال کرنا ہوتا ہے۔ بعض محدثین کے نزدیک تو قَالَ اور زَعَمَ ہم معنیٰ الفاظ ہیں اور یہاں پر زَعَمَ کا معنی بھی قَالَ ہی ہے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ دونوں الفاظ کے مفہوم میں قدرے فرق ہے۔ قَالَ کا معنیٰ تو واضح ہے کہ فلاں شخص نے یوں کہا۔ مگر زَعَمَ میں معاملہ ذرا مشکوک ہو جاتا ہے کہ فلاں نے یوں گمان کیا یعنی وہ آمدہ کلام کے متعلق پوری طرح مطمئن نہیں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر شک والی بات نہیں ہے۔ بلکہ قَالَ اور زَعَمَ کو الگ الگ لانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ قولی اور فعلی حدیث میں امتیاز کرنا چاہتے ہیں۔ پہلا حصہ حدیث قولی تھا یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد سُرمہ استعمال کیا کرو اور آپ نے اُس کے فوائد بھی بتلا دیے۔ اب آگے فعلی حدیث آرہی ہے جس کے متعلق راوی کا بیان ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَتْ لَہٗ مُکْحُلَۃٌ یَکْتَحِلُ مِنْھَا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سُرمہ دانی تھی جس میں سے آپ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔

یہاں یہ امر توجّہ طلب ہے کہ لفظ مُکْحُلَۃٌ اسم آلہ ہے جو کہ قواعد کی رُو سے

مکسور یعنی مِکحَلَۃٌ آنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ ہے تو اسمِ آلہ ہی یعنی سرمہ رکھنے کا آلہ اور محدثین اور ائمہ لغت اس کو اسمِ ظرف نہیں مانتے مگر یہ اسم آلہ خلافِ قیاس ہے لہٰذا اس کو ضمّہ کے ساتھ مُکحُلَۃٌ ہی پڑھتے ہیں۔ اور آگے راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے سرمہ لگانے کا طریقہ یہ تھا کہ کُلَّ لَیلَۃٍ ثَلَاثَۃً فِیْ ھٰذِہٖ وَثَلَاثَۃً فِیْ ھٰذِہٖ۔ آپ ہر رات تین سلائی اس آنکھ میں اور تین سلائی اُس آنکھ میں استعمال فرماتے تھے تاکہ یہ عمل طاق بن جائے۔ بعض روایات میں تین اور دو سلائیاں ڈالنے کا طریقہ بھی آیا ہے اس طرح مجموعہ پانچ یعنی طاق عدد بن جاتا ہے۔ دونوں آنکھوں میں ایک ایک سلائی استعمال کی جائے تو وہ بھی طاق ہی ہوگی، یہ بھی درست ہے۔

درس - ۱۵
حدیث - ۲

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ أَنْبَأَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَّنَامَ بِالْإِثْمِدِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ فِيْ حَدِيْثِهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۱۷۵)

ترجمہ: ہمارے پاس عبداللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبید اللہ بن موسٰی نے اس روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسرائیل نے عبّاد بن منصور کے حوالے سے یہ خبر دی۔ (ح) اور ہمارے پاس بیان کیا علی بن حجر نے، اُن کے پاس بیان کیا یزید بن ہارون نے، ان کو خبر دی عبّاد بن منصور نے۔ انھوں نے یہ روایت عکرمہ سے اور انھوں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے اخذ کی۔ یہ صحابی رسول کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسّلام سونے سے پہلے ہر آنکھ میں تین تین سلائی اثمد سرمہ لگاتے تھے اور یزید بن ہارون نے اپنی روایت میں اس طرح کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک سُرمہ دانی تھی اور اُس میں سے آپ

سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں سُرمہ ڈالتے تھے۔"

سند حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْھَاشِمِیُّ الْبَصْرِیُّ کہ ہمارے پاس عبداللہ بن صباح ہاشمی بصری (المتوفی ۲۵۰ھ) نے بیان کیا۔ یہ ثقہ راوی ہیں۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔ اَخْبَرَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ مُوْسٰی ابن صبّاح کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر عبیداللہ بن موسیٰ (المتوفی ۲۰۹ھ یا ۲۱۰ھ) نے دی۔ یہ بھی مشاہیر حفاظ الحدیث میں سے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت عبادت گزار آدمی تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا گیا۔ اَخْبَرَنَا اِسْرَائِیْلُ انھوں نے یہ روایت اسرائیل سے اخذ کی۔ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ انھوں نے یہ روایت عبّاد بن منصور سے اخذ کی، جن کا ذکر گزشتہ حدیث میں آچکا ہے۔

آگے متن حدیث میں ح لکھی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو راویوں کے درمیان تحویل کی طرف اشارہ ہے۔ اس مقام پر امام ترمذیؒ دوسری سند بیان کرتے ہیں جو پھر عبّاد بن منصور کے ساتھ آکر مل جاتی ہے کہتے ہیں۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ ھَارُوْنَ ان کے استاذ یزید بن ہارون ہیں۔ اَنْبَاَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اور یہ سند پھر عبّاد بن منصور تک پہنچتی ہے۔ آگے یہ راوی عَنْ عِکْرِمَۃَ اپنے استاذ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اور وہ اپنے استاذ عبداللہ بن عباسؓ صحابی رسول سے نقل کرتے ہیں۔

سُرمہ استعمال کرنے کا طریقہ قَالَ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ یَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سونے سے پہلے اثمد سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ ثَلَاثًا فِیْ کُلِّ عَیْنٍ اس طریقے سے کہ ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگاتے۔

وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ فِيْ حَدِيْثِهٖ اور یزید بن ہارون اپنی روایت اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس ایک سرمہ دانی تھی۔ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ جس میں سے آپ سوتے وقت سرمہ استعمال کرتے تھے اس طریقے سے کہ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں سرمہ ڈالتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ معمول پچھلی روایت میں بھی بیان ہو چکا ہے۔

باب - ۷
شمائل ترمذی
حدیث - ۳
درس - ۱۵

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ فَاِنَّهٗ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: ہمارے پاس احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یزید نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت محمد بن اسحٰق سے لی اور انھوں نے محمد بن منکدر سے سُنی۔ وہ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لوگو! اپنے اوپر اثمد سرمہ کو لازم پکڑو کیونکہ یہ نظر کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت بیان کی احمد بن منیع نے جو ثقہ راوی اور حافظ الحدیث ہیں۔ وہ کہتے ہیں اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ کہ ہمیں اس روایت کی خبر محمد بن یزید (المتوفی ۱۹۰ھ) نے دی۔ یہ بھی ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ انھوں نے یہ روایت محمد بن اسحٰق (المتوفی ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ) سے نقل کی۔ بخاری شریف میں ان کی بہت سی تاریخی روایات منقول ہیں مگر یہ متنازعہ فیہ شخصیت ہیں کیونکہ حلّت وحُرمت یا جائز و ناجائز ظاہر کرنے والی روایات میں ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا جب کہ یہ متفرد ہوں۔ ہاں اگر کوئی دوسرا ثقہ راوی بھی ان کی روایت کے ساتھ روایت کرے تو پھر ان کی روایت

قابلِ قبول ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر امام کے پیچھے مقتدی کے قرأت کرنے کی روایت اس راوی سے متفرد ہے لہٰذا یہ قابل قبول نہیں ہے۔ ائمہ حدیث نے ان پر سخت جرح کی ہے۔ ہاں ان کی تاریخی روایات یا فضائل سے متعلق روایات قابلِ قبول ہیں۔ یہ روایت بھی چونکہ دوسرے ثقہ راوی سے بھی منقول ہے۔ لہٰذا اس کو بھی قبول کر لیا گیا ہے۔

عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ ابن اسحٰق نے یہ روایت محمد بن منکدر (المتوفی ۱۳۰ھ) سے اخذ کی جو کہ تابعین میں سے ہیں۔ عَنْ جَابِرٍ اُن کے استاذ حضرت جابر بن عبداللہؓ (المتوفی ۷۴ھ) ہیں۔ یہ دونوں باپ بیٹا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں اور ان سے بہت سی روایات منقول ہیں۔

سُرمہ استعمال کرنے کی تاکید

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عَلَیْکُمْ بِالْاِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ۔ لوگو! سوتے وقت اثمد سُرمہ کے استعمال کو لازم پکڑو۔ فَاِنَّہٗ یَجْلُو الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ کیونکہ اس سُرمہ کا استعمال آنکھوں کی بینائی کو روشن اور پلکوں کی افزائش کو بڑھاتا ہے۔

اس سُرمہ کے استعمال سے متعلق تقریباً یہی مضمون پچھلی دو روایات میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خود بھی اس کو استعمال کیا کرتے تھے اور آپ نے دوسروں کو بھی اس کے استعمال کی ترغیب دی ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَيْرَ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۱)

ترجمہ: "ہمارے پاس قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن مفضّل نے خبر دی۔ انھوں نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے یہ روایت اخذ کی۔ انھوں نے سعید بن جبیر سے نقل کیا اور انھوں نے یہ روایت صحابی رسول عبداللہ بن عباسؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے حق میں بہتر سُرمہ اثمد ہے۔ جو نظر کو روشن کرتا ہے اور پلکوں کو اُگاتا ہے۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ کہ ہمارے سامنے یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ یہ ثقہ راوی ہیں اور ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ قَالَ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کی خبر بشر بن مفضّل نے دی۔ یہ عظیم المرتبت امام اور ثقہ راوی ہیں بڑے عبادت گزار انسان تھے۔ علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ یہ امام اپنے دوسرے معمولات کے علاوہ چار سو نفل روزانہ ادا کرتے تھے۔ نیز یہ صاحب ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ یہ ۱۸۷ھ میں فوت ہوئے۔ یہ مسلمانوں کی ترقی کا زمانہ تھا اور اُس دور میں ایسے ہی بڑے بڑے متقی، پرہیزگار اور عبادت گزار آدمی ہوئے ہیں سفارینیؒ نے شرح ثلاثیات مسند احمد میں لکھا کہ امام احمدؒ جوانی کی عمر میں روزانہ تین سو پچاس (۳۵۰) رکعات نوافل ادا کرتے تھے۔ پھر جب بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں

اور جسم میں ضعف آگیا تو آخر عمر تک دو سو پچاس رکعات سے کم نوافل ادا نہیں کیے۔
عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَیْمٍ بشر بن مفضّل نے یہ روایت عبداللہ بن عثمان بن خثیم (المتوفی ۱۳۲ھ) سے سماعت کی تھی یہ بھی مقبول راوی ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی ان سے روایات لی ہیں۔ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ انھوں نے یہ روایت سعید بن جبیر (المتوفی ۹۵ھ) سے نقل کی۔ یہ مشہور و معروف عالم المحدث اور فقیہہ تابعی ہیں جنکو افضل التابعین بھی کہا جاتا ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا انکے استاذ حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی رسول ہیں جنکے واسطہ سے انھوں نے یہ روایت بیان کی سعید بن جبیر ان ہزاروں مظلوموں میں سے ایک ہیں جنکو حجاج بن یوسف نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کے ظلم کا شکار ہونے والے اکابر صحابہ، تابعین، ائمہ اور پیشوا ہیں۔ اموی دور کا یہ کلمہ گو گورنر بڑا سخت گیر تھا اور معمولی معمولی بات پر بھی لوگوں کے سر قلم کر دیتا تھا مشہور ہے کہ جب سعید بن جبیرؒ کی گردن پر تلوار چلائی گئی تو وہ جسم سے کٹ کر دور جا گری اور کافی دیر تک اس سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

بہترین سرمہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ قَالَ کہتے ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ تمہارے لیے بہترین سرمہ اثمد ہے۔ یَجْلُو الْبَصَرَ جو نظر کو روشن کرتا ہے یعنی انسان کی بینائی کو تیز کرتا ہے وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ اور پلکوں کو اگاتا ہے۔ یہ مضمون پچھلی روایات میں بیان ہو چکا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی اثمد یعنی اصفہانی سرمہ استعمال کرتے تھے جو کہ سرخی مائل ہوتا ہے اور اس کے استعمال کی صحابہؓ کو بھی ترغیب دیا کرتے تھے۔

درس - ۱۵　　　　حدیث - ۵

حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ۔

(ترمذی مع شمائل صا۵۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس ابراہیم بن مستمر بصری نے بیان کیا۔ اُن کے پاس ابو عاصم نے عثمان بن عبد الملک کے حوالے سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت سالم سے اور انھوں نے اپنے اُستاذ عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! اثمد سُرمہ کو لازم پکڑو کیونکہ یہ بصارت کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کی افزائش کرتا ہے۔"

سندحدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْبَصْرِیُّ کہ یہ حدیث ہمارے سامنے ابراہیم بن مستمر بصری نے بیان کی۔ امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ یہ صدوق راوی ہیں۔ ان کے علاوہ ابوداؤد، مصنف اور ابنِ ماجہ نے بھی ان سے روایات نقل کی ہیں حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ ابراہیم نے یہ روایت ابو عاصم سے حاصل کی۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ اور انھوں نے اسے عثمان بن عبد الملک کے حوالے سے نقل کیا۔ عَنْ سَالِمٍ انھوں نے یہ روایت سالم (المتوفی ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ) سے حاصل کی۔ یہ عبداللہ بن عمرؓ (المتوفی ۷۴ھ) کے فرزند ہیں جو جلیل القدر تابعی اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں۔ آپ نہایت متقی اور عبادت گزار انسان تھے۔ آپ سے محدثین کی ایک جماعت نے روایات نقل کی ہیں۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ یہ اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

سے روایت کرتے ہیں ۔

اثمد سُرمہ لگانے کی ترغیب

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا عَلَیْکُمْ بِالْاِثْمِدِ لوگو! اثمد سرمہ کے استعمال کو لازم پکڑلو۔ فَاِنَّہٗ یَجْلُو الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ کیونکہ یہ سرمہ آنکھوں کو جلا بخشتا ہے اور پلکوں کی افزائش میں ممد ہوتا ہے۔ اس مضمون کی احادیث پہلے بھی گزر چکی ہیں ۔

(۸) بَابُ مَاجَاءَ فِی لِبَاسِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس کے بارے میں"

اس باب میں امام ترمذیؒ نے وہ سولہ احادیث جمع کی ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس سے متعلق ہیں کہ آپ کس قسم کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ اور لباس کے آداب کیا ہیں؟ اس ضمن میں کچھ دیگر ضروری باتیں بھی آگئی ہیں۔

دراصل لباس وہ ہوتا ہے مَا یُلْبَسُ جس کو پہنا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے لباس کی تخلیق میں دو مصلحتیں رکھی ہیں۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ط (اعراف: ۲۶) اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا ہے جو کہ تمہاری ستر پوشی اور زینت کا ذریعہ ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[1]: اَللِّبَاسُ زِیْنَۃٌ وَالْعُرْیُ شَیْنٌ۔ یعنی انسان کے لیے لباس زینت کا باعث ہے جبکہ عریانی ایک عیب ہے۔ سارے انسانی معاشرہ میں برہنگی کو عیب ہی سمجھا جاتا ہے۔ خواہ کوئی مومن ہو یا کافر، کوئی معاشرہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، کوئی مہذب دنیا کا باشندہ ہو یا جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے والا ہو، غرضیکہ برہنگی ایک عیب ہے اور ہر شخص اپنا ستر ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود جب آدم علیہ السلام اور اُنکی بیوی نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا تو اُن کا جنتی لباس اُتر گیا اور دونوں کو سخت شرمندگی کا احساس ہوا۔ وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ط (اعراف: ۲۲) تو انھوں نے جنت کے درختوں کے پتوں کے ساتھ اپنی ستر پوشی کی۔ غرضیکہ ستر پوشی انسانی فطرت میں داخل ہے۔ جبکہ عریانی خلافِ فطرت ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صہ ۲؎ (فیاض)

لباس کی کئی قسمیں ہیں :

۱۔ واجب : وہ لباس ہے جو انسان کے اعضائے مستورہ کی ستر پوشی کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ حرام : وہ لباس ہے جس کا پہننا قطعی طور پر حرام ہے مثلاً مردوں کے لیے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے جبکہ عورتوں کے لیے جائز ہے۔

۳۔ مستحب : وہ لباس ہے جو شریعت میں پسندیدہ شمار کیا جاتا ہے جیسے عیدین کے موقع پر صاف ستھرا اور اچھا لباس پہننا، یا جمعہ کے دن اچھا لباس پہننا۔

۴۔ مکروہ : صاحبِ حیثیت آدمی اگر میلا کچیلا یا پھٹا پرانا لباس استعمال کرتا ہے تو وہ اس کے لیے مکروہ ہے۔ ایسے شخص کے لیے اللہ نے اچھا لباس پہننے کا حکم دیا ہے جو اس کی حیثیت کے مطابق ہو۔

۵۔ مباح : وہ لباس ہے جو نہ تو ضروری ہو اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہو۔ بخاری شریف کی روایت[۱] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ اِلْبَسُوْا مَاشِئْتُمْ مَالَمْ یَکُنْ مَّخِیْلَۃٌ وَّلَا سَرَفٌ۔ ہر قسم کا لباس پہن سکتے ہو بشرطیکہ اس سے غرور و تکبر کا اظہار نہ ہوتا ہو اور نہ ہی یہ اسراف یعنی فضول خرچی میں شمار ہوتا ہو۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لباس سے متعلق احادیث بیان کرنے سے پہلے میں نے عام انسانی لباس سے متعلق چند ایک ضروری باتیں عرض کر دی ہیں۔ اب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اپنے لباس سے متعلق جو احادیث امام ترمذیؒ نے جمع کی ہیں، وہ آرہی ہیں۔

---

[۱] نیز قال ابن عباسؓ کل ماشئت والبس ماشئت ما اخطأتك اثنتان سرف او مخیلۃ۔ بخاری صفحہ ۸۶/۲ج (رفیاض)

درس - ۱۶ حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ اَنْبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى وَاَبُوْ تُمَيْلَةَ وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۲۵۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا محمد بن حمید رازی نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی فضل بن موسیٰ اور ابو تمیلہ اور زید بن حباب نے انھوں نے یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد سے اور انھوں نے عبداللہ بن بریدۃ سے اخذ کی وہ یہ روایت ام المؤمنین اُمِّ سلمۃؓ سے نقل کرتے ہیں، اُمِّ سلمۃؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ کپڑا قمیص تھی۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن حمید رازی نے بیان کی۔ ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں اَنْبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى وَاَبُوْ تُمَيْلَةَ وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ کہ ہمارے پاس فضل بن موسیٰ (المتوفی ۱۹۱ھ یا ۱۹۲ھ) ابو تمیلہ اور زید بن حباب (المتوفی ۲۰۳ھ) نے خبر دی۔ فضل بن موسیٰ صغار تابعین میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔ ابو تمیلہ بھی ثقہ راوی ہیں۔ زید بن حباب حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں۔ ان تینوں رواۃ نے یہ حدیث عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ۔ عبدالمؤمن بن خالد سے نقل کی ہے۔ یہ بھی صدوق راوی ہیں۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ اور انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن بریدۃ سے اخذ کی۔ ان کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ

وہ اُمّ المؤمنین امّ سلمہؓ (المتوفاۃ ۶۳ھ) سے روایت بیان کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس

قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقَمِیْصَ امّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو لباس کے کپڑوں میں سے قمیص بہت پسند تھی۔ آگے دوسری روایت میں چادر کی پسندیدگی کا ذکر بھی آرہا ہے۔ یہ کوئی تعارض والی بات نہیں ہے۔ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ آپ کو سلے ہوئے لباس میں سے قمیص زیادہ پسند تھی اور اَن سلے کپڑوں میں چادر زیادہ پسندیدہ تھی۔ خاص طور پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دھاری دار چادر بہت پسند تھی۔ لباس انسان کی ستر پوشی بھی کرتا ہے اور زینت کا باعث بھی ہے جیسا کہ پہلے مَیں نے باب کی تشریح میں عرض کر دیا ہے۔

درس - ۱۶　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فضل بن موسیٰ نے بیان کیا۔ اُنھوں نے یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد سے اور انھوں نے عبداللہ بن بریدۃ سے نقل کی انھوں نے یہ روایت اُمّ المؤمنین اُمِّ سلمۃؓ سے اخذ کی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو لباس کے کپڑوں میں قمیص زیادہ پسند تھی ۔"

تشریح یہ روایت بھی پہلی روایت کے الفاظ کے ساتھ ہی منقول ہے۔ البتہ سندِ حدیث میں قدرے فرق ہے۔ پہلی روایت کے راویان محمّد بن حمید رازی، فضل بن موسیٰ، ابوتمیلۃ اور زید بن حباب تھے۔ اس کے بعد یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد، عبداللہ بن بریدۃ اور اُمّ المؤمنین اُمّ سلمۃؓ سے منقول ہے۔ تاہم یہ دوسری روایت علی بن حجر، فضل بن موسیٰ اور آگے عبدالمؤمن، عبداللہ بن بریدۃ اور ام سلمۃؓ سے منقول ہے۔ مضمون بعینہٖ پہلی روایت والا ہے۔

درس - ۱۶
حدیث - ۳

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ تُمَيْلَةَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْقَمِيْصَ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰكَذَا قَالَ زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِىْ تُمَيْلَةَ مِثْلَ رِوَايَةِ زِيَادِ بْنِ اَيُّوْبَ وَاَبُوْ تُمَيْلَةَ يَزِيْدُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ اُمِّهٖ وَهُوَ اَصَحُّ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس زیاد بن ایوب بغدادی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ابو تمیلۃ نے بیان کیا۔ انھوں نے عبدالمؤمن بن خالد سے انھوں نے عبداللہ بن بریدۃ سے ان کی والدہ کے حوالے سے اور انھوں نے امّ المؤمنین امّ سلمۃؓ سے روایت بیان کی۔ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہننے والے کپڑوں میں قمیص سب سے زیادہ پسند تھی۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ زیاد بن ایوب نے اپنی روایت کی سند اس طرح بیان کی ہے کہ عبداللہ بن بریدۃ نے اپنی ماں کے حوالے سے اور انھوں نے امّ المؤمنین امّ سلمۃؓ سے یہ روایت نقل کی ہے اور متعدد لوگوں نے ابو تمیلہ سے زیاد بن ایوب کی روایت کے موافق نقل کیا ہے اور ابو تمیلۃ نے عبداللہ بن بریدۃ کے بعد اُن کی والدہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور یہی سند

زیادہ صحیح ہے۔"

تشریح اس حدیث کا مضمون بھی پچھلی دو احادیث کے مطابق ہی ہے۔ البتہ سند میں کچھ فرق ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہ مختلف اسناد بیان کردی ہیں اور پھر اُن میں سے ایک روایت کو ترجیح بھی دے دی ہے کہ یہ زیادہ صحیح ہے جو کہ ابو تمیلہؒ نے عبداللہ بن بریدہؒ سے ان کی والدہ کے حوالے سے ام المؤمنین امِّ سلمہؓ سے نقل کی ہے۔ روایت کا مطلب وہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو لباس میں سے قمیص زیادہ پسندیدہ تھی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ بُدَيْلِ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الرُّسْغِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا عبداللہ بن محمد بن حجاج نے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس معاذ بن ہشام نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرے باپ نے بدیل عقیلی کے حوالے سے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اور انھوں نے اسماء بنتِ یزیدؓ سے اخذ کی ۔ یہ صحابیہ رسُول کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کی آستین پونہچے تک ہوتی تھی ۔"

سند حدیث امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن محمد بن حجاج (المتوفی ۲۵۵ھ) نے بیان کی ۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت معاذ بن ہشام (المتوفی ۲۰۰ھ) نے بیان کی ۔ یہ ثقہ راوی ہیں ۔ ابوداؤد طیالسی کہتے ہیں کہ معاذ بن ہشام امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور تھے انھوں نے اور بھی بہت سی روایات بیان کی ہیں ۔ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ بُدَيْلِ الْعُقَيْلِيِّ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ روایت میرے باپ (ہشام المتوفی ۱۵۴ھ) نے بدیل عقیلی (المتوفی ۱۳۰ھ) کے حوالے سے بیان کی ۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں ۔ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ انھوں نے یہ روایت شہر بن حوشب (المتوفی ۱۰۰ یا ۱۱۱ یا ۱۱۲ھ)

سے نقل کی ہے۔ امام مسلمؒ تو اس راوی کو ضعیف سمجھتے ہیں کیونکہ لوگوں نے شہر پر تیر مارے ہیں یعنی اس پر طعن کیا ہے کہ یہ راوی ٹھیک نہیں ہے۔ تاہم امام ترمذیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ راوی قابلِ لحاظ ہے۔ لہٰذا انھوں نے اسکی روایات نقل کی ہیں۔ چونکہ اس شخص کے متعلق ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ لہٰذا یہ شخص متنازعہ فیہ ہی سمجھا جائے گا۔ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ یَزِیْدَ انھوں نے یہ روایت اسماء بنتِ یزیدؓ سے اخذ کی جو مشہور صحابیہ رسول ہیں۔ کسی جنگ کے دوران حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی یہ صحابیہ اپنے خیمہ میں اکیلی موجود تھیں۔ اس دوران میں بعض کافران کے خیمہ پر حملہ آور ہوئے۔ مگر اللہ کی اس بندی نے خیمہ کا بانس اکھاڑ لیا اور تن تنہا کفار کا مقابلہ کر کے نو کافروں کو جہنم رسید کیا۔ اللہ نے ان کو اتنی ہمّت اور حوصلہ عطا کیا تھا۔

حضورؐ کی قمیص کی آستین مبارک

قَالَتْ کَانَ کُمُّ قَمِیْصِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الرُّسْغِ

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی یہ صحابیہ بیان کرتی ہیں کہ آپ کی قمیص مبارک کی آستین مبارک کلائی کے پونہچے تک تھی۔ بعض روایات میں ہتھیلی تک پہنچنے کا ذکر بھی آیا ہے تھوڑی بہت لمبائی تو درست ہے مگر بہت زیادہ لمبی آستین اسراف میں داخل ہے۔ ان دونوں روایات کا تعارض اس طرح رفع ہو سکتا ہے بعض اوقات نیا کپڑا سلواتے وقت ذرا لمبا رکھ لیا جاتا ہے کیونکہ وہ دھونے سے سکڑ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ تفاوت اسی بات کی غمازی کرتا ہو۔ یعنی جب آپ نے پہلی دفعہ قمیص پہنی تو اس کی آستین قدرے لمبی تھی مگر بار بار کے دھونے سے سکڑ کر کلائی کے پونہچے تک رہ گئی ہو اور راویوں نے جس حالت میں آپ سے ملاقات کی اُسکے مطابق بیان کر دیا۔

لباس کی مختلف قسمیں

اس باب کے آغاز میں میں نے لباس کے متعلق بتلایا تھا کہ اسکی مختلف قسمیں ہیں یعنی واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔

مستحب لباس سے مراد ایسا سادہ لباس ہے جس میں تکلّف کو دخل نہ ہو۔ ویسے بھی ابنِ ماجہ شریف کی روایت میں ہے۔ اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ (ص۳۱۳) یعنی سادگی ایمان کا حصّہ ہے۔ تکلّف میں ہمیشہ تکلیف ہوتی ہے۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام عام حالات میں سادہ لباس پہنتے تھے۔ البتہ بعض مواقع پر آپ نے قیمتی لباس بھی زیبِ تن کیا ہے اگر کبھی ہدیہ کے طور پر کوئی قیمتی لباس مثلاً قمیص، جبّہ یا چادر وغیرہ آ گئی تو آپ نے اُس کو قبول فرمایا اور زیبِ تن بھی کیا ہے۔ تکلّف اختیار کرنا مترفین کا شیوہ ہے، جو کھانے، لباس، رہائش اور سواری وغیرہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی چاہتے ہیں۔ تاہم ہر اہلِ ایمان کو تکلّف سے بچنا چاہیے اور جیسی بھی چیز مل جائے استعمال کر لینی چاہیے۔ تاہم فِیْ بَعْضِ الْاَحْیَانِ قیمتی لباس بھی آپ نے پہنا ہے اور یہ بھی رَوا ہے ابنِ حبان اور بعض محدثین اور بعض صاحبانِ اسماء الرجال نے قیمتی لباس بھی پہننے کا ذکر کیا ہے۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک جوڑا ستائیس[۲۷] اونٹنیوں یا بتیس[۳۲] اونٹنیوں کے عوض خرید کر بھی پہنا ہے۔ بلاشبہ وہ عُمدہ لباس تھا مگر ریشم کا نہیں بلکہ پشم کا بنا ہوا تھا، اس کی بناوٹ بھی اچھی تھی۔ ایسا لباس بھی جائز ہے مگر مستحب لباس وہی ہے جو سادہ ہو۔ تاہم عام حالات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سادہ مگر خاص مواقع پر عمدہ لباس بھی پہنا ہے۔ مَیں نے عرض کیا تھا کہ سورۃ الاعراف میں اللہ کا فرمان ہے کہ اُس نے تمھارے لیے لباس نازل کیا ہے جو کہ تمھاری ستر پوشی اور زینت کا باعث ہے مگر وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ (آیت ۲۶) بہتر لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ لباس التقویٰ کی دو تفاسیر بیان کی گئی ہیں یعنی ایک تو وہ لباس سادہ ہو اور دوسرے حیاداری کا مظہر ہو۔ بزرگانِ دین میں عام بزرگ مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (المتوفی ۵۶۱ھ)، خواجہ معین الدین چشتیؒ (المتوفی ۶۳۳ھ) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ وغیرہم معمولی کھدر کا بنا ہوا موٹا اور سادہ لباس پہنتے تھے مگر بعض بزرگان مثلاً مولانا اشرف علی تھانویؒ اور بعض مشائخ اچھا لباس زیبِ تن کرتے تھے۔ ان

کی قمیص عمدہ اور قیمتی ہوتی تھی، قیمتی لٹھے کا پاجامہ اور اچھا رومال استعمال کرتے تھے مگر مکروہ یا حرام لباس کے قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ بھی اچھا لباس پہنتے تھے کسی نے کہا کہ آپ لوگوں میں معزز و محترم شخصیت ہیں مگر قیمتی لباس پہنتے ہیں، یہ کہاں تک روا ہے؟ جواب دیا کہ میں قیمتی لباس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے پہنتا ہوں۔ فرمایا اس قسم کا لباس پہن کر میری وضع قطع اور ہیئت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتی ہے جب کہ پھٹا پرانا لباس پہن کر تیری ہیئت یہی کہتی معلوم ہوتی ہے کہ خدا کے لیے مجھے کوئی چیز دو۔ تو گویا اچھا لباس پہننے سے اللہ کا شکر ادا ہوتا ہے، لہٰذا عمدہ لباس پہننے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

درس - ۱۶ باب - ۸

حدیث - ۵

حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ اَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُشَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهٗ وَاِنَّ قَمِيْصَهٗ لَمُطْلَقٌ اَوْ قَالَ زِرُّ قَمِيْصِهٖ مُطْلَقٌ قَالَ فَاَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيْصِهٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۷۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا ابوعمار حسین بن حریث نے ۔ اُنکے سامنے خبر دی ابونعیم نے ۔ اُنکے پاس خبر دی زہیر نے عروہ بن عبداللہ بن قشیر کے حوالے سے ۔ اُنھوں نے یہ روایت معاویہ بن قرۃ سے اُنکے باپ کے حوالے سے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں قبیلہ مزینہ کے ایک گروہ کے ساتھ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہُوا تاکہ ہم آپ کے دستِ مُبارک پر اسلام کی بیعت کریں ۔ کہتے ہیں کہ اُس وقت آپ کی قمیص کا بٹن کھلا تھا ۔ پس مَیں نے آپ کی قمیص کے گریبان میں ہاتھ داخل کیا ، اور مہر نبوت کو چھُوا ۔"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ کہ ہمارے پاس یہ روایت ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کی۔ اَخْبَرَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی ابونعیم نے اَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُشَيْرٍ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث زُہیر نے عروۃ بن عبداللہ بن قشیر کے حوالے سے بیان کی۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ عروہ کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ روایت معاویہ بن قرۃ ــــــ (المتوفی ۱۱۳ھ) سے ان کے والد (قرہ المتوفی ۶۴ھ) کے واسطہ سے نقل کی۔

اس سند میں ابو عمار، اور ابو نعیم اور زہیر کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ عُروۃ بن عبداللہ بن قشیر بھی ثقہ راوی ہیں۔ معاویہ بن قرۃ صحابی ہیں۔ انھوں نے یہ روایت اپنے باپ سے نقل کی ہے۔ گویا یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے رسول کے صحابی ہیں۔

قمیص کا کھلا بٹن

قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ۔ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ میں قبیلہ مُزینہ کے ایک گروہ کے ساتھ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ ہمارا مقصد یہ تھا لِنُبَايِعَهٗ کہ ہم آپ کے دستِ مُبارک پر اسلام کی بیعت کریں یعنی کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آجائیں۔ یہ اس صحابی کی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے پہلی ملاقات تھی۔ کہتے ہیں کہ اُس وقت وَاِنَّ قَمِيْصَهٗ لَمُطْلَقٌ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قمیص مبارک کا ایک بٹن کھلا ہُوا تھا۔ بیان کرنے والے راوی کو تردّد ہے کہ صحابی رسول نے مذکورہ بالا الفاظ کہے تھے۔ اَوْ قَالَ زِرُّ قَمِيْصِهٖ مُطْلَقٌ یا یوں کہا تھا۔ بہر حال معنیٰ ایک ہی ہے کہ اس صحابی کی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ پہلی ملاقات پر انھوں نے دیکھا کہ آپ کی قمیص کا ایک بٹن کھلا ہُوا تھا۔ یہ اُوپر والا بٹن تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت آپ کی قمیص میں زیادہ بٹن ہوں۔ جن میں سے اوپر والا ایک کھلا تھا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ ان دونوں صحابی یعنی معاویہ بن قرۃ اور اس کے باپ نے عُمر بھر اپنی قمیصوں کے اوپر والے بٹن کُھلے ہی رکھے ہیں۔ یہ سُنّت رسُول کے ساتھ ان کی محبت کا اظہار تھا جو انھوں نے ساری عمر جاری رکھا۔

آگے یہ صحابی بیان کرتا ہے قَالَ فَاَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ

فَمِیصِہٖ کہ میں نے اپنا ہاتھ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قمیص کے گریبان میں ڈالا۔ فَمَسِسْتُ الْخَاتِمَ اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان موجود مُہرِ نبوت کو چھُوا۔ ظاہر ہے کہ صحابی کا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گریبان میں ہاتھ داخل کرنا آپ کی اجازت سے ہی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی رسُول کا مقصد ہی مُہرِ نبوّت کا مشاہدہ ہو اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود اجازت دے کر صحابی کی خواہش پوری کر دی ہو کیونکہ بلا اجازت گریبان میں ہاتھ ڈالنا تو خلافِ تہذیب ہے اور کسی صحابی سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

باب - ۸

شمائل ترمذی

حدیث - ۶

درس - ۱۶

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ الشَّهِيْدِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ فَصَلَّى بِهِمْ قَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ سَأَلَنِيْ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَوَّلَ مَا جَلَسَ إِلَيَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَقَالَ لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ فَقُمْتُ لِأُخْرِجَ كِتَابِيْ فَقَبَضَ عَلَى ثَوْبِيْ ثُمَّ قَالَ أَمْلِهِ عَلَيَّ فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ لَّا أَلْقَاكَ فَأَمْلَيْتُهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ أَخْرَجْتُ كِتَابِيْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۲)

ترجمہ: ہمارے پاس عبد بن حمید نے خبر دی۔ اُن کے پاس محمد بن فضل نے اور اُن کے پاس حماد بن سلمۃ نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت حبیب بن شہید سے اور انھوں نے حسن سے اخذ کی۔ وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اسامہ بن زیدؓ کے کندھے کا سہارا لیے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ اُس وقت آپ کے اُوپر قطر کا ساختہ کپڑا تھا جسے آپ نے کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ پہلی دفعہ یحییٰ بن معین جب میرے پاس

آکر بیٹھے تو انھوں نے سب سے پہلے مجھ سے اسی حدیث کے متعلق سوال کیا۔ پس میں نے کہنا شروع کیا کہ ہمارے پاس حماد بن سلمہ نے بیان کیا تو یحییٰ بن معین کہنے لگے کاش کہ یہ حدیث آپ اپنی کتاب سے پڑھ کر سُناتے۔ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ میں کتاب لینے کے لیے جانے لگا تو یحییٰ بن معین نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور پھر کہا مجھے زبانی ہی لکھوا دو شاید میں آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں۔ چنانچہ میں نے یہ حدیث زبانی ہی سُنا دی۔ پھر میں اپنی کتاب لے کر آیا اور کتاب سے پڑھ کر بھی سُنا دیا۔"

سندِ حدیث

امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ ہمارے پاس عبد بن حمید (المتوفی ۲۴۹ھ) نے بیان کیا۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ انھوں نے یہ محمد بن فضل (المتوفی ۲۲۴ھ) سے سُنی۔ یہ دونوں راوی حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں۔ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث حماد بن سلمہ نے بیان کی۔ یہ بھی ثقہ راوی اور بڑے امام ہیں۔ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ الشَّھِیْدِ انھوں نے یہ روایت حبیب بن شہید (المتوفی ۱۴۵ھ) سے اخذ کی جو کہ بڑے ثقہ راوی ہیں۔ عَنِ الْحَسَنِ انھوں نے یہ روایت حسن بصری سے حاصل کی۔ یہ بہت بڑے امام ہیں اور ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وہ یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ صحابی رسول سے نقل کرتے ہیں۔

قطری چادر کا استعمال

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اس حالت میں وَھُوَ مُتَّکِیٌٔ عَلٰی اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ کہ آپ اسامہ بن زیدؓ (المتوفی ۵۴ھ) کے کندھے کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ بیماری کی حالت تھی اور آپ کو چلنے میں دقّت پیش آ رہی تھی لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کے کندھے

پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس قسم کے مختلف مواقع کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ یہاں اسامہؓ بن زیدؓ کا سہارا لینے کا تذکرہ ہے۔ دوسری جگہ حضرت علیؓ، قثمؓ اور فضل بن عباسؓ کا ذکر بھی آتا ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضرت اسامہؓ کے کندھے کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے تو اُس وقت عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ آپ کے اُوپر قطر کا ساختہ کپڑا تھا جسکو آپ نے کندھے پر ڈال کر نیچے کی طرف لٹکایا ہوا تھا۔ اُس زمانہ میں قطر، یمن، مصر وغیرہ کے کپڑے مشہور تھے یہاں بھی انگریزی دور میں مانچسٹر کا لٹھا اور بنگال کی ململ مشہور تھی۔ بہر حال آپ نے قطر کا بنا ہوا کپڑا یعنی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وشاخ دراصل ایسے کپڑے یا چادر کو کہتے ہیں جو ہار کی طرح گردن کے اُوپر سے کندھوں پر ڈال کر نیچے کی طرف لٹکا لیا جائے۔ اس حالت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام گھر سے باہر تشریف لائے۔ فَصَلّٰى بِهِمْ اور اسی حالت میں آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی میں کئی مواقع پر آپ نے بیماری کی حالت میں ہی نماز پڑھائی۔ تاہم زندگی کے آخری ایام میں آپکی بجائے آپ ہی کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔

سماعت حدیث کا اشتیاق

قَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ امام ترمذیؒ کے استاذ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ سَأَلَنِيْ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَوَّلَ مَا جَلَسَ إِلَيَّ کہ یحیٰ بن معین نے بیٹھتے ہی مجھ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا۔ یہ یحیٰ بن معین (المتوفی ۲۸۳ھ) وہی امام ہیں جو امام الجرح والتعدیل کہلاتے ہیں اور جنھوں نے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق کی ہے، امام بخاریؒ انکے شاگرد ہیں۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یحیٰ بن معین سے حدیث سننا شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ گویا دلوں کے روگ دُور کرنے والی بات ہے۔ انکی فضیلت سے متعلق ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ جب یہ فوت ہوئے تو انھیں اُسی چارپائی پر غسل دیا گیا جس چارپائی پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو غسل دیا گیا تھا بہرحال یہ بڑی فضیلت والے ثقہ راوی اور محدث ہیں۔

تو یحییٰ بن معین کا حدیث سُننے کا اشتیاق اس قدر زیادہ تھا کہ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ جونہی یہ میری مجلس میں آکر بیٹھے تو انھوں نے مجھ سے سب سے پہلے اسی حدیث کے متعلق پوچھا۔ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ تو میں نے اس طرح حدیث بیان کرنا شروع کی کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا۔ آپ اُس وقت یہ حدیث زبانی سُنا رہے تھے۔ فَقَالَ لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ یحییٰ بن معین نے کہا کہ کتنا اچھا ہوتا اگر آپ یہ حدیث اپنی کتاب سے پڑھ کر سُنا دیتے۔ مطلب یہ تھا کہ زبانی سُنانے میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے اور اگر کوئی چیز نوٹ بُک سے دیکھ کر پڑھ دی جائے تو پھر غلطی کا امکان نہیں رہتا۔ بہرحال محمد بن فضل کہتے ہیں فَقُمْتُ لِأُخْرِجَ كِتَابِي کہ میں امام یحییٰ کا اشتیاق دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہُوا تا کہ میں اپنی کتاب لے آؤں مگر اسی دوران میں فَقَبَضَ عَلَى ثَوْبِي اس نے میرا کپڑا پکڑ لیا یعنی مجھے جانے سے روک دیا۔ ثُمَّ قَالَ أَمْلِهِ عَلَيَّ اور کہا کہ خدارا ابھی یہ حدیث مجھے زبانی ہی لکھوا دو۔ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَلْقَاكَ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ ایک مرتبہ کتاب لانے کے لیے چلے گئے تو شاید پھر میں آپ سے ملاقات نہ کر سکوں اور میں اس حدیث کی سماعت سے محروم ہی رہ جاؤں۔ دوبارہ عدمِ ملاقات کا ڈر اس وجہ سے تھا کہ ہو سکتا ہے کہ اس عرصہ میں میں فوت ہو جاؤں یا آپ ہی باقی نہ رہیں کیونکہ موت کا وقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور ممکن ہے یہ اسی دوران میں ہو اور میں یہ حدیث نہ پا سکوں۔

محمد بن فضل کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین کے اصرار پر میں نے یہ حدیث اُنکو زبانی ہی سُنا دی۔ ثُمَّ أَخْرَجْتُ كِتَابِي اسکے بعد میں اپنی کتاب لے کر آیا۔ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ اور یہ حدیث کتاب سے پڑھ کر بھی یحییٰ بن معین کو سُنا دی۔ قابلِ فکر بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو حدیثِ رسول سے کس قدر محبت تھی اور دُنیا کی بے ثباتی پر بھی کس قدر یقین تھا۔

باب - ۸

درس - ۱۷

حدیث - ۷

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اِيَاسٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْ قَمِيْصًا اَوْ رِدَآءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْاَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْنُسَ الْكُوْفِيُّ اَنْبَاَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكِ الْمُزَنِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۲)

ترجمہ :- ہمارے پاس سوید بن نصر نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا ہمارے پاس عبداللہ بن مبارک نے خبر دی۔ انھوں نے سعید بن ایاس جریری سے اور انھوں نے ابی نضرۃ سے اور انھوں نے ابوسعید خدریؓ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے یعنی عمامہ، قمیص یا چادر وغیرہ اور پھر یوں کہتے اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں کیونکہ تو نے ہی مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔ میں تجھ سے اس کپڑے کی اور اس چیز کی بھلائی طلب کرتا ہوں جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے، اور میں تیری ذات کی پناہ چاہتا ہوں اس کپڑے کے شر

سے اور اُس چیز کے شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔
ہمارے پاس بیان کیا ہشام بن یونس کوفی نے ، ان کو خبر دی قاسم بن مالک مزنی نے اس نے جریری کے حوالے سے، انھوں نے یہ روایت ابو نضرۃ سے اور انھوں نے ابو سعید خدریؓ سے نقل کی۔ انھوں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اسی مضمون کی روایت بیان کی۔"

سندِ حدیث یہ حدیث دو اسناد سے امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے۔ پہلی سند کے راویان سوید بن نصر، عبداللہ بن مبارک، سعید بن ایاس (المتوفی ۱۴۴ھ) نے جریری سے، ابی نضرۃ اور صحابی رسول ابو سعید خدریؓ سے۔ امام ترمذیؒ دوسری سند اس طرح بیان کرتے ہیں، ہشام بن یونس کوفی (المتوفی ۲۵۳ھ)، قاسم بن مالک مزنی (المتوفی بعد ۱۹۰ھ) جریری، ابو نضرۃ اور ابو سعید خدریؓ۔ یہ سارے ثقہ راوی ہیں۔

نیا کپڑا پہننے کی دُعا قَالَ ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے۔ سَمَّاہُ بِاِسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْ قَمِیْصًا اَوْ رِدَآءً تو اس کپڑے کا نام لیتے مثلاً عمامہ، قمیص یا چادر وغیرہ اور پھر یہ دُعا کرتے۔ جس کے الفاظ آگے آرہے ہیں۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا زیبِ تن فرماتے تو پُرانا کپڑا کسی محتاج کو صدقہ کر دیتے تاکہ اس کا بھی ثواب حاصل ہو جائے۔ گویا یہ بھی ایک سنت طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص نیا کپڑا حاصل کرے تو جس پرانے کپڑے کی جگہ اس نئے کپڑے نے حاصل کی ہے، اُسے کسی ایسے محتاج کو دے دے جس کو پرانا کپڑا بھی میسّر نہیں۔ ایسا کرنے سے محتاج کی ستر پوشی ہو جائے گی اور صدقہ کرنے والے کو ثواب بھی حاصل ہو گا۔

بہرحال راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نیا کپڑا پہن کر اللہ تعالیٰ کا یوں شکریہ ادا کرتے، نیز یہ دُعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں کیونکہ تو نے ہی یہ کپڑا مجھے پہننے کے لیے عطا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ میرے بس میں نہیں تھا کہ نیا کپڑا حاصل کر سکتا، یہ تو تیری ہی مہربانی سے حاصل ہوا ہے، اس لیے میرے لیے لازم ہے کہ مَیں تیری ہی تعریف کروں اور تیرا ہی شکر ادا کروں۔ اس مقام پر لفظ کَمَا تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ علت کے طور پر آیا ہے۔ یعنی اس موقع پر مَیں تیری تعریف اس لیے بیان کرتا ہوں کہ تیری توفیق سے ہی مجھے یہ نیا لباس حاصل ہوا جس سے مَیں ستر پوشی کرتا ہوں اور یہ میرے لیے زینت کا باعث بھی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بعض دوسری دعائیں پڑھنے کی ترغیب بھی دی ہے جن کا تذکرہ کتاب الدعوات میں آئے گا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دُعا کا دوسرا حصّہ یہ ہے۔ اَسْئَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ۔ اے اللہ! مَیں اس کپڑے کی تجھ سے خیر اور بہتری طلب کرتا ہوں اور اُس چیز کی بھلائی چاہتا ہوں جس کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے۔ کپڑے کی خیر تو یہ ہے کہ یہ جسم کے موافق ہو اور گرمی سردی سے بچائے۔ نیز ستر پوشی اور زینت کا باعث بھی ہو۔ انسان یہ کپڑا پہن کر اپنے فرائض پورے کر سکے۔ عبادت کا فریضہ انجام دے سکے اور اسے پہن کر غرور و تکبّر میں مبتلا ہو کر اُلٹے سیدھے کام نہ کرنے لگے۔

وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ اے اللہ! مَیں تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس کپڑے کے شر سے اور اُس چیز کے شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے کپڑے کا شر یہ ہے کہ وہ جسم کے ساتھ ناموافق ہو، نقصان دِہ ہو، غرور و تکبّر میں مبتلا ہو جائے یا بُرے کام از قسم چوری، بدمعاشی، شراب نوشی وغیرہ کرنے لگے۔ اللہ کے رسول اُن چیزوں سے بھی پناہ مانگی ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے امّت کے لیے یہ نمونہ قائم کر دیا ہے کہ امّت کا ہر فرد جب بھی نیا کپڑا پہنے اسطرح دعا کیا کرے جو کہ اس کیلیے یقیناً خیر و برکت کا باعث ہو گی۔

درس - ۱۷　　　　حدیث - ۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُهُ الْحِبَرَةَ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۷۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا محمد بن بشار نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معاذ بن ہشام نے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ کہتے ہیں کہ لباس کے کپڑوں میں سے حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام کو دھاری دار چادر زیادہ پسند تھی۔"

تشریح اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے حضرت انس بن مالکؓ صحابی اور خادم رسول صلّی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُهُ الْحِبَرَةَ۔ نبی علیہ الصّلوٰة والسّلام کو پہنے جانے والے کپڑوں میں سے دھاریدار چادر زیادہ پسند تھی۔ ممکن ہے کہ یہ پسندیدگی اَن سلے کپڑوں میں سے ہو، کیونکہ سلے ہوئے کپڑوں میں سے قمیص کی زیادہ پسندیدگی کا ذکر گزشتہ احادیث میں ہو چکا ہے۔ دھاری دار چادر کی پسندیدگی باعتبار رنگ بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کو ایسی چادر پسند تھی جس میں سُرخ دھاریاں ہوں۔ بہر حال چادر کی پسندیدگی دونوں وجوہات کی بنا پر بھی ہو سکتی ہے یعنی اَن سلے کپڑوں میں سے حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام کو دھاری دار چادر زیادہ پسند تھی۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَأَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِيْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءُ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَرِيْقِ سَاقَيْهِ قَالَ سُفْيَانُ اُرَاهَا حِبَرَةً ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس محمود بن غیلان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر عبدالرزاق نے اور ان کو سفیان نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت عون بن ابی جحیفہؓ (المتوفی ۱۱۶ھ) سے اُن کے باپ کے حوالے سے نقل کی۔ تو صحابی رسول ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو سرخ رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے دیکھا۔ گویا کہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پنڈلیوں کی چمک کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اس حدیث کے راوی سفیان کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو دھاری دار چادر پہنے ہوئے دیکھا۔"

تشریح اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ابو جحیفہؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مشہور صحابی ہیں۔ یہ ایک موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں آئے۔ اُس وقت یہ گوشت روٹی خوب سیر ہو کر کھا کر آئے تھے اور ڈکار مار رہے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ اپنی ڈکاریں ہم سے دُور رکھو کیونکہ جو شخص دُنیا میں پیٹ زیادہ بھرے گا، وہ قیامت والے دن زیادہ بھُوکا رہے گا۔ کہتے ہیں کہ اُس دن کے بعد اس صحابی نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ بلکہ شب و روز میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے۔

ان کا بیان ہے۔ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَآءُ کہ مَیں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو سُرخ سوٹ پہنے ہُوئے دیکھا یعنی آپ کی قمیص اور تہبند ایک ہی رنگ کے تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مَردوں کے لیے مطلق سُرخ رنگ کا لباس منع نہیں بلکہ صرف زعفرانی اور کسنبہ رنگ جو زیادہ شوخ ہوتا ہے، وہ ممنوع ہے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ مَیں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو سُرخ رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے دیکھا۔ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَرِیْقِ سَاقَیْہِ گویا کہ مَیں حضور کی پنڈلیوں کی چمک کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ قَالَ سُفْیَانُ اُرَاھَا حِبَرَۃً سفیان کہتے ہیں مَیں گمان کرتا ہوں کہ وہ دھاری دار چادر تھی۔ یعنی مذکورہ لباس پہنے ہُوئے آپ کی پنڈلیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ آپ اپنا تہبند اُونچا باندھتے تھے — نیز حکم دیتے تھے کہ تہبند نصف پنڈلی تک رکھو یا کم از کم ٹخنے تو ضرور برہنہ ہونے چاہئیں کیونکہ جس کی شلوار چادر وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی اس کے لیے جہنم کی وعید آئی ہے۔

حدیث - ۱۰

درس - ۱۷

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَتْ جُمَّتُهُ لَتَضْرِبُ قَرِيْبًا مِّنْ مَنْكِبَيْهِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس علی بن خشرم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عیسیٰ بن یونس نے خبر دی، انھوں نے یہ روایت اسرائیل سے ابی اسحٰق کے حوالے سے اخذ کی اور وہ صحابی رسول حضرت براء بن عازبؓ سے نقل کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے کبھی کسی شخص کو سرخ سوٹ پہنے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ بے شک واقعہ یہ ہے کہ آپ کی لٹیں مبارک آپ کے کندھوں تک پہنچ رہی تھیں۔"

تشریح امام ترمذیؒ کے استاذ علی بن خشرم (المتوفی ۲۵۷ھ) اس حدیث کے راوی ہیں جو کہ حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں۔ ان سے امام مسلم، نسائی ابن خزیمہ اور دوسرے محدثین نے بھی احادیث نقل کی ہیں۔ اس حدیث کے دیگر راویان بھی ثقہ ہیں جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ صحابی رسول حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں۔ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ کہ میں نے سرخ سوٹ میں ملبوس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ____________ سے زیادہ حسین کوئی شخصیت نہیں دیکھی۔ جس وقت حضرت براء نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ملاقات کی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں کی حالت کے متعلق بیان کرتے

ں۔ اِنْ کَانَتْ جُمَّتُہٗ لِتَضْرِبَ قَرِیْبًا مِنْ مَنْکِبَیْہِ کہ آپ کی
یں مبارک اُس وقت آپ کے کندھوں تک پہنچ رہی تھیں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں مبارک کی مختلف حالتیں پہلے اور تیسرے
ب کی مختلف روایات میں بیان ہو چکی ہیں۔ آپ کے سر کے بال مبارک کبھی کانوں
ں لو تک طویل ہوتے تھے، کبھی گردن تک اور کبھی کندھوں تک۔ اس روایت میں بھی
ندھوں تک کی طوالت کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب - ۸

درس - ۱۷ حدیث - ۱۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ اِيَادٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ رِمْثَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۴۲)

ترجمہ: "ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ بیان کیا ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن مہدی نے۔ ان کو یہ روایت عبیداللہ بن ایاد سے ملی۔ انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے صحابی رسول ابو رمثہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا جب کہ آپ دو سبز رنگ کی چادریں پہنے ہوئے تھے۔"

تشریح اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں اور ان کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ صحابی رسول حضرت ابو رمثہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ۔ اُس وقت آپ دو سبز رنگ کی چادریں زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اس مضمون کی روایت پانچویں باب میں بھی گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ اَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ عَنْ جَدَّتَيْهِ دُحَيْبَةَ وَعُلَيْبَةَ عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ اَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْهُ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ. (ترمذی مع شمائل ص۵۴۲)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا عبد بن حمید نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عفّان بن مسلم نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کے متعلق عبداللہ بن حسان عنبری نے اپنی دادی دُحیبۃ وعُلیبۃ کے حوالے سے بتلایا۔ انھوں نے یہ روایت قیلہ بنت مخرمہ سے حاصل کی وہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دو پرانی چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا جو زعفرانی رنگ سے رنگی ہُوئی تھیں مگر انھوں نے رنگ کو زائل کر دیا تھا۔ اور اس حدیث میں ایک لمبا قصّہ بھی ہے "

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ کہ ہمارے پاس یہ روایت عبد بن حمید نے بیان کی جو کہ ثقہ راوی ہیں۔ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ اُن کو اس حدیث کی خبر عفّان بن مسلم (المتوفی ۲۲۰ھ) انکی ثقاہت مسلّم ہے مگر آخر عُمر میں جا کر حافظے میں تغیّر واقع ہوگیا تھا۔ تاہم تمام صحاح ستّہ والوں نے ان سے روایات اخذ کی ہیں۔ اَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ - وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کے متعلق عبداللہ بن حسان عنبری نے بتلایا۔ یہ بھی مقبول راوی ہیں۔ امام بخاریؒ اور ابوداؤدؒ نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ عَنْ جَدَّتَيْهِ

دُحَيْبَةَ وَعُلَيْبَةَ انھوں نے یہ روایت اپنی دو دادیوں دُحیبۃ اور عُلیبۃ سے
حاصل کی۔ عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اور انھوں نے قیلہ بنت مخرمہ سے یہ حدیث سُنی۔

اس روایت کی سند میں کچھ گڑبڑ ہے۔ عبداللہ بن حسان عنبری کہتے ہیں کہ مَیں نے
یہ روایت اپنی دو دادیوں دُحیبہ اور عُلیبہ سے سماعت کی۔ سند کے اسی حصّہ میں سہو
پایا جاتا ہے۔ ترمذی شریف (صفحہ ۳۹۹) دوسری جلد میں صحیح سند موجود ہے۔ وہاں پر عبداللہ
بن حسان عنبری کی روایت اس طرح ہے حَدَّثَتْنِي جَدَّتَايَ صَفِيَّةُ وَدُحَيْبَةُ
بِنْتَيْ عُلَيْبَةَ یعنی میرے پاس یہ روایت میری دو دادیوں صفیہ اور دحیبہ نے بیان
کی جو دونوں عُلیبہ کی بیٹیاں تھیں۔ دراصل صفیہ اور دُحیبہ صحابیہ رسول قیلہ بنتِ مخرمہؓ
کی پروردہ تھیں اور یہ دونوں علیبہ حرملہ بن عبداللہ کی بیٹیاں تھیں مگر اس سند میں صفیہ
کو چھوڑ دیا گیا ہے اور دُحیبہ اور علیبہ دونوں کو مؤنث بنا دیا گیا ہے جو کہ درست نہیں ہے
بہرحال یہ صفیہ اور دُحیبہ، عبداللہ بن حسّان کی دادیاں نہیں بلکہ ایک دادی تھی اور دوسری
نانی۔ گویا ان میں سے ایک عبداللہ بن حسّان کے باپ کی ماں تھی اور دوسری ماں کی ماں
تھی بعض اوقات اس قسم کے اتفاقات بھی ہو جاتے ہیں کہ دو سگی بہنوں میں سے
تیسری نسل کے بعض افراد کی ایک نانی اور دوسری دادی بن جائے۔ اس بات کی وضاحت
یوں کی جاسکتی ہے کہ صفیہ اور دُحیبہ، عُلیبہ کی بیٹیاں تھیں۔ صفیہ اور دُحیبہ کی شادیاں ہُوئیں
تو ان دونوں کی اولاد میں سے ایک کا بیٹا اور دوسری کی بیٹی جوان ہوگئیں اور پھر ان
دونوں کا آپس میں نکاح کر دیا گیا۔ اس نکاح کے نتیجے میں عبداللہ بن حسان عنبری پیدا
ہوئے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اب صفیہ اور دُحیبہ میں سے ایک عبداللہ کی
نانی اور دوسری دادی ہے جن سے عبداللہ نے یہ روایت اخذ کی ہے یہ دونوں بہنیں
صحابیہ رسول حضرت قیلہ بنت مخرمہؓ کی پروردہ تھیں جن سے انھوں نے یہ روایت
نقل کی ہے۔

دو پُرانی چادریں

قَالَتْ قیلہ بنت مخرمہ کہتی ہیں رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ کہ مَیں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اس حالت میں

دیکھا۔ وَعَلَیْہِ اَسْمَالُ مُلَیَّتَیْنِ کہ آپ نے دو پرانی چادریں پہن رکھی تھیں۔ اسمال کا معنیٰ بوسیدہ ہوتا ہے اور پرانی چادروں کی حالت یہ تھی کَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْہُ کہ دونوں چادریں زعفرانی رنگ سے رنگی ہوئی تھیں مگر بوسیدہ ہونے کی وجہ سے یہ رنگ بہت حد تک زائل ہو چکا تھا یعنی چادروں پر زعفرانی رنگ کا معمولی سا اثر باقی تھا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے زعفرانی رنگ مردوں کے لیے ممنوع قرار دیا ہے۔ مگر خود اس رنگ کی چادریں اوڑھنے کا کیا مطلب؟ تو بات یہیں واضح ہو گئی کہ ان چادروں کو کسی وقت زعفرانی رنگ ضرور دیا گیا تھا مگر وہ آہستہ آہستہ زائل ہو گیا۔ لہٰذا آپ نے ایسی چادروں کو استعمال کر لیا اور یہ کوئی اعتراض والی بات نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں وَفِی الْحَدِیْثِ قِصَّۃٌ طَوِیْلَۃٌ۔ اس حدیث میں ایک لمبا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جسے آپ نے اس کی طوالت کے پیش نظر اس مقام پر نقل نہیں کیا۔ وہ قصّہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور گوٹھ مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ بڑے متفکّر نظر آ رہے تھے۔ ایک عورت یا مرد آیا اور آپ کو ایسی حالت میں دیکھ کر کپکپا اٹھا، اس پر دہشت طاری ہو گئی کہ نامعلوم حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اس متفکّرانہ حالت میں کیوں بیٹھے ہیں کسی صحابی نے عرض کیا، حضور! یہ مسکین یا مسکینہ گھبرا رہی ہے۔ آپ نے اسکی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا! اے مسکین! سکون پکڑو، گھبراتے کیوں ہو؟ آپ کے اتنا فرمانے سے ہی نووارد کی دہشت دُور ہو گئی۔ اس حدیث میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے جسے امام ترمذیؒ نے اس مقام پر نقل نہیں کیا۔

درس - ۱۷　　　　حدیث ۱۳

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِيَلْبَسْهَا أَحْيَاؤُكُمْ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۲)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت بشر بن مفضل نے بیان کی ۔ انھوں نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے اخذ کی انھوں نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لوگو! سفید کپڑے استعمال کیا کرو۔ چاہیے کہ تمھارے زندہ لوگ یہی کپڑے پہنیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید کپڑوں میں ہی کفن دیا کرو کیونکہ یہ تمھارے بہترین لباس میں سے ہے ۔"

تشریح اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لوگو! تم پر لازم ہے کہ سفید کپڑے پہنا کرو۔ جب کسی کلام میں عَلَيْكُمْ کا لفظ آتا ہے تو اس سے کسی کام کے کرنے کی تاکید مراد ہوتی ہے تو فرمایا لِيَلْبَسْهَا أَحْيَاؤُكُمْ تمھارے زندہ لوگ بھی سفید کپڑے استعمال کیا کریں ۔ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ اور اپنے مُردوں کو

بھی انھی کپڑوں میں کفن دیا کرو۔ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ کیونکہ سفید کپڑا تمھارے بہترین کپڑوں میں سے ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سفید کپڑا پہننے کی ترغیب دینے کے ساتھ اس کی توجیہہ بھی بیان کردی ہے کہ اس کے استعمال کی کیوں تاکید کی گئی ہے۔ غرضیکہ سفید لباس زندہ اور مُردہ دونوں قسم کے لوگوں کیلئے بہترین لباس ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ اَبِيْ شَبِيْبٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۷۲)

ترجمہ: ہمارے پاس محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن مہدی نے خبر دی ۔ اُن کے پاس سفیان نے حبیب بن ابی ثابت کے حوالے سے نقل کیا ۔ انھوں نے میمون بن ابی شبیب سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ طاہر اور پاکیزہ ہیں ۔ اپنے مرنے والوں کو بھی انھی کپڑوں کا کفن پہنایا کرو ۔"

تشریح اس حدیث کے راویان محمد بن بشار ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور سفیان بن عیینہ کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے ۔ یہ ثقہ راوی ہیں ۔ حبیب بن ابی ثابت (المتوفی ۱۱۹ھ) بھی ثقہ راوی اور عظیم مجتہد ہوئے ہیں ۔ سارے صحاح ستّہ والوں نے ان سے روایات اخذ کی ہیں ۔ میمون بن ابی شبیب بھی مقبول راوی ہیں ۔ سمرۃ بن جندبؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جلیل القدر ، امانتدار اور صدوق الحدیث راوی ہیں ۔ (المتوفی ۵۸ یا ۵۹ یا ۶۰ھ)

قَالَ حضرت سمرۃ بن جندبؓ کہتے ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ

لوگو! سفید کپڑے پہنا کرو۔ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ کیونکہ یہ زیادہ طاہر اور پاکیزہ ہیں۔ سفید کپڑے کو اطہر اس لیے کہا گیا ہے کہ اگر اس پر کوئی معمولی سا داغ دھبّہ بھی لگ جائے تو فوراً محسوس ہو جاتا ہے، برخلاف اس کے رنگ دار کپڑے پر دھبّہ آسانی سے نظر نہیں آتا اور اطیب اس اعتبار سے ہے کہ رنگین یا ڈیزائن والا لباس پہننے سے دل میں غرور پیدا ہوتا ہے جو کہ اچّھی چیز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف سفید لباس ذہنی اور اخلاقی طور پر بھی باوقار ہوتا ہے۔ غرضیکہ سفید لباس ظاہری لحاظ سے اطہر اور باطنی لحاظ سے اطیب ہے۔ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ اور اپنے مرنے والوں کو بھی انھیں کپڑوں کا کفن پہنایا کرو۔

درس - ۱۷

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ اَنْبَأَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ اَبِي زَائِدَةَ اَخْبَرَنَا اَبِي عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا احمد بن منیع نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (المتوفی ۱۸۲ یا ۱۸۳ھ) نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس میرے باپ (زکریا المتوفی ۱۴۸ یا ۱۴۹ھ) نے خبر دی۔ انھوں نے مصعب بن شیبۃ سے صفیہ بنت شیبہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی اور انھوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت سماعت کی آپ کہتی ہیں کہ ایک روز صبح کے وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام گھر سے باہر نکلے تو آپ نے سیاہ بالوں کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔"

تشریح اس حدیث کے سارے راوی ثقہ اور حافظ ہیں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ ایک روز صبح کے وقت حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے گھر سے باہر تشریف لائے وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ اس وقت آپکے اوپر سیاہ بالوں کی بنی ہوئی چادر تھی یعنی آپ نے سیاہ اون کی بنی ہوئی چادر یا کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ اس سیاہ رنگ کے کمبل یا چادر کی وجہ سے ہی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کالی کملی والے مشہور ہیں۔

ابوداؤد شریف میں مزید وضاحت موجود ہے کہ اُون کی بنی ہوئی چادر میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو زیادہ پسینہ آیا، آپ نے تکلیف محسوس کی تو اس کو اُتار دیا۔

باب - ۸

درس - ۱۷

حدیث ۱۶

حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی اَخْبَرَنَا وَکِیْعٌ اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ بْنُ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِیَّةً ضَیِّقَةَ الْکُمَّیْنِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس یوسف بن عیسٰی نے بیان کیا۔ اُن کے پاس وکیع نے اور ان کے پاس بیان کیا یونس بن ابی اسحٰق نے اپنے باپ کے حوالے سے، انھوں نے شعبی سے اور انھوں نے عروۃ بن مغیرۃ بن شعبہؓ سے اپنے باپ کے حوالے سے ـــــ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے رومی جُبّہ بھی استعمال کیا ہے جس کی آستینیں تنگ تھیں"۔

تشریح یہ حدیث مشہور صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے۔ یہ آپ کے خادم بھی تھے۔ ان سے تمام صحاح ستّہ والوں نے روایات نقل کی ہیں۔ باقی راویان بھی ثقہ ہیں۔ تو مغیرہ بن شعبہؓ روایت بیان کرتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِیَّةً کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے روم کا بنا ہوا جُبّہ (کوٹ) پہن رکھا تھا۔ ضَیِّقَةَ الْکُمَّیْنِ جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ گویا یہ جُبّہ ملکِ رُوم کا تیار شدہ تھا۔ جہاں کے اکثر لوگ عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیرون ملک سے درآمدہ غیر مسلموں کے استعمال شدہ کپڑے مسلمان بھی استعمال کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان میں بظاہر کوئی نجاست نظر نہ آئے۔ اگر کپڑا دیکھنے میں صاف ستھرا ہے تو پھر بغیر دھوئے

ؒ المتوفی ۵۰ھ فی الکوفۃ (قیاس)

بھی پہنا جا سکتا ہے اور اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے ۔ ہاں، اگر نجاست وغیرہ کا شبہ ہو یا شراب وغیرہ کے دھبے نظر آتے ہوں تو پھر ایسے کپڑے دھوئے بغیر استعمال نہیں کرنے چاہئیں ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے دوسری جگہ مزید وضاحت کی ہے کہ اس جُبّہ کی آستینیں اس قدر تنگ تھیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جبّہ سے بازو باہر نکال کر وضو فرمایا کرتے تھے ۔

(۹) بَابُ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: باب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گزرانِ اوقات کے بیان میں۔

یہ باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی گزارنے سے متعلق ہے۔ عیش کا معنیٰ زندگی گزارنا ہوتا ہے یعنی آپ کا گزران مبارک کیسا تھا۔ شمائل ترمذی میں یہ باب دو دفعہ آیا ہے اس مقام پر تو صرف دو احادیث بیان کی گئی ہیں، البتہ کتاب کے آخر میں آنے والے باب میں آٹھ احادیث آگئی ہیں۔

اس باب کو دو بار بیان کرنے سے متعلق بعض محدثین کہتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے ایسا بھول کر کیا ہے لہذا بعض محدثین نے دونوں ابواب کی احادیث کو ایک ہی باب میں جمع کر دیا ہے البتہ بعض محدثین کا خیال ہے کہ امام ترمذیؒ نے یہ تقسیم ابواب دانستہ کی ہے شاید آپ کے پیش نظر اس حقیقت کا اظہار ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری حیات مبارکہ میں اوّل تا آخر کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ جیسا گزران ابتدائی زندگی میں تھا ویسا ہی آخر تک قائم رہا۔ چنانچہ آپ نے اوّل و آخر زندگی سے متعلق احادیث کو دو ابواب میں تقسیم کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہو۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکّی زندگی تو پیغمبروں جیسی تھی جو محنت و مشقت اور عسرت کی حالت میں گزری۔ البتہ جب مدینہ پہنچ کر اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو پھر آپ کی زندگی میں بھی انقلاب آگیا اور آپ نے بادشاہوں جیسی زندگی گزاری یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے جو یہود و نصاریٰ کی طرف سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کا ایک حصّہ ہے۔

دونوں ابواب کے مطالعہ سے آپکو حقیقت حال واضح ہو جائیگی کہ آپنے پوری زندگی عُسرت میں گزاری۔ اگر کسی وقت آسودگی بھی آئی تو آپنے ذاتی طور پر اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا۔

درس - ۱۸۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فِي أَحَدِهِمَا فَقَالَ بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي يَرَى أَنَّ بِي جُنُونًا وَمَا بِي جُنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حماد بن زید نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت ایوب نے اور انھوں نے محمد بن سیرین کے حوالے سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس تھے اور آپ کتّان (پٹ سن) کے بنے ہوئے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے جو گیرو رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔ پس ابوہریرۃؓ نے ان میں سے ایک کپڑے کے ساتھ اپنا ناک صاف کیا۔ پھر خود ہی کہنے لگے، واہ واہ ابوہریرہ کتان کے بنے ہوئے کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے حالانکہ میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں بھی دیکھا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرۂ عائشہؓ کے درمیان گر پڑتا تھا، مجھ پر بے ہوشی کے

دورے پڑتے تھے، اور کوئی آنے والا آتا تو میری گردن پر اپنا پاؤں رکھ دیتا۔ وہ سمجھتا تھا کہ مجھے جنون کا دورہ پڑ گیا ہے حالانکہ مجھ پر جنون طاری نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ بے ہوشی بھوک کی وجہ سے طاری ہو جاتی تھی۔"

سند حدیث امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ یہ مشہور و معروف ثقہ راوی ہیں جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ اُن کے پاس یہ روایت حماد بن زیدؒ نے بیان کی۔ یہ نابینا حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں۔ عَنْ أَيُّوبَ انھوں نے یہ روایت ایوب سختیانیؒ[1] سے اخذ کی جو کہ کھالوں کی دباغت کا کام کرتے تھے۔ آپ ثقہ، ثبت، حجۃ اور فضلائے زہاد میں سے ہیں عظیم المرتبت محدث ہوئے ہیں۔ انھوں نے زندگی بھر میں چالیس حج کیے اور ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ انھوں نے یہ روایت محمد بن سیرینؒ سے اخذ کی۔ یہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ انھوں نے تیس[2] صحابہ کی زیارت کی اور اُن سے فیض حاصل کیا۔ یہ بھی بہت بڑے امام ہوئے ہیں اور ان کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ (المتوفی ۱۱۰ھ)۔

تنگی اور آسودگی کی زندگی قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ امام محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک موقع پر صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ اس وقت انھوں نے دو کپڑے پہن رکھتے تھے جو مُمَشَّق یعنی گیرو رنگ سے رنگے ہوئے تھے جو کہ سرخی مائل رنگ ہوتا ہے اور یہ کپڑے (چادریں وغیرہ) مِنْ كَتَّانٍ تھے یعنی پٹ سن کے بنے ہوئے تھے ہمارے ہاں بنگال کا پٹ سن مشہور ہے جو سن کا چھلکا اتار کر بنایا جاتا ہے یہ عمدہ قسم کا کپڑا سمجھا جاتا تھا جو کہ آپ نے زیب تن کیا ہوا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے دیکھا فَتَمَخَّطَ فِي أَحَدِهِمَا کہ آپ اُن میں سے ایک کپڑے کے ساتھ اپنی ناک صاف کر رہے تھے۔ فَقَالَ بَخٍ بَخٍ

[1] ابو اسماعیل البصری المتوفی ۱۳۱ھ، [2] اسمہ کیسان (فیاض)

پھر خود ہی کہنے لگے واہ واہ! کیا خوب یَتَمَخَّطُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فِی الْكَتَّانِ
آج ابوہریرۃ کتان سے بنے ہوئے کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے مطلب یہ ہے
کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایت ہے کہ تو اتنے قیمتی کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے
حالانکہ اسلام کے ابتدائی دور میں اہلِ ایمان پر وہ وقت بھی گزرا ہے لَقَدْ رَاَيْتُنِیْ کہ
میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں بھی دیکھا ہے۔ وَاِنِّیْ لَاَخِرُّ فِيْمَا بَيْنَ
مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا
عَلَیَّ کہ میں مسجد نبوی میں منبر رسول اور حجرہ عائشہؓ کے درمیان غش کھا کر گر پڑتا تھا۔
فَيَجِیْءُ الْجَائِیْ پھر کوئی آنے والا آتا تھا یعنی میرے قریب سے گزرنے
والا کوئی شخص جب مجھے بے ہوش پڑے ہوئے دیکھتا تو فَيَضَعُ رِجْلَهٗ عَلٰی عُنُقِیْ
اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتا۔ يَرٰی اَنَّ بِیْ جُنُوْنًا وہ سمجھتا کہ مجھے جنون کا
دورہ پڑ گیا ہے۔ اس زمانے میں جنون یا مرگی وغیرہ کے دورے کا یہی فوری علاج سمجھا
جاتا تھا کہ مریض کی گردن کو پاؤں یا ہاتھ سے مسلا جاتا تھا تاکہ دورے کی شدّت
کم ہو کر مریض کو ہوش آجائے۔ تو ابوہریرہؓ اپنے عُسرت کے اس وقت کو یاد کرتے
تھے کہ میرے ساتھ اس قسم کا سلوک کیا جاتا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہوتی تھی وَمَا بِیْ جُنُوْنٌ
کہ مجھے جنون کا دورہ نہیں ہوتا تھا وَمَا هُوَ اِلَّا الْجُوْعُ بلکہ یہ تو بھوک کی وجہ سے
غشی کے دورے پڑتے تھے یعنی کئی کئی روز سے فاقہ ہوتا تھا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث کو بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ باب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی گزران سے متعلق ہے جب کہ حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث میں اپنی گزر اوقات
کا ذکر کر رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی رسول اصحابِ صُفّہ میں سے تھے
جو ہمہ وقت مسجد نبوی کے قریب برآمدے میں رہتے تھے اور دین کا علم حاصل کرتے
تھے۔ چونکہ ان لوگوں کے خورد و نوش کی ذمہ داری بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی
تھی۔ لہٰذا آپ ہمیشہ اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتے۔ اگر کھانے کی کوئی چیز میسّر آتی

تو پہلے اصحابِ صُفّہ کو دیتے اور اگر بچ جاتی تو آپ استعمال کرتے۔ اگر کوئی چیز نہ ملتی تو اصحابِ صفّہ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی فاقہ سے رہتے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی حالتِ عسرت بیان کر کے دراصل حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عُسرت کی ترجمانی کی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقی نسبت تو نہیں مگر بالالتزام یا بالواسطہ نسبت ضرور ہے اور اسی وجہ سے امام ترمذیؒ اس روایت کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی معیشت کے باب میں لائے ہیں۔

شمائل ترمذی　　　　باب - ۹

درس - ۱۸　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ مَا شَبِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَلَحْمٍ إِلَّا عَلَى ضَفَفٍ قَالَ مَالِكٌ سَأَلْتُ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ مَا الضَّفَفُ قَالَ أَنْ يَّتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۲۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس قتیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس جعفر بن سلیمان ضبعی نے مالک بن دینار کے حوالے سے بیان کیا انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی گوشت روٹی کے ساتھ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا مگر ضفف کی صورت میں۔ راویٔ حدیث مالک کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی آدمی سے ضفف کے متعلق دریافت کیا تو اُس نے بتلایا کہ اس سے مُراد لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا ہے۔"

سند حدیث امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ ان کا تذکرہ اس باب کی پہلی روایت میں ہو چکا ہے۔ انکے حالات گزشتہ ابواب کی بعض احادیث کی تشریح میں بھی بیان ہو چکے ہیں۔ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت جعفر بن سلیمان ضبعی نے بیان کی۔ یہ راوی کسی قدر تشیع کی طرف مائل تھے، تاہم ثقہ راوی ہونے کی حیثیت سے قابلِ قبول ہیں۔ عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ انھوں نے یہ حدیث مالک بن دینار (المتوفی سنہ ۱۳۰ھ) سے اخذ کی جو کہ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔ یہ روایت تابعی پر ہی ختم ہو جاتی ہے اور آگے کسی

صحابی تک نہیں پہنچتی۔ لہٰذا یہ منقطع روایت ہے مگر اصولی طور پر ثقہ راوی کا ارسال بھی قابلِ قبول ہوتا ہے، اس لیے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو شامل کر لیا ہے۔

پیٹ بھر کر کھانا قَالَ مالک بن دینار کہتے ہیں مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَ لَحْمٍ اِلَّا عَلٰی ضَفَفٍ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی گوشت روٹی سے پیٹ بھر کر نہیں کھایا سوائے ضفف کی صورت میں۔ آغازِ اسلام کا زمانہ عسرت کا زمانہ تھا اور لوگوں کو پوری خوراک بھی میسر نہیں آتی تھی کبھی ایک وقت کھانا نصیب ہو گیا اور کبھی بالکل کچھ نہیں ملا۔ بعض اوقات مہینہ مہینہ بھر چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی اور پانی اور کھجوروں پر ہی گزارا ہوتا تھا۔ یا کہیں سے دودھ آ گیا تو وہ پی لیا۔ اسی لیے یہاں بیان ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر گوشت روٹی نہیں کھایا۔ ہاں بعض اوقات ضفف کی صورت میں کھانا تناول کرنے سے آپ پیٹ بھر کر کھا لیتے تھے۔ قَالَ مَالِکٌ مالک کہتے ہیں۔ سَاَلْتُ رَجُلًا مِّنْ اَھْلِ الْبَادِیَۃِ مَا الضَّفَفُ کہ میں نے دیہات کے رہنے والے ایک آدمی سے پوچھا کہ ضفف سے کیا مراد ہے؟ قَالَ اَنْ یَّتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ اس نے بتایا کہ ضفف کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا جائے۔ اس زمانے میں دیہاتی لوگ عربی زبان پر زیادہ عبور رکھتے تھے شہروں میں رہنے والے عربوں کی زبان میں بیرونی لوگوں کے میل جول کی وجہ سے فرق آ جاتا تھا مگر دیہاتی لوگوں کی زبان محفوظ رہتی تھی اور زبان دانی کے لحاظ سے اسے معیار سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے مالک بن دینار نے ضفف کا معنی ایک دیہاتی آدمی سے پوچھا کیونکہ وہی اس لفظ کا بہتر مفہوم بتلا سکتا تھا۔

لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کو کثرتِ ایدی بھی کہا گیا ہے یعنی آپ نے اس موقع پر سیر ہو کر کھایا ہے جس کھانے میں ہاتھ زیادہ ہوں۔ ظاہر ہے ہاتھوں کی کثرت دعوت کی صورت میں اکٹھے کھانا کھانے سے ہی ہو سکتی ہے۔ بہرحال راوی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سیر ہو کر کھانا کسی اجتماعی کھانے کی شکل میں ہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ آپ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

اگرچہ میزبان کی خوشنودی تو اسی بات میں ہوتی ہے کہ اُس کا مہمان خوب سیر ہو کر کھائے مگر خلافِ معمول دوسروں کے گھر میں عادت سے زیادہ کھانا بھی کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی۔ تاہم محدثین کرام کہتے ہیں کہ اسکا یہ مطلب لینا ضروری نہیں ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کسی دوسرے کے ہاں دعوت کے موقع پر ضرور پیٹ بھر کر کھاتے تھے بلکہ اس کا مفہوم یہ کیوں نہ لیا جائے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خود دعوت کا اہتمام کرتے تھے اور مہمانوں کو اپنے ہاں کھانے پر بُلاتے تھے تو خود بھی اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ آپ مہمانوں کی دلجوئی کے لیے کھانے کے اختتام تک اُن کے ساتھ کھانے میں شامل رہ کر چھوٹا چھوٹا لقمہ اُٹھاتے رہتے تھے تاکہ مہمانوں کو تکلّف نہ ہو۔ صرف ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ نے کبھی سیر ہو کر کھانا کھایا ہو ورنہ نہیں۔ آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اپنے مہمانوں کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے خواہ گھر میں فاقہ ہی ہو۔ آپ صحابہ کو بھی اسی قسم کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ہمارے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی بھی یہی عادت تھی کہ آخر تک مہمانوں کے ساتھ طعام میں شریک رہتے۔ ایک ہی قسم کا سالن ہوتا تھا جو عموماً ایک ہی برتن میں ڈال کر مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے اور سارے مہمان اسی برتن میں سے سالن لیتے رہتے۔ تاہم اگر کسی وقت مہمان زیادہ ہوتے تو دو برتنوں میں سالن رکھ دیا جاتا، تاہم آپ روٹی اپنے ہاتھ سے مہمانوں میں تقسیم کرتے اور ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا خود بھی کھاتے جاتے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ ٹھنڈی روٹیاں نیچے اور گرم گرم اوپر رکھتے۔ گرم گرم روٹیاں مہمانوں میں تقسیم کرتے تھے اور نیچے سے ٹھنڈی روٹی کا لقمہ کبھی کبھی خود بھی اُٹھا لیتے۔ آپ انتہائی کم خور تھے۔ جسم بڑا مضبوط اور بھاری تھا۔ آپ بڑے جفاکش تھے اور بڑی بڑی تکالیف برداشت کر لیتے تھے۔ آپ دورانِ کھانا مہمانوں کی دلجوئی کے لیے ان کے ساتھ خوش طبعی بھی کرتے رہتے تھے۔

(۱۰) بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خُفِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے موزہ کے بیان میں۔"

چمڑے کا بنا ہوا موزہ پاؤں میں پہنا جاتا ہے جو کہ گرمی اور سردی کے موسموں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال شرعاً جائز ہے اور وضو کے دوران پاؤں کو دھونے کی بجائے موزوں پر مسح کرنا بھی روا ہے۔ البتہ ایسے مسح کے لیے مقیم اور مسافر آدمی کے لیے الگ الگ احکام ہیں۔ غرضیکہ یہ باب اس بیان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے مبارک کیسے تھے؟

پرانے زمانے میں عام طور پر چمڑے کے موزے بنائے جاتے تھے۔ تاہم جدید دور میں ریکسین، پلاسٹک، نائیلون وغیرہ سے بھی موزے بنائے جاتے ہیں، یہ بھی ٹھوس قسم کے مواد سے تیار کیے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کا حکم بھی چمڑے کے موزوں جیسا ہی ہے۔ ہلکے کپڑے کی جرابیں پہننا بھی روا ہے۔ مگر ان کا حکم مختلف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے خود بھی پہنے ہیں اور ان سے متعلق احکام بھی ارشاد فرمائے ہیں۔

شمائل ترمذی　　　　باب ۱۰

حدیث ۱

درس ۱۸

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس ہناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہمارے پاس وکیع نے دلہم بن صالح سے نقل کیا۔ انھوں نے یہ روایت حجیر بن عبداللہ سے اخذ کی۔ انھوں نے ابن بریدہ سے اور انھوں نے اپنے باپ (بریدہؓ) سے روایت حاصل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں دو موزے سیاہ رنگ مگر سادہ بطور ہدیہ بھیجے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو پہنا۔ پھر وضو کیا اور اُن پر مسح کیا۔"

سندِ حدیث

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ہناد بن سری نے بیان کی جو کہ ثقہ راوی ہیں اور ان کی روایات پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت وکیع نے بیان کی جو کہ مشہور محدث ہیں عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ انھوں نے یہ روایت دلہم بن صالح سے اخذ کی۔ کہتے ہیں کہ یہ ضعیف راوی ہیں تاہم امام ترمذیؒ نے انکی روایت کو قبول کیا ہے عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ انکو یہ حدیث حجیر بن عبداللہ کے واسطہ سے پہنچی جو کہ مقبول راوی ہیں۔ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ[1] انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن بریدہؓ سے اخذ کی جو کہ مشہور صحابی رسول بریدہؓ کے فرزند ہیں۔ عَنْ أَبِيهِ اور وہ اپنے باپ (بریدہؓ) سے نقل کرتے ہیں۔

---

[1] بعض نسخوں میں عَنْ أَبِي بُرَيْدَةَ کے الفاظ ہیں۔ (فیاض)

موزوں کا استعمال

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں اَنَّ النَّجَاشِیَّ اَھْدٰی لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُفَّیْنِ کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو موزے تحفے کے طور پر بھیجے اَسْوَدَیْنِ سَاذِجَیْنِ وہ دونوں موزے سیاہ رنگ کے مگر سادہ تھے یعنی اُن پر کوئی نقش و نگار نہیں بنا ہوا تھا۔

نجاشی حبشہ کے کسی بادشاہ کا ذاتی نام نہیں بلکہ اُن کا مُلکی لقب تھا جو ہر آنے والے بادشاہ کو حاصل ہوتا تھا۔ یہ بالکل اسی طرح تھا[1] جیسے ہندوستان کے بادشاہ کو راجہ یا (دہمی) چین کے سربراہ کو خاقان، ایران والے کو کسرٰی اور روم کے فرمانروا کو قیصر کہا جاتا تھا۔ اسی طرح مصر کے بادشاہ مقوقس (عزیز اور فرعون) کہلاتے تھے۔ اس[2] نجاشی کا نام (اصحمہ بن بحر) تھا۔ یہ شخص حضرت جعفر رضی اللہ عنہ[3] کے ہاتھ پر ایمان لا کر مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ اُس دور کا واقعہ ہے جبکہ مسلمانوں کی دو جماعتیں مشرکینِ مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئی تھیں اس وقت اسی بادشاہ نے اسلام کی صداقت کی تصدیق کی اور ایمان لایا۔ یہ شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر صحابی کا درجہ تو نہیں پا سکا تاہم ایماندار اور صالح آدمی تھا جو کہ ۹ھ میں فوت ہوا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مدینہ طیبہ میں اس کا جنازہ بھی پڑھا۔ غائبانہ جنازہ پڑھنے کی بحث جنازے کے باب میں آئے گی۔ آگے چل کر نجاشی کی طرف مکتوب بھیجنے کا ذکر بھی آئے گا مگر وہ دوسرا بادشاہ تھا جو اسلام کی دولت سے مشرف نہ ہو سکا۔

چونکہ اصحمہ نجاشی اسلام لا چکا تھا۔ اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کی طرف سے بھیجا گیا موزوں کا ہدیہ قبول فرمایا۔ البتہ کافر کے ہدیہ کے احکام مختلف ہیں۔ اگر اسلام کی تقویت کا باعث بننے کی امید ہوتی تھی تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعض کافروں کے ہدیے بھی قبول کیے ہیں۔ اسکے برخلاف اگر دین کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا تو ایسا ہدیہ قبول نہیں کیا۔ اُمّت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ غیر مسلم کے تحفے کی قبولیت کا فیصلہ اسلام کے نفع نقصان کو ملحوظِ خاطر رکھ کر کیا جائے۔

---

[1] کما قال الحافظ بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ فی عمدۃ القاری فی شرح الصحیح البخاری ص۲۹ ج۱۴
[2] وقیل اسمہ مکحول بن صعصعۃ [3] المتوفی فی سریۃ موتہ ۸ھ (فیاض)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَهْدٰى دِحْيَةُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰى تَخَرَّقَا لَا يَدْرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا هُوَ أَبُو إِسْحٰقَ الشَّيْبَانِيُّ وَاسْمُهُ سُلَيْمَانُ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۴۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے۔ انھوں نے حسن بن عیاش سے نقل کیا۔ وہ ابو اسحٰق سے اور وہ شعبی سے روایت بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ دحیہ کلبی رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو موزوں کا تحفہ بھیجا۔ پس آپ نے اُن کو پہنا۔ اور اسرائیل نے جابر سے، اور انھوں نے عامر سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ تحفہ میں ایک جبّہ بھی تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دونوں (موزے اور جبّہ) کو پہنا یہاں تک کہ دونوں چیزیں پھٹ گئیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ موزے مذبوح جانور کی کھال کے بنے ہوئے تھے یا نہیں۔ ابو عیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ ابو اسحٰق شیبانی ہیں جن کا نام سلیمان تھا۔"

سندِ حدیث حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ زَکَرِیَّا بْنِ اَبِیْ زَائِدَۃَ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے، یہ ثقہ راوی ہیں۔ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَیَّاشٍ انھوں نے یہ روایت حسن بن عیاش (المتوفی ۱۳۲ھ) سے اخذ کی۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ، وہ ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہیں یہ وہی امام شیبانی ہیں۔ جن کا تعارف امام ترمذیؒ نے خود روایت کے آخر میں کیا ہے عَنِ الشَّعْبِیِّ انھوں نے یہ روایت شعبی سے اخذ کی۔

موزوں اور جُبّہ کا استعمال قَالَ قَالَ مُغِیْرَۃُ بْنُ شُعْبَۃَ شعبی کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عظیم المرتبت صحابی حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ نے یوں بیان کیا۔ اَھْدٰی دِحْیَۃُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُفَّیْنِ کہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ نے نبی علیہ السّلام کی خدمت میں دو موزے بطور تحفہ بھیجے۔ یہ وہی جلیل القدر صحابی رسول ہیں جو بڑے خوش شکل، قبیلہ بنو کلب کے سردار اور وجیہ آدمی تھے۔ جبریل علیہ السّلام اکثر انھی کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے تو مغیرۃ بن شعبہؓ کہتے ہیں فَلَبِسَھُمَا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہدیہ کے یہ موزے پہنے۔ وَقَالَ اِسْرَائِیْلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ اور اس روایت کے ایک راوی اسرائیل بھی ہیں جو جابر اور عامر کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں وَجُبَّۃً کہ مذکورہ موزوں کے ساتھ ایک جُبّہ بھی ہدیہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ فَلَبِسَھُمَا حَتّٰی تَخَرَّقَا آپ نے دونوں چیزیں (موزے اور جُبّہ) پہنے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی عمر پوری کرکے پھٹ گئے۔ وہ کہتے ہیں لَا یَدْرِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَکِیٌّ ھُمَا اَمْ لَا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نہیں جانتے تھے کہ وہ موزے مذبوح جانور کی کھال سے بنے ہوئے تھے یا نہیں۔

کھال کی پاکیزگی بذریعہ دباغت مطلب یہ ہے کہ چونکہ موزے دباغت شدہ کھال کے تھے اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ

بات جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ وہ ذبح شدہ جانور کی کھال تھی یا غیر مذبوح یعنی مردار جانور کی۔ اس حدیث سے احناف کے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ خنزیر کے سوا ہر حلال یا حرام، مذبوح یا غیر مذبوح جانور کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے اور اس سے موزہ، جوتا، ڈول، مشکیزہ، مصلّیٰ وغیرہ بنا کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بعض ائمہ صرف مذبوح جانور کی کھال سے بنے ہوئے کسی برتن وغیرہ کو جائز سمجھتے ہیں۔

مسئلہ علم غیب اس روایت سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔ آپ کو صرف اتنا ہی علم ہوتا تھا جتنا اللہ تعالیٰ عطا کر دیتا تھا۔ آپ کے لیے علم غیب ثابت کرنے والا عقیدہ فاسد ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی لیے راوی بیان کرتا ہے کہ حضور کو علم نہیں تھا کہ وہ موزے مذبوح جانور کی کھال سے بنائے گئے تھے یا نہیں۔

موزوں سے متعلق تعلیم طبرانی کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موزے پہنے، اور پھر ان کے متعلق اُمّت کو تعلیم بھی دی۔ آپ ایک سفر پر تھے دوران سفر کسی جگہ قیام کیا تو موزے اُتار کر رکھ دیئے۔ اس دوران اُن میں سانپ کا بچّہ گھس گیا جب آپ نے موزے دوبارہ پہننے کا ارادہ فرمایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ فضا سے ایک کوّا اڑتا ہوا آیا اور موزے کو لے اُڑا، تھوڑی ہی دیر بعد جب اُس نے موزے کو دوبارہ زمین پر پھینکا تو اس میں سے وہ چھوٹا سا سانپ برآمد ہوا۔ اس موذی کیڑے کی اذیّت سے حفاظت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اللہ کا شکر ادا کیا اور امّت کو تعلیم بھی دی کہ جب موزے پہننے لگو تو اُن کو جھٹک لیا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُن کے اندر کوئی موذی جانور از قسم سانپ، بچھّو، کھٹمل وغیرہ گھسا بیٹھا ہو اور وہ تمھارے لیے تکلیف کا باعث بن جائے۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا هُوَ اَبُوْ اِسْحٰقَ الشَّيْبَانِيُّ وَاِسْمُهٗ سُلَيْمَانُ ـ

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ابو اسحٰق سے مراد ابو اسحٰق شیبانی ہیں جن کا نام سلیمان تھا۔

(۱۱)۔ بَابُ مَا جَآءَ فِیْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: ”باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جُوتے مُبارک کے بیان میں۔“

یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نعلین یعنی جُوتے مُبارکوں کے بیان میں ہے کہ آپ کے جُوتے مُبارک کس وضع کے تھے اور آپ ان کو کیسے پہنتے تھے؟ جُوتا پہننا سُنّت ہے اور اس سے پاؤں کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ آدمی گرمی، سردی، ٹھوکر یا کانٹے روڑے وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔ آگے چل کر آپ یہ روایت بھی پڑھ لیں گے کہ جب تک آدمی جُوتا پہنے ہوتا ہے وہ سوار کی طرح ہوتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو بالعموم جُوتا استعمال کرنا چاہیے کیونکہ ننگے پاؤں چلنا نہ صرف اخلاقی لحاظ سے معیوب سمجھا جاتا ہے بلکہ پاؤں کو نقصان پہنچنے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی عُذر ہو مثلاً پاؤں میں تکلیف ہے یا کسی کو جُوتا میسّر ہی نہیں تو یہ امرِ مجبوری ہے، ورنہ جُوتا پہننے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔

موجودہ دور میں تو چمڑے کے علاوہ دیگر بہت سی چیزیں از قسم پلاسٹک اور نائلون وغیرہ بھی ایجاد ہو چکی ہیں جن سے مختلف قسم اور وضع کے جوتے بنائے جاتے ہیں۔ کھال سے سینے ہُوئے دیسی جوتے تو اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی بجائے اب مختلف قسم کے بُوٹ، کیٹس، چپل خاص طور پر بچوں کے لیے مختلف ڈیزائنوں اور رنگوں میں جُوتے تیار ہو رہے ہیں جو دُنیا بھر میں بنائے اور پہنے جاتے ہیں۔

پُرانے زمانے میں جوتے بنانے کا واحد خام مال مختلف جانوروں کی کھال ہی ہوتا تھا جسے رنگنے کے بعد یا بغیر دباغت کیے بھی جوتے بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ مبارکہ میں عرب کے خطّہ میں جوتے بنانے کے لیے دباغت شدہ کھال استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات کچّی کھال کا جُوتا بھی بنا لیتے تھے حتیٰ کہ بالوں سمیت کھال کا جُوتا بناتے اور اُسی طرح پہن لیتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

اور بے شک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں (القلم)

شمائل ترمذی

مع اردو ترجمہ و شرح

افادات

مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

بانی، مدرسہ نصرۃ العلوم، جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

مقدمہ، اضافہ، حاشیہ

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ، پاکستان

(۱۱)۔ بَابُ مَا جَآءَ فِیْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جُوتے مُبارک کے بیان میں "۔

یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نعلین یعنی جُوتے مُبارکوں کے بیان میں ہے کہ آپ کے جُوتے مُبارک کس وضع کے تھے اور آپ ان کو کیسے پہنتے تھے؛ جُوتا پہننا سُنّت ہے اور اس سے پاؤں کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ آدمی گرمی، سردی، ٹھوکر یا کانٹے روڑے وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔ آگے چل کر آپ یہ روایت بھی پڑھ لیں گے کہ جب تک آدمی جُوتا پہنے ہوتا ہے وہ سوار کی طرح ہوتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو بالعموم جُوتا استعمال کرنا چاہیے۔ کیونکہ ننگے پاؤں چلنا نہ صرف اخلاقی لحاظ سے معیوب سمجھا جاتا ہے بلکہ پاؤں کو نقصان پہنچنے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی عُذر ہو مثلاً پاؤں میں تکلیف ہے یا کسی کو جُوتا میسّر ہی نہیں تو یہ امرِ مجبوری ہے، ورنہ جُوتا پہننے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔

موجودہ دور میں تو چمڑے کے علاوہ دیگر بہت سی چیزیں از قسم پلاسٹک اور نائلون وغیرہ بھی ایجاد ہو چکی ہیں جن سے مختلف قسم اور وضع کے جوتے بنائے جاتے ہیں۔ کھال سے سینے ہُوئے دیسی جوتے تو اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی بجائے اب مختلف قسم کے بُوٹ، ہکیشن، چپل خاص طور پر بچوں کے لیے مختلف ڈیزائنوں اور رنگوں میں جُوتے تیار ہو رہے ہیں جو دُنیا بھر میں بنائے اور پہنے جاتے ہیں۔

پُرانے زمانے میں جوتے بنانے کا واحد خام مال مختلف جانوروں کی کھال ہی ہوتا تھا جسے رنگنے کے بعد یا بغیر دباغت کیے بھی جوتے بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ مبارکہ میں عرب کے خطّہ میں جوتے بنانے کے لیے دباغت شدہ کھال استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات کچّی کھال کا جُوتا بھی بنا لیتے تھے حتیٰ کہ بالوں سمیت کھال کا جُوتا بناتے اور اُسی طرح پہن لیتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

بالعموم بالوں کے صاف چمڑے کے جوتے استعمال کرتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں مروّجہ طریقے کے مطابق عام طور پر جوتا چپل نما ہوتا تھا جس کے اوپر آر پار دو تسمے لگا دیے جاتے اور ہر تسمہ دوہرا ہوتا تھا۔ روایات میں آمدہ تفصیلات کے مطابق حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جوتا مبارک ایک بالشت اور دو انگلی کے برابر لمبا ہوتا تھا۔ جوتے کی ایڑھی والا حصّہ سات انگلی چوڑا، درمیانی حصّہ پانچ انگلی اور اگلا حصّہ چھ انگلی چوڑا ہوتا تھا۔ اس پیمائش کے چمڑے کے بنے ہوئے تلے کے اوپر آر پار دو قبالے یا تسمے ہوتے تھے۔

حضور علیہ السّلام کے جوتے مبارک کے ساتھ محبت دراصل آپ ہی کی محبت کا ایک حصّہ ہے اس مقام پر پہنچ کر بڑے بڑے محدّث بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کے انتہائی مقام کو پا لیتے ہیں اور بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں کہ اگر انھیں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاؤں کا جوتا بھی مل جائے تو وہ اُسے ہزار بار اپنے سر پر رکھیں اور اپنی پیشانی سے لگائیں۔ حافظ عراقیؒ نے اپنی اصولِ حدیث کی کتاب (الفیۃ الحدیث) میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے عقیدت و محبت کا ذکر آپ کے جوتے مُبارک کے حوالے سے اسطرح کیا ہے[1]

؎ وَنَعْلُهُ الْكَرِيْمَةُ الْمَصُوْنَةْ
طُوْبٰى لِمَنْ مَسَّ بِهَا جَبِيْنَهْ

آپکے نعلین مبارک کس قدر باعزّت اور بابرکت ہیں کس قدر مبارک باد کا مستحق ہے وہ شخص جسے ان نعلین کو اپنی پیشانی کے ساتھ لگانے کا شرف حاصل ہو گیا۔

عقیدت و محبت کے ایسے واقعات ہمارے زمانے میں بھی پیش آتے رہتے ہیں ایک دفعہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حیدر آباد دکن گئے۔ نواب عثمان علی خاں نے آپ کا وعظ سننے کی خواہش ظاہر کی اور اس مقصد کے لیے ریاست کے بڑے بڑے امراء، علماء اور عوام کے اجتماع کا بندوبست کیا۔ آپ کی تقریر نہایت بلند پایہ تقریر ہوتی تھی۔ نواب دکن شیعیت کی طرف مائل ہونے کے باوجود علم دوست اور علمائے حق کا قدردان تھا۔ مقررہ وقت پر مولانا عثمانیؒ نے نہایت مدلّل، مؤثر اور عالمانہ تقریر فرمائی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم

[1] وسائل الوصول الی شمائل الرسول للشیخ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی ۲۷ والمواہب اللدنیہ ۳ (فیاض)

کے صحابہ کرامؓ کی خاص طور پر مدح بھی کی۔ دورانِ بیان فرمانے لگے ، بھائی ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ اور خلفائے راشدینؓ کی بات چھوڑیں، اُنکے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے ، میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر آج آپ کے ایک ادنیٰ صحابی بلال حبشیؓ کے جوتے کا ایک ٹوٹا ہوا تسمہ بھی مل جائے تو نواب عثمان علی خاں جیسے صاحب اقتدار نواب بھی اُسے تبرک جان کر اپنے تاج میں ٹانک لیں۔ یہ جملہ سُن کر نواب حیدر آباد وجد میں آگیا اور بے اختیار ناچنا شروع کر دیا۔ کہنے لگا ، کیوں نہیں ؛ اگر خدا مجھے بلال حبشیؓ کے جوتے کا شکستہ تسمہ بھی نصیب کر دے تو میں ضرور اسے اپنے تاج میں جگہ دے دوں۔ اس تسمے کے مقابلے میں تاج میں جڑے ہوئے ہیروں جواہرات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے ؛

امام ترمذیؒ نے اس باب میں گیارہ احادیث نقل کی ہیں۔

نقشہ نعل شریف
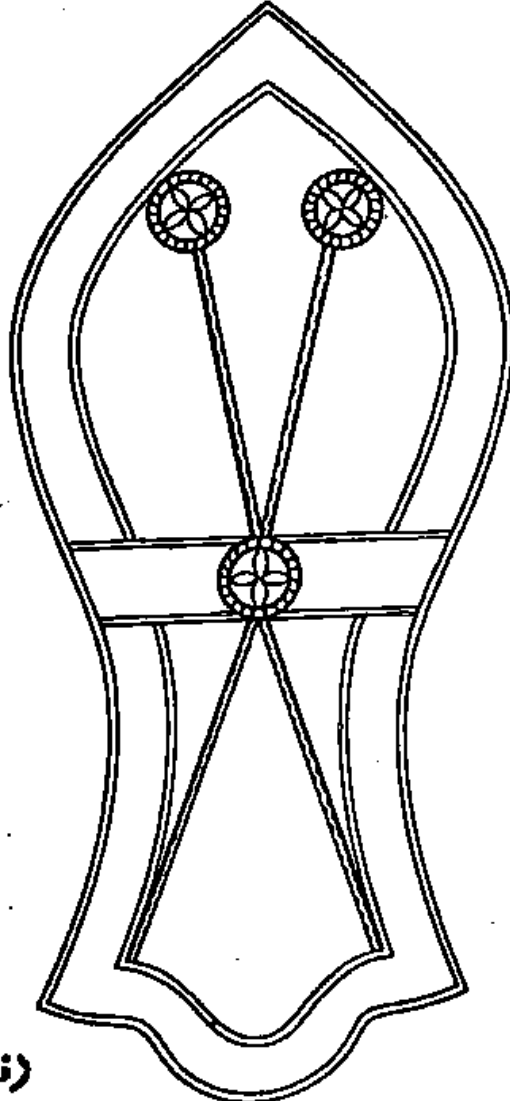
(نیاض)

حدیث ۔ ۱

درس ۔ ۱۹

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۳)

ترجمہ: ہمارے پاس محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس ابوداؤد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس ہمام نے قتادۃ کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضؓ سے پوچھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جوتے مبارک کیسے تھے؟ تو انھوں نے بتلایا کہ ہر ایک جوتے میں دو دو تسمے تھے ۔"

تشریح اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ان کا ذکر گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے۔ عَنْ قَتَادَةَ مشہور و معروف تابعی اور امام حضرت قتادہؒ کہتے ہیں قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ کہ میں نے صحابی اور خادمِ رسول حضرت انس بن مالک رضؓ سے دریافت کیا۔ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک کیسے تھے، یعنی ان کی بناوٹ کیسی تھی؟ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ تو صحابی رسول نے بتلایا کہ ہر جوتے پر دو دو تسمے تھے ۔ مزید تفصیل باب کے تعارف میں بیان ہو چکی ہے ۔ آگے مزید بھی آ رہی ہے ۔

شمائل ترمذی باب - ۱۱

درس - ۱۹ حدیث ۲

حَدَّثَنَا اَبُوکُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْحٰرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مَثْنًی شِرَاکُھُمَا ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ:- "ہمارے پاس ابو کریب محمد بن علاء نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وکیع نے سفیان کے حوالے سے نقل کیا انھوں نے خالد حذاء سے نقل کیا اور انھوں نے عبداللہ بن حارث سے۔ وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک کے تسمے دوہرے تھے۔"

تشریح اس حدیث کے راوی معروف اور ثقہ ہیں۔ ایک راوی خالد حذاء (المتوفی ۱۴۱ھ)[1] ہیں یعنی جوتے بنانے والے بعض خصاف ہوتے ہیں جو جوتوں کی مرمت کا کام کرتے ہیں۔ اسی نام پر امام خصاف بھی مشہور ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں۔ قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مَثْنًی شِرَاکُھُمَا کہ حضورؐ کے ہر جوتے میں دو دو تسمے تھے۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں بیان ہو چکا ہے اور ہر تسمہ دوہرا تھا یعنی ایک نہیں بلکہ دو دو دھاگوں کو ملا کر بنایا گیا تھا اور ہر جوتے پر دو دو تسمے لگائے گئے تھے۔

---

[1] المتوفی ۱۸۴ھ

(فیاض)

درس - ۱۹　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاؤدَ اَحْمَدُ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ قَالَ فَحَدَّثَنِيْ ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: ہمارے پاس احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوداؤد احمد الزبیری[1] نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عیسیٰ بن طہمان نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں حضرت انس بن مالکؓ نے دو جوتے نکال کر دکھائے جو بالوں سے خالی تھے اور ہر ایک جوتے پر دو دو تسمے تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے چلے جانے کے بعد ان کے شاگرد ثابت نے بتلایا کہ یہ دونوں جوتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔"

تشریح: اس حدیث کے سارے راوی بھی ثقہ ہیں۔ احمد بن منیع کا ذکر پہلے ہوچکا ہے ان سے بہت سے محدثین نے روایات نقل کی ہیں۔ ابوداؤد احمد زبیری کی نسبت اپنے دادا زبیر کی طرف ہے۔ ان سے بھی بہت سی روایات منقول ہیں۔ عیسیٰ بن طہمان بھی صدوق راوی ہیں۔ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ وہ کہتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ نے ہمیں دو جوتے نکال کر دکھائے۔ جَرْدَاوَيْنِ جو بالوں سے خالی تھے۔ اس زمانے میں جوتے جانوروں کی کھالوں سے بنائے جاتے تھے۔ بعض دفعہ کھال سے بال صاف

---

[1] المتوفیٰ ۲۰۸ھ　(فیاض)

کر لیے جاتے تھے اور بعض لوگ بالوں سمیت ہی کھال سے جوتے بنا لیتے تھے۔ اس کے علاوہ دباغت شدہ کھال سے بھی جوتے بنائے جاتے تھے۔ اس حدیث میں جن جوتوں کا ذکر ہے، راوی بیان کرتا ہے کہ اس کے مشاہدہ کردہ جوتے بالوں سے خالی تھے۔ یعنی اُن پر سے بال صاف کر لیے گئے تھے۔ نیز کہتے ہیں لَهُمَا قِبَالَانِ کہ دونوں میں سے ہر جوتے پر دو دو تسمے لگائے گئے تھے۔

راوی عیسیٰ نے مشاہدہ شدہ جوتوں کی کیفیت تو جان لی مگر اُنھیں اُس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ جوتے کس کے تھے۔ قَالَ فَحَدَّثَنِيْ ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ اَنَسٍ کہتے ہیں کہ جب حضرت انسؓ جوتے دکھا کر چلے گئے تو اُن کے بعد اُنکے شاگرد ثابت نے مجھے بتلایا كَانَتَا نَعْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ وہ جوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے تھے۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۱۱

حدیث ۔ ۴

درس ۱۹

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهُ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ رَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّاُ فِيْهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی معن[1] نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا مالک نے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا سعید بن ابو سعید مقبری نے انھوں نے روایت لی عبید بن جریج سے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپ نعال سبتیہ کیوں استعمال کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے کہ آپ ایسا جوتا استعمال کرتے تھے جس میں بال نہ ہوں اور آپ اسی جوتے سمیت وضو بھی کر لیتے تھے۔ چنانچہ مَیں بھی ایسا ہی جوتا پہننا پسند کرتا ہوں۔"

تشریح اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اسحٰق بن موسیٰ انصاری، معن، مالک، سعید بن ابی سعید مقبری (المتوفی ۱۲۳ھ)، علید بن جریج سے قابل قبول راوی ہیں اور ان کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ عبید بن جریج کہتے ہیں قَالَ لِابْنِ عُمَرَ کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا رَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بالعموم سبتیہ جوتا پہنتے ہیں، اسکی کیا وجہ

[1] المدنی المتوفی ۱۹۸ھ ... [illegible]

سا ہے ؟ نعال سبتیہ سے مُراد وہ جوتا ہے جو بغیر بالوں کی کھال کے بنایا گیا ہو۔ اس زمانے میں عام طور پر لوگ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ جانور کی کھال جس سے جوتا بنایا جا رہا ہے اُس کے اُوپر سے بال ہی صاف کر لیں، نہیں بلکہ جیسی کھال کسی کو میسّر آگئی، جوتا بنا لیا۔ اگر کھال کو رنگنا مقصود ہوتا تو بال صاف کر لیے جاتے وگرنہ بالوں سمیت ہی جوتا بنا لیا جاتا۔ سَبت کا معنیٰ مونڈنا ہوتا ہے اور نعال سبتیہ سے مراد ایسا جوتا ہے جس کے اوپر سے بال صاف کر لیے گئے ہوں۔

اس سوال کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ قَالَ اِنِّی رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْھَا شَعْرٌ کہ مَیں بالوں کے بغیر جوتا اس لیے پہنتا ہوں کہ مَیں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر بالوں کے جوتا پہنے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا مَیں آپکی سُنّت پر عمل کرتا ہوں۔ نیز انھوں نے یہ بھی بتایا کہ وَیَتَوَضَّأُ فِیْھَا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جوتے کے اندر ہی وضو فرما لیتے تھے یعنی وضو کرتے وقت جوتا نہیں اتارتے تھے۔ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَھَا۔ لہٰذا مَیں بھی ایسا ہی جوتا استعمال کرنا پسند کرتا ہوں جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا۔

باب - ۱۱

شمائل ترمذی

حدیث - ۵

درس - ۱۹

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ صَالِحٍ مُوْلَی التَّوْاَمَۃِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۳)

ترجمہ :" ہمارے پاس اسحٰق بن منصور نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے بیان کیا ۔ انھوں نے ابنِ ابی ذئب سے اور انھوں نے توأمہ کے آزاد کردہ غلام[1] صالح سے نقل کیا ۔ انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے اخذ کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کے دو دو تسمے تھے "

تشریح | یہ حدیث بلحاظِ مضمون پہلے بھی بیان ہو چکی ہے ۔ راویان واضح کر چکے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نعلین مُبارک میں سے ہر جوتے پر دو دو تسمے تھے اور ہر تسمہ دوہرا تھا ۔ اس زمانے میں چمڑے کو پاؤں کے سائز کے مطابق کاٹ کر ہر جوتے پر آر پار دو دو تسمے لگا دیے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جوتے مبارک بھی ایسے ہی ہوتے تھے ۔

---

[1] المتوفی ۱۲۵ھ ۔ (فیاض)

شمائل ترمذی　　　　　باب - ۱۱

درس - ۱۹　　　　　حدیث - ۶

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ السُّدِّيِّ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ يَقُوْلُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْنِ مَخْصُوْفَتَيْنِ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا احمد بن منیع نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا ابو احمد نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سفیان[۱] نے سدّی کے حوالے سے خبر دی۔ سدّی کہتے ہیں کہ میرے پاس اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹانکے لگے ہوئے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا"

سندِ حدیث امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ کہ ہمارے پاس احمد بن منیع نے بیان کیا جو کہ ثقہ راوی ہیں اور ان کی پہلے بھی کئی روایات ذکر کی جا چکی ہیں۔ وہ کہتے ہیں حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ کہ ہمارے پاس یہ روایت ابو احمد نے بیان کی۔ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سفیان نے خبر دی علامہ قسطلانیؒ کہتے ہیں کہ ان سے مراد سفیان ثوری ہیں کیونکہ انھوں نے سُدّی سے اکثر روایات نقل کی ہیں عَنِ السُّدِّيِّ سفیان ثوری نے یہ روایت سدّی سے نقل کی۔ یہ بھی ثقہ راوی ہیں۔ یہ اسمٰعیل سُدّی ہیں جو مسجد کی دہلیز کے پاس آکر بیٹھ جایا کرتے تھے، اور جن سے محدثین کی ایک جماعت نے روایات اخذ کی ہیں حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت اس

[۱] المتوفی ۱۲۷ھ　　(فیاض)

شخص نے بیان کی جس نے اسے عمرو بن حریث ؓ سے سُنا۔ علامہ قسطلانیؒ کہتے ہیں کہ کسی بھی روایت میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ یہ شخص کون تھا جس نے عمرو بن حریث سے سُن کر سُدّی کے پاس بیان کیا تاہم گمان یہ ہے کہ یہ صاحب عطار بن سائب ہیں جو کہ آخر میں سُدّی سے ملے اور اُن سے حدیث سماعت کی۔

مُرمّت شدہ جوتوں میں نماز

تو یہ عمرو بن حریث کہتے ہیں رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْنِ مَخْصُوْفَتَیْنِ کہ مَیں نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ٹانکے لگے ہوئے (مرمت شدہ) دو جوتے پہن کر نماز ادا کر رہے تھے۔ جوتے کثرتِ استعمال سے بالعموم ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور پھر اُن کی مرمت بھی کرانی پڑتی ہے حضور علیہ السّلام نے ایسے مرمت شدہ جوتوں میں بھی نماز ادا فرمائی ہے۔ آگے آپ کسی روایت میں پڑھ لیں گے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے جوتے مرمت کر لیتے تھے۔

شمائل ترمذی

باب - ۱۱
درس - ۱۹
حدیث - ۷

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَی الْاَنْصَارِیُّ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَمْشِیَنَّ اَحَدُكُمْ فِیْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ لِیَنْعَلْهُمَا جَمِیْعًا اَوْ لِیُحْفِهِمَا جَمِیْعًا حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ نَحْوَهٗ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس معن نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مالک نے ابوزناد کے حوالے سے خبر دی۔ انھوں نے اعرج[1] سے اور انھوں نے ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص صرف ایک جوتا پہن کر نہ چلے۔ یا تو دونوں جوتے پہنے یا دونوں نکال دے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسی مضمون کی روایت قتیبہ نے بھی مالک اور ابوزناد کے حوالے بھی بیان کی ہے۔

تشریح اس حدیث کے تمام راویان ثقہ ہیں جن کے حالات پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں جو کہتے ہیں۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَمْشِیَنَّ اَحَدُكُمْ فِیْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے

[1] المتوفی ۱۱۷ھ ۔ (فیاض)

کوئی بھی آدمی ایک جوتا پہن کر نہ چلے ۔ فرمایا لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا یا تو دونوں جوتے پہن کر چلنا چاہیے یا دونوں جوتے اُتار کر ننگے پاؤں چلو۔ مطلب یہ ہے کہ ایک جوتا پہن لیا اور دوسرا ہاتھ میں پکڑ لینا کوئی اچھی بات نہیں بلکہ بدوضعی کی علامت ہے بعض اوقات دیہاتی لوگ ایسا کرتے ہیں جو کہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہے مثلاً ایک پاؤں میں تکلیف ہے اور جوتا نہیں پہن سکتا تو الگ بات ہے ۔ وگرنہ بلا عذر صرف ایک پاؤں میں جوتا پہننا کوئی اچھی بات نہیں ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ نَحْوَهُ کہ ہمارے پاس اسی مضمون کی حدیث ایک دوسری سند کے ذریعے بھی پہنچی ہے اور وہ سند یہ ہے کہ اُن کے پاس بیان کیا قتیبہ نے ، اُنکے پاس مالک نے اور انھوں نے ابو زناد سے یہ روایت اخذ کی۔

شمائل ترمذی | باب - ۱۱
درس - ۱۹ | حدیث - ۸

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی اَخْبَرَنَا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ یَّاْكُلَ یَعْنِی الرَّجُلَ بِشِمَالِهٖ اَوْ یَمْشِیَ فِیْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۲۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس معن نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مالک نے خبر دی۔ انھوں نے ابو زبیر سے نقل کیا اور وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے آدمی کے بائیں ہاتھ سے کھانے یا ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع فرمایا ہے۔"

تشریح اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں اور ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت جابرؓ صحابی رسول بیان کرتے ہیں اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ پہلی چیز اَنْ یَّاْكُلَ یَعْنِی الرَّجُلَ بِشِمَالِهٖ۔ یہ کہ آدمی اپنے بائیں ہاتھ کے ساتھ کھانا کھائے اور دائیں ہاتھ کو اس مقصد کے لیے بلا عذر استعمال نہ کرے۔ اور دوسری بات اَوْ یَمْشِیَ فِیْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ یہ ہے کہ وہ صرف ایک پاؤں میں جوتا پہنے اور دوسرا پاؤں برہنہ رکھے۔ یہ ارشاد پچھلی حدیث میں بھی بیان ہو چکا ہے۔

باب - ۱۱

شمائل ترمذی

حدیث - ۹

درس - ۱۹

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ ح وَاَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى اَخْبَرَنَا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِيْنِ وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس قتیبہ نے مالک کے حوالے سے بیان کیا (تحویل) ان کے پاس اسحٰق بن موسٰی نے اور انکے پاس معن نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مالک نے ابوزناد سے اور انھوں نے اعرج کے حوالے سے نقل کیا۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی شخص جب جوتا پہنے تو دائیں پاؤں سے ابتدا کرے، اور جب جوتا نکالے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے۔ گویا جوتا پہننے میں دائیں پاؤں کو اوّلیت حاصل ہونی چاہیے اور جوتا اتارنے میں اسے مؤخر کرنا چاہیے۔"

تشریح، دائیں طرف کو اوّلیت | اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں جن کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ امام ترمذیؒ کو یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ کے واسطہ سے پہنچی ہے جو کہتے ہیں اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِيْنِ کہ جب تم میں سے کوئی شخص جوتا پہنے تو دائیں طرف سے ابتدا کرے یعنی پہلے دائیں پاؤں میں پہنے۔ وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ اور جب

جوتا اتارے تو بائیں طرف سے آغاز کرے لینی پہلے بایاں پاؤں نکالے اور پھر دایاں پاؤں۔ فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے فَلْتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ کہ جوتا پہنتے وقت دائیں طرف کو اوّلیت حاصل ہونی چاہیے۔ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ اور جوتا اتارنے میں اسے مؤخر کرنا چاہیے۔ مطلب یہی ہے کہ کوئی بھی کام کرتے وقت ابتداء دائیں طرف سے ہونی چاہیے۔ جوتا پہننا ہو، کوئی کپڑا پہننا ہو، حجامت بنوانی ہو، کنگھی کرنی ہو، وضو اور غسل کرنا ہو، جہاں جہاں دو دو عضو کو استعمال کرنا ہو وہاں دائیں طرف کو پہلے استعمال کرنا چاہیے اور بائیں طرف کو بعد میں۔ پھر جوتا یا کپڑا وغیرہ اُتارتے وقت بائیں طرف کو اوّلیت اور دائیں طرف کو مؤخر کرنا چاہیے۔ گویا تلبس بالنعمت ہمیشہ پہلے ہونا چاہیے۔

درس ١٩　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ١٠

حَدَّثَنَا اَبُوْمُوْسٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا اَشْعَثُ هُوَ ابْنُ اَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِيْ تَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ وَطُهُوْرِهٖ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس ابوموسیٰ نے بیان کیا انھوں نے محمد بن مثنیٰ سے بیان کیا ۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس شعبہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر اشعث نے دی جوکہ ابن ابی الشعثاء ہیں ۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ۔ انھوں نے مسروق سے اور انھوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے ۔ وہ کہتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حسب استطاعت کنگھی کرنے ، جوتا پہننے اور طہارت کرنے میں دائیں طرف کو پسند فرماتے ۔"

سندحدیث اس حدیث کے تمام راوی بھی ثقہ ہیں اوران کا بیان پہلے دوسری روایات میں بھی آچکاہے ۔ امام ترمذیؒ نے یہ روایت اپنے استاذ ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ سے نقل کی ہے ۔ انھوں نے یہ حدیث محمد بن جعفر سے ، انھوں نے شعبہ سے اور انھوں نے اشعث سے اخذ کی ۔ ان کی کنیت ابن ابی الشعثاء ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے مسروق سے اور وہ امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں ۔

دائیں طرف کی پسندیدگی

قَالَتْ اُمُّ المؤمنین بیان کرتی ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا دائیں طرف کو پسند فرماتے اور اس ضمن میں آپ خاص طور پر فِیْ تَرَجُّلِہٖ کنگھی کرنے میں وَتَنَعُّلِہٖ جوتا پہننے میں وَطُهُوْرِہٖ اور طہارت کرنے یعنی وضو یا غسل کرنے میں دائیں طرف سے پہل کرتے۔

اس روایت میں مذکورہ اُمور کی انجام دہی میں دائیں طرف سے شروع کرنے کا ذکر ہے تاہم ہر اچھے کام میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کام کے آغاز کے لیے دائیں طرف کو ہی محبوب رکھتے۔ دوسری روایت میں حجامت بنوانے، مسجد میں داخل ہونے وغیرہ میں بھی دائیں طرف کا ذکر آتا ہے اور جہاں کم تر کام کی انجام دہی مذکور ہوتی مثلاً جوتا یا لباس اتارنے، مسجد سے نکلنے، بیت الخلاء میں داخل ہونے کا معاملہ ہوتا تو وہاں بائیں طرف سے ابتداء کرتے۔

باب - ۱۱

شمائل ترمذی

حدیث ۱۱

درس - ۱۹

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوْقٍ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ قَيْسٍ اَبُوْمُعَاوِيَةَ اَنْبَأَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَ اَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَّاحِدًا عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۳)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا محمد بن مرزوق ابوعبداللہ نے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا عبدالرحمٰن بن قیس ابومعاویہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ہشام نے محمد کے حوالے سے ، انھوں نے یہ روایت ابوہریرہؓ سے اخذ کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جوتے کے دو دو تسمے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے جوتوں کے بھی اور سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے ایک تسمہ کی ابتداء کی۔"

سند حدیث اس حدیث کے ایک راوی اور امام ترمذی کے استاد محمد بن مرزوق ہیں۔ انکی کنیت ابوعبداللہ باھلی تھی (المتوفی ۲۴۸ھ) بعض شارحین نے انھیں محمد بن مرزوق بن عثمان بصری پر محمول کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے ۔ انکے استاذ ابومعاویہ عبدالرحمٰن بن قیس ہیں جو کہ مقبول راوی ہیں۔ اگلے راوی ہشام یعنی حسان ہیں جنھوں نے محمد بن سیرین سے روایات نقل کی ہیں۔ وہ صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جوتے میں دو دو تسمے ہوتے تھے۔

وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اور خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ اور

خلیفہ ثانی عمر فاروقؓ نے بھی اس معمول پر عمل کیا اور انھوں نے بھی اپنے جوتوں میں دو دو تسمے ہی استعمال کیے۔ وَاَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَّاحِدًا عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ پھر دو کی بجائے ایک تسمے کے استعمال کا آغاز خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے کیا۔ ایک تسمہ انگوٹھے کے اور دوسری انگلی کے درمیان اور دوسرا تسمہ درمیانی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی، درمیانی انگلی کے درمیان۔
حضرت عثمانؓ نے شیخین سے مختلف طریقہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے اختیار کیا تاکہ لوگ دو تسموں کو فرض واجب کا درجہ نہ دے دیں اور پھر آئندہ نسلوں کے لیے ایسا کرنا کہیں مشکل نہ ہو جائے۔
آپ بلاشبہ خلیفہ راشد ہیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد مبارک[1] ہے۔ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ۔ لوگو، تمہارے لیے میری سُنّت پر عمل کرنا ضروری ہے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو بھی لازم پکڑو۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عمل سے امّتِ محمدیہ پر واضح کر دیا کہ ہر جوتے میں دو دو تسمے باندھنا کوئی فرض واجب نہیں بلکہ یہ تو محض مستحبات میں سے ہے اور ایک تسمہ سے بھی گزارا ہو سکتا ہے لہٰذا یہ ہر شخص کی اپنی صوابدید پر ہے کہ وہ حسبِ ضرورت ایک تسمہ استعمال کرے یا دو۔ اس کی مثال دوسری[2] جگہ بھی ملتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطاب کرتے وقت منبر کی تیسری سیڑھی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ حضرات شیخین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تقدس کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آخری سیڑھی کی بجائے نیچے والی دوسری سیڑھی پر بیٹھنے لگے جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ پھر اُوپر والی سیڑھی پر بیٹھ کر خطاب کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرات شیخین تو اُوپر والی سیڑھی پر نہیں بیٹھتے تھے مگر آپ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر میں نے بھی شیخین کے طریقے کے مطابق اوپر والی سیڑھی کو ترک کر دیا تو آنے والی نسلیں تو پھر اُس سے نیچے والی سیڑھی پر خطاب کریں گی۔ پھر اُنکے بعد جو آئینگے وہ زمین پر بیٹھنا شروع کر دینگے حتیٰ کہ آخر زمانہ تک لوگ کنوئیں میں اُتر کر خطاب کرنے لگیں گے۔ بہرحال آپ نے فرمایا کہ یہ مستحب امر ہے، کوئی ضروری نہیں ہے لہٰذا جو بھی طریقہ اختیار کر لیا جائے، بہتر ہے۔ لہٰذا انھوں نے امّت کی آسانی کے لیے دو کی بجائے ہر جوتے میں ایک ایک تسمہ لگانا شروع کر دیا۔

---

[1] ترمذی صـ۳۸۳ وابن ماجہ صـ۵ وموارد الظمآن صـ۵۶ ، [2] نفحۃ العرب صـ۲۹ (ریاض)

(۱۲) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ ذِکْرِ خَاتِمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھی مبارک کے بیان میں۔"

خاتم رسول کی تاریخ یہ باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک سے متعلق ہے۔ جس میں امام ترمذیؒ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک کی ساخت اور اسے پہننے کے ضمن میں آٹھ روایات نقل کی ہیں۔ اس کو خَاتِمٌ اور خَاتَمٌ دونوں طرح تلفظ کیا گیا ہے۔ اس کا معنیٰ انگوٹھی ہوتا ہے مَا یُخْتَمُ بِہٖ جس کے ذریعے کسی دستاویز کے آخر میں مہر لگائی جاتی ہے۔ انگوٹھی پہننے سے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جملہ روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں دو مرتبہ انگوٹھی بنوائی ہے، سونے کی بھی اور چاندی کی بھی۔ البتہ یہ واضح نہیں کہ آپ نے سونے کی انگوٹھی پہلے پہنی ہے یا چاندی کی۔ تاہم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سونے کی بنی ہوئی انگوٹھی پہنی۔ پھر جب اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی مردوں کے لیے سونے کے زیورات پہننے کی ممانعت آ گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔ دوسری روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سونے کا زیور صرف عورتوں کے لیے روا اور مردوں کے لیے ممنوع ہے۔ اسکے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی مگر بعد میں اُسے بھی اتار دیا۔ البتہ اس انگوٹھی کے اتارنے کی وجہ روایات سے معلوم نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے تکلف سمجھ کر یا کسی دیگر وجہ سے چاندی کی انگوٹھی بھی اتار دی ہو۔ تاہم اسکی حرمت نہیں آئی۔

پھر ۶ھ کے بعد جب آپ معاہدہ حدیبیہ کر کے واپس آئے اور مختلف ممالک کے سربراہان کو اسلام کے دعوت نامے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ اس سلسلہ میں بعض واقفِ حال صحابہ نے عرض کیا کہ حضور! دنیا کے عام ملوک کا یہ دستور ہے کہ وہ کسی ایسے غیر ملکی خط کو قبول نہیں کرتے جس پر تحریر کنندہ کی مہر ثبت نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے چاندی کی ایک ایسی انگوٹھی بنانے کا حکم دیا جو مکتوبات پر لگانے کے لیے مہر کا کام بھی دے۔ یہ کام یعلیٰ بن امیہ نے انجام

دیا، انگوٹھی بنائی، اُس میں نگینہ بھی لگایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے الفاظ بھی کندہ کیے۔ جب کسی نوشتہ پر مہر لگانا ہوتی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام انگوٹھی اتار کر اس سے مہر بھی لگا دیتے۔

انگوٹھی کے احکام

یہ انگوٹھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کبھی دائیں ہاتھ کی چھنگلی (چھوٹی انگلی) میں اور کبھی بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہنتے تھے۔ لہٰذا دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا مباح ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش و نگار اندر کی طرف ہوتا تھا یعنی انگوٹھی پر جو الفاظ کندہ تھے وہ انگوٹھی پہنتے وقت ہاتھ کے اندر کی طرف ہوتے تھے تاکہ وہ بے ادبی سے محفوظ رہیں اور بوقت ضرورت ان کے ذریعے مہر لگائی جا سکے۔ البتہ جب آپ بیت الخلاء میں جاتے تو انگوٹھی کو اتار دیتے کیونکہ اس پر اللہ اور اس کے رسول کا نام کندہ تھا اور ادب کا تقاضا یہی تھا کہ اِسے استنجا پاک کرنے کی جگہ پر نہ لے جایا جائے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور بعض صحابہ سے بھی انگوٹھی پہننا ثابت ہے۔ یہ مہر لگانے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور اسے زینت کے لیے بھی پہنا جاتا ہے۔ اسی لیے بعض فقہاء کرام کہتے ہیں کہ محض زینت کے لیے بھی انگوٹھی پہننا مباح ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ بعض فقہائے کرام کا نظریہ یہ ہے کہ انگوٹھی کسی ضرورت مثلاً کسی مفتی، قاضی کے مہر لگانے کے لیے تو جائز ہے مگر محض زینت کے لیے مردوں کو انگوٹھی پہننا بہتر نہیں بلکہ غیر اولیٰ ہے۔ چونکہ صحابہ کرام اور خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے محض زینت کے لیے بھی انگوٹھی پہننا ثابت ہے لہٰذا اس کو مباح ہی سمجھا جائے گا مگر اس میں تحدید یہ ہے کہ انگوٹھی صرف چاندی کی ہو، کسی دوسری دھات کی بنی ہوئی نہ ہو اور اس کا وزن بھی چار ماشے سے زیادہ نہ ہو۔ البتہ انگوٹھی میں لگایا جانے والا نگینہ خود چاندی، کسی دوسری دھات یا پتھر کا بھی ہو سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ قیمتی بھی ہو سکتا ہے۔

مشاہیر اسلام کی انگوٹھیوں کے نقش

بعض شارحین نے مختلف مشاہیر اسلام کی انگوٹھیوں پر کندہ الفاظ کا ذکر کیا ہے مگر یہ ساری تفسیری اور

تاریخی روایات ہیں جن میں سے کوئی بھی صحت کو نہیں پہنچتی۔ مثال کے طور پر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی انگوٹھی پر یہ الفاظ تھے۔ "کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظاً" یعنی انسان کے لیے موت ایک بہت بڑا واعظ ہے۔ حضرت علیؓ کی انگوٹھی پر تھا "لِلّٰہِ الْمُلْکُ" یعنی ساری بادشاہی خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی انگوٹھی پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کے الفاظ اور امام باقرؒ کی انگوٹھی پر "اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ" کندہ کروایا گیا تھا۔ تابعین میں سے امام نخعیؒ کی انگوٹھی پر "اَلثِّقَۃُ لِلّٰہِ" اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھائی اور آپکے شاگرد حضرت مسروقؒ نے "بِسْمِ اللّٰہِ" کے الفاظ کندہ کرا رکھے تھے یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کی انگوٹھی پر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" لکھا تھا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی انگوٹھی میں "لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ" اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی پر "اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ" کے الفاظ تھے۔ ان میں سے کوئی بھی چیز مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو مگر وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

موجودہ زمانے میں تو انگوٹھی کے ذریعے مہر لگانے کی ضرورت باقی نہیں رہی بلکہ تمام سربراہان مملکت، وزراء، امراء اور افسران کے پاس الگ مہر ہوتی ہے جو وہ حسبِ ضرورت اپنے کسی معتمد کے ذریعے لگوا دیتے ہیں۔ تاہم حضور علیہ السّلام کے زمانہ میں احادیث میں مذکور مہر لگانے کا دستور تھا۔ یہ طریقہ خلفائے راشدینؓ نے بھی جاری رکھا۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انگوٹھی مبارک حضرت عثمانؓ کے زمانے میں انکے ہاتھ سے (یا حضرت معیقیبؓ جو کہ بدری صحابی ہیں المتوفی ۴۰ھ کے ہاتھ سے) کنوئیں میں گر گئی تھی، جو تلاشِ بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکی۔ اس کا مفصّل بیان آگے بھی آرہا ہے۔

باب - ۱۲

درس - ۲۰

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَغَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَّرِقٍ وَكَانَ فَصُّهٗ حَبَشِیًّا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۴)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید اور دوسرے بہت سے اساتذہ نے۔ انھوں نے یہ روایت بیان کی عبداللہ بن وہب[لہ] سے، انھوں نے یونس سے، انھوں نے ابنِ شہاب سے اور انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی انگوٹھی مبارک چاندی کی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔"

سندِ حدیث اس حدیث کے تمام راوی معروف اور ثقہ ہیں۔ اس سند میں قتیبہ بن سعید کے ساتھ وَغَیْرُ وَاحِدٍ کے الفاظ بھی آئے ہیں اس سے امام ترمذیؒ کی مراد یہ ہے کہ اُن کے استاد قتیبہ بن سعید سے تو اور بھی بہت سے احادیث کے الفاظ مروی ہیں۔ تاہم اس حدیث کو اُن کے علاوہ اور بھی ایک دو نہیں بلکہ بہت سے راویان نے بیان کیا ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انگوٹھی مُبارک عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ اس حدیث کے راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں كَانَ خَاتَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَّرِقٍ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھی مبارک چاندی کی تھی۔ وَرَقَ اگر رَ کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ درخت کا پتہ ہوتا ہے اور اگر وَرِقَ رَ کی کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ چاندی ہوتی ہے۔

لہ المتولد ۱۲۵ھ والمتوفی ۱۹۷ھ (فیاض)

اس مقام پر وَرِق سے مُراد چاندی ہے جس سے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انگوٹھی مبارک بنائی گئی تھی ۔

حضرت انسؓ مزید بیان کرتے ہیں وَکَانَ فَصُّہٗ حَبَشِیًّا اُس انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا۔ نگینہ کو حبشہ کی طرف منسوب کرنے کی مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ اُس کا رنگ سیاہ ہو کیونکہ حبشہ کے لوگ عام طور پر سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ حبشہ کی کانوں میں سے بعض کانوں میں سے نکلنے والا عقیق گہرے سبز رنگ کا سیاہی مائل ہوتا ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نگینہ ایسے ہی کسی عقیق کا تھا اس لیے اسے حبشی نگینہ کہا گیا ہے۔ حبشی نگینہ اس لیے بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حبشی طریقے پر کاٹ چھانٹ کر بنایا گیا تھا یا اُس کا صناع یعنی بنانے والا کوئی حبشی آدمی تھا۔ یہ بالکل اسی طرح کی نسبت معلوم ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں ملتانی حلوہ یا پشاوری چپل یا قندھاری انار وغیرہ۔ بہرحال اس حدیث سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے ایک یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک چاندی کی بنی ہوئی تھی ۔ نیز یہ کہ اُس میں جو نگینہ لگا ہوا تھا وہ کسی اعلیٰ قسم کے پتھر کا تھا جس کی نسبت حبشہ کی طرف کی گئی ہے۔ آگے آرہا ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ خود اُسی جنس سے بھی ہو سکتا ہے جس کے ساتھ انگوٹھی بنائی گئی ہے اور کسی دوسری جنس از قسم پتھر شیشہ وغیرہ کا بھی ہو سکتا ہے ۔

شمائل ترمذی

باب - ۱۲

درس - ۲۰

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَوَانَۃَ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّۃٍ فَکَانَ یَخْتِمُ بِہٖ وَلَا یَلْبَسُہٗ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی اَبُوْبِشْرٍ اِسْمُہٗ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْ وَحْشِیَّۃَ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۴۲)

ترجمہ: ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی ابوعوانہ نے، انھوں نے روایت نقل کی ابوبشر سے اور انھوں نے نافع سے۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی ہوئی تھی جس کے ساتھ مُہر لگاتے تھے، اور اس کو پہنتے نہیں تھے۔ ابوعیسٰی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک راوی ابوبشر کا پورا نام جعفر بن ابی وحشیۃ تھا۔" (المتوفی ۱۲۵ھ یا ۱۲۶ھ)

تشریح اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس روایت کو براہِ راست حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بیان کرنے والے آپ کے جلیل القدر صحابی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّۃٍ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چاندی کی بنی ہوئی ایک انگوٹھی تھی۔ فَکَانَ یَخْتِمُ بِہٖ آپ اُس انگوٹھی کے ساتھ مطلوبہ جگہ پر مہر لگاتے تھے یعنی کسی تحریر، نوشتہ، معاہدہ، مکتوب وغیرہ کے آخر میں اُس انگوٹھی کے ذریعے مہر لگاتے تھے۔ آگے آرہا ہے کہ انگوٹھی پر " مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ " کے الفاظ کندہ تھے اور یہ الفاظ بطورِ مہر دستاویز پر لگ جاتے تھے۔ روایت کے اگلے الفاظ ہیں وَلَا یَلْبَسُہٗ آپ اس انگوٹھی

کو پہنتے نہیں تھے۔ یعنی وہ انگوٹھی صرف مہر لگانے کے کام آتی تھی۔ البتہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے محض زینت کے لیے بھی انگوٹھی پہنی ہے لہٰذا اس حدیث کے الفاظ لَا یَلْبَسُہٗ کی تاویل اس طرح کریں گے کہ لَا یَلْبَسُہٗ وَقْتَ التَّخَتُّمِ یعنی مہر لگاتے وقت آپ انگوٹھی نہیں پہنتے تھے۔ گویا انگوٹھی ہاتھ سے اتار کر کسی دستاویز پر مہر لگاتے تھے۔ اس کا مفہوم لَا یَلْبَسُہٗ اَبَدًا کے ساتھ بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کہ آپ نے انگوٹھی کا پہننا ہمیشہ کے لیے نہیں کیا بلکہ کبھی پہن لی کبھی اتار دی۔

قَالَ اَبُوْعِیْسٰی ابو عیسٰی کہتے ہیں کہ اس سند کے ایک راوی اَبُوْبِشْرٍ اِسْمُہٗ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْ وَحْشِیَّۃَ کا پورا نام جعفر ابن ابی وحشیۃ تھا۔

شمائل ترمذی

باب - ۱۲
درس - ۲۰
حدیث - ۳

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عُبَيْدٍ هُوَ الطَّنَافِسِيُّ اَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۴)

ترجمہ: ہمارے پاس محمود بن غیلان نے بیان کیا۔ اُن کے پاس یہ روایت حفص بن عمر بن عبید نے بیان کی جو دریاں بنانے والے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث (ابوخیثمہ)[1] زہیر نے حمید کے حوالے سے بیان کی انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے اخذ کی وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی اور اُس کا نگینہ بھی اُسی (چاندی) کی جنس سے تھا۔"

تشریح اس حدیث کے تمام راویان ثقہ ہیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں كَانَ خَاتَمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھی مبارک چاندی کی بنی ہوئی تھی۔ فَصُّهُ مِنْهُ اور اس کا نگینہ بھی اُسی سے تھا یعنی وہ کسی پتھر یا دوسری دھات کا بنا ہوا نہیں تھا بلکہ چاندی کی انگوٹھی میں چاندی ہی کا خوبصورت نگینہ بنا ہوا تھا۔

اس باب کی پہلی روایت اور تیسری روایت میں قدرے تعارض محسوس ہوتا ہے وہاں آپ کی انگوٹھی کا نگینہ حبشی بتایا گیا ہے جو کہ عقیق کی ایک قسم ہے اور وہ فاص

[1] المتوفی ۱۷۳ھ۔ (فیاض)

قسم کا پتھر ہوتا ہے۔اس کے برخلاف اس روایت میں نگینہ کو چاندی کا بتلایا گیا ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ بیان کردہ انگوٹھی کی یہ دونوں صورتیں کسی ایک انگوٹھی کے متعلق
نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس دو قسم کی انگوٹھیاں بیک وقت یا
مختلف اوقات پر رہی ہیں جن میں سے ایک کا نگینہ حبشی عقیق کا تھا اور دوسری کا چاندی
کا۔ غالباً یہ چاندی کے نگینے والی انگوٹھی تھی جس پر مہر کے الفاظ کندہ تھے اور آپ اسے
اتار کر بوقت ضرورت مہر بھی لگالیا کرتے تھے۔

باب - ١٢

درس - ٢٠

حدیث - ٤

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّكْتُبَ اِلَی الْعَجَمِ قِیْلَ لَهٗ اِنَّ الْعَجَمَ لَا یَقْبَلُوْنَ اِلَّا كِتَابًا عَلَیْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِهٖ فِیْ كَفِّهٖ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس اسحٰق بن منصور نے بیان کیا۔ اُنکے پاس معاذ بن ہشام نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انھوں نے اس حدیث کی سماعت حضرت انس بن مالکؓ (خادمِ رسُول) سے کی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ عجم کو (تبلیغی خطوط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے آپکے سامنے عرض کیا کہ عجم والے بلا مہر خط کو قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انگوٹھی بنوائی جس کی سفیدی میں اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہا ہوں ان کے ہاتھ میں۔"

تشریح اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں لَمَّا اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّكْتُبَ اِلَی الْعَجَمِ کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کے بادشاہوں کو مکتوب لکھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ انھیں اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ یا ۷ھ میں ہُوا کہ آپ نے مختلف سربراہانِ مملکت کو تبلیغی خطوط لکھے۔ تو جب آپ نے یہ ارادہ کیا۔ قِیْلَ لَهٗ تو واقف حال لوگوں نے عرض کیا،

حضور، اِنَّ الْعَجَمَ لَا یَقْبَلُوْنَ اِلَّا کِتَابًا عَلَیْهِ خَاتَمٌ عجم کے لوگ صرف وہی مکتوب قبول کرتے ہیں جن پر تحریر کنندہ کی مہر لگی ہوئی ہو کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ بھی اپنی مہر بنوائیں تاکہ عرب سے باہر بھیجے جانے والے خطوط پر لگادی جائے اُس زمانے میں یہ عام دستور تھا کہ بغیر مہر کے خط کو اہمیت ہی نہیں دی جاتی تھی۔ راوی بیان کرتے ہیں فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا چنانچہ اس مشورہ کے مطابق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مہر بنوائی۔ ظاہر ہے کہ وہ مہر صرف زینت کے لیے نہیں بلکہ دستاویزات پر لگانے والی تھی اور اُس میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے الفاظ کندہ تھے۔ اس کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔ راوی کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی مہر کی شکل وصورت اچھی طرح یاد ہے لہٰذا وہ کہتا ہے۔ فَكَأَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِهٖ فِیْ کَفِّهٖ گویا کہ میں اس انگوٹھی کی سفیدی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ ان کے ہاتھ میں سفیدی کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھی چاندی کی بنوائی گئی تھی۔

شمائل ترمذی
باب - ۱۲
درس - ۲۰
حدیث - ۵

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلٌ سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۸)

ترجمہ: ہمارے پاس محمد بن یحییٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن عبداللہ انصاری[له] نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت میرے باپ نے ثمامہ کے حوالے سے بیان کی، اور انھوں نے یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش اس طرح تھا، ایک سطر میں محمد، دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ"

تشریح یہ روایت بھی حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول سے ہے۔ وہ کہتے ہیں، کَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھی مبارک کا نقش جس کے ساتھ آپ خطوط پر مہر لگایا کرتے تھے۔ اسکی ہیئت اسطرح کی تھی مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَ رَسُوْلٌ سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ کہ ایک سطر میں محمد، دوسری میں رسول اور تیسری میں اللہ کے الفاظ تھے مطلب یہ ہے کہ تینوں الفاظ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ایک ہی لائن میں نہیں تھے بلکہ اوپر نیچے تین سطروں میں کندہ کیے گئے تھے جیسے [محمد / رسول / اللہ] البتہ بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ ترتیب اس طرح تھی اللہ کا نام سب سے اوپر، اُس سے نیچے رسول اور اس سے نیچے محمد جیسے [اللہ / رسول / محمد] دونوں طریقوں سے ممکن ہے۔ اس میں کسی قسم کی بے ادبی کا کوئی احتمال نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

له المتوفی ۲۱۵ھ (فیاض)

درس - ۲۰　　　　حدیث - ۶

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ الْجَهْضَمِيُّ اَبُوْعَمْرٍو اَنْبَأَنَا نُوْحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهٗ فِضَّةٌ وَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۴۴)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا نصر بن علی جہضمی ابو عمرو[1] نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس روایت کی خبر نوح بن قیس[2] نے خالد بن قیس کے حوالے سے دی۔ انھوں نے یہ حدیث قتادہ سے اور انھوں نے صحابی رسول انسؓ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ لوگ مہر کے بغیر کوئی خط قبول نہیں کرتے، چنانچہ اللہ کے رسول نے ایک انگوٹھی بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا۔ اور اس میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے الفاظ منقش تھے۔"

تشریح تقریباً یہی مضمون حدیث ۴ اور ۵ میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ حضور کے خادم اور عظیم المرتبت صحابی اس حدیث کے بھی راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب

[1] المتوفی ۲۰۵ھ ، [2] المتوفی ۱۸۳ھ یا ۱۸۴ھ ۔ (فیاض)

سے باہر بادشاہ کسریٰ ایران، قیصر روم اور والیٔ حبشہ کو تبلیغی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ فَقِیلَ لَہٗ تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا۔ اِنَّھُمْ لَا یَقْبَلُوْنَ کِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ ۔ حضور، ان لوگوں کا دستور یہ ہے کہ وہ کسی ایسے خط کو تسلیم نہیں کرتے جس پر لکھنے والے کی مہر نہ ثبت ہو۔ مطلب یہ تھا کہ آپ نے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا ہے تو ان پر لگانے کے لیے مہر بھی تیار کرائیں تاکہ آپ کے خط کو مناسب پذیرائی حاصل ہو سکے۔ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا۔ چنانچہ اللہ کے رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک انگوٹھی بنوائی۔ صَاغَ یَصُوْغُ کا معنیٰ ڈھالنا یا بنانا ہوتا ہے اور اُس انگوٹھی کی بناوٹ اس طرح کی تھی حَلْقَتُہٗ فِضَّۃٌ کہ اُس کا حلقہ تو چاندی کا تھا۔ وَنَقَشَ فِیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور اس میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے الفاظ کندہ کیے گئے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ اس انگوٹھی کے ساتھ خط کے آخر میں مہر لگاتے جس سے مذکورہ الفاظ تحریر پہ ثبت ہو جاتے۔

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَاَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۴)

ترجمہ: "ہمارے پاس اسحٰق بن منصور نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سعید[1] بن عامر اور حجاج[2] بن منہال نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت ہمام سے اور انھوں نے ابنِ جریج[3] سے نقل کی۔ وہ یہ روایت زہری[4] سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی کو اُتار دیتے۔"

تشریح اس حدیث کے تمام راویان ثقہ اور قابلِ قبول ہیں۔ اس باب کی بیشتر احادیث حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہیں۔ یہ حدیث بھی اُنھی کی روایت کردہ ہے۔ وہ کہتے ہیں اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهٗ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رفع حاجت کے لیے بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی انگوٹھی اپنے ہاتھ سے اتار کر رکھ دیتے اور پھر بیت الخلاء میں جاتے۔ گزشتہ احادیث میں بیان ہو

---

[1] المتوفیٰ ۲۰۸ھ ، [2] المتوفیٰ ۲۱۶ھ یا ۲۱۷ھ۔
[3] المتوفیٰ ۱۵۰ھ [4] المتوفیٰ ۱۲۴ھ (فیاض)

چکا ہے کہ بعض واقفِ حال صحابہ کے توجّہ دلانے پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے لیے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی جس پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے الفاظ کندہ کرائے اور پھر آپ حسبِ ضرورت اس مُہر سے بیرونِ ملک بھیجے جانے والے خطوط پر مُہر بھی لگا دیا کرتے تھے۔ چونکہ مُہر کے یہ الفاظ نہایت ہی متبرک اور مقدّس ہیں۔ لہٰذا ادب کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی موجودگی میں بیت الخلاء میں نہ جایا جائے۔ چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے اپنی انگوٹھی اتار کر علیحدہ رکھ دیتے اور پھر رفع حاجت کے لیے تشریف لے جاتے۔

باب - ۱۲
شمائل ترمذی
حدیث - ۸
درس - ۲۰

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ وَّرِقٍ فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ حَتّٰى وَقَعَ فِيْ بِئْرِ اَرِيْسَ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۴۲)

ترجمہ! ہمارے پاس یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبداللہ بن نمیر نے خبر دی۔ اُن کے پاس حدیث کی خبر عبیداللہ بن عمر نے دی۔ انھوں نے یہ روایت نافع سے اور انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس چاندی کی ایک انگوٹھی تھی جو آپ کے ہاتھ میں رہی، پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں رہی، پھر وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں بھی رہی۔ پھر وہ حضرت عثمانِ غنیؓ کے ہاتھ میں رہی حتّٰی کہ وہ بیرِ اریس میں گر گئی۔ اس انگوٹھی پر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا نقش تھا۔"

تشریح | یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے جس سند کے ساتھ یہ روایت امام ترمذیؒ تک پہنچی۔ وہ سب قابلِ قبول راوی ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ وَرِقٍ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چاندی کی ایک انگوٹھی تھی جو آپ نے خاص طور پر مکتوبات پر مہر لگانے کے لیے بنوا رکھی تھی۔ وَكَانَ فِيْ يَدِهٖ جو کہ آپ

کے ہاتھ میں رہی یعنی آپ کے قبضہ میں رہی۔ فِیْ یَدِہٖ کے دونوں معنے ہوسکتے ہیں۔ کہ آپ ہاتھ میں پہنتے تھے یا وہ محض آپ کے قبضہ میں تھی، جب ضرورت ہوتی اس سے مہر لگا لیتے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی آپ وہ انگوٹھی پہن لیتے ہوں اور کبھی اتار دیتے ہوں اگلے باب میں آرہا ہے کہ یہ انگوٹھی آپ کے ایک بدری صحابی حضرت معیقیبؓ کی تحویل میں رہتی تھی۔ بہرحال اگر یہ انگوٹھی حضرت معیقیبؓ کے پاس بھی ہو تب بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں ہی سمجھی جائے گی کیونکہ خود آپ ہی نے اُسے اپنے صحابی کے پاس رکھا ہوا تھا۔

ثُمَّ کَانَ فِیْ یَدِ اَبِیْ بَکْرٍ پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا سے رخصت ہوگئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے جانشین مقرر ہوئے تو مذکورہ انگوٹھی ان کے قبضہ میں چلی گئی۔ پھر جب اُن کا دور بھی ختم ہوگیا وَعُمَرَ تو وہ انگوٹھی حضرت عمرؓ کی تحویل میں آگئی کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمرؓ ہی خلیفہ ثانی بنے۔ ثُمَّ کَانَ فِیْ یَدِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ جب حضرت عمرؓ کا دور بھی ختم ہوا، اور حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث بنے تو یہ انگوٹھی اُن کے قبضہ میں چلی گئی۔ حَتّٰی وَقَعَ فِیْ بِئْرِ اَرِیْسَ۔ یہاں تک کہ وہ بئر اریس میں گر گئی۔ یہ ایک کنواں تھا جو مسجد قبا کے قریب تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ابتدائی چھ سال تک انھی کے قبضہ میں رہی۔ ایک موقع پر آپ بئر اریس (اسکو بئر اریسہ بھی کہتے ہیں) پر تشریف فرما تھے کہ آپ کے ہاتھ سے اس کنوئیں میں گر پڑی۔ آپ نے تین دن تک انگوٹھی کو تلاش کیا، کنوئیں کا سارا پانی اور گارا وغیرہ نکالا گیا مگر وہ انگوٹھی دستیاب نہ ہوسکی۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ انگوٹھی حضرت معیقیبؓ کے ہاتھ سے کنوئیں میں گری تھی یہ دونوں حضرات بئر اریس پر تشریف فرما تھے۔ انگوٹھی حضرت معیقیبؓ کے پاس تھی، حضرت عثمانؓ نے طلب کی تو اسی پکڑنے پکڑانے میں کنوئیں میں جاگری۔ جو تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انگوٹھی کے کنوئیں میں گر جانے اور پھر اس

کے بعد تلاش کے باوجود نہ ملنے سے خیر و برکات میں فرق آگیا اور پھر اس واقعہ کے بعد اُمّت میں فتنے شروع ہو گئے حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ خود بھی شہید ہو گئے۔ اگرچہ یہ قطعی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا، تاہم کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مزید بیان کرتے ہیں نَقْشُہٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس انگوٹھی پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے الفاظ کندہ تھے۔ جب آپ کسی دستاویز پر مہر لگاتے تو یہی الفاظ تحریر کے اختتام پر ثبت ہو جاتے تھے۔

(۱۳) بَابُ مَا جَآءَ فِي اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ

ترجمہ: "باب اس بارے میں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔"

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں بھی پہنتے تھے اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں بھی۔ دونوں طرح کی روایات موجود ہیں تاہم امام ترمذیؒ کی رائے یہ ہے کہ آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو اوّلیت دیتے تھے۔ اسی لیے امام ترمذیؒ نے یہ خاص باب باندھا ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے بائیں ہاتھ سے متعلق بھی ایک روایت نقل کی ہے مگر اُس پر جرح کی ہے۔ صحیحین کی درجہ اوّل کی روایات میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر بھی موجود ہے اور بعض صحابہؓ سے بھی یہی عمل ثابت ہے۔ تاہم اوّلیت کا مسئلہ دائیں طرف میں ہے تاکہ تیمن کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ بہرحال امام ترمذیؒ کا رجحان زیادہ تر دائیں طرف ہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۱۳

درس - ۲۱ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُهَيْلِ بْنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ اَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ نَمِرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ

بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ نَمِرٍ نَحْوَهٗ۔ (ترمذی مع شمائل ص۲۷۵)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا محمد بن سہیل بن عسکر بغدادی اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یحییٰ بن[1] حسان نے اس روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سلیمان[2] بن بلال نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کے حوالے سے اس حدیث کی خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت ابراہیم بن عبداللہ بن حنین سے اور انھوں نے اپنے باپ سے اخذ کی۔ وہ یہ روایت حضرت علیؓ بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی مبارک اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔"

(دوسری سند) "ہمارے پاس بیان کیا محمد بن یحییٰ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس احمد[3] بن صالح نے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن وہب سے اخذ کی۔ انھوں نے سلیمان بن بلال سے اور انھوں نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر سے نقل کی جس کا مضمون پہلی روایت جیسا ہی ہے۔"

---

[1] المتوفی ۲۰۸ھ، [2] المتوفی ۱۷۲ھ، [3] المتوفی ۲۴۸ھ۔ (فیاض)

انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہننا

گزشتہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انگوٹھی مبارک کے بیان میں تھا کہ آپ کی انگوٹھی مبارک کی ساخت کیسی تھی، اس کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی، آپ نے کس کس قسم اور کس کس دھات کی انگوٹھیاں پہنیں۔ اس ضمن میں انگوٹھی کے احکام بھی گزشتہ باب میں بیان ہو چکے ہیں جن کا جاننا عام اُمتیوں کے لیے ضروری ہے۔

اب یہ باب امام ترمذیؒ نے صرف اس مضمون کے لیے باندھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے جیسا کہ مَیں نے عرض کیا کہ انگوٹھی مبارک بائیں ہاتھ میں پہننے کی روایات بھی موجود ہیں۔ تاہم امام ترمذیؒ کی تحقیق کے مطابق انگوٹھی کا دائیں ہاتھ میں پہننا ہی اولیٰ اور افضل ہے۔

اس باب کی پہلی حدیث امام ترمذیؒ نے دو اسناد کے ساتھ نقل کی ہے۔ پہلی سند محمد بن سہیل بن عسکر بغدادی سے شروع ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہوتی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَلْبَسُ خَاتَمَہٗ فِیْ یَمِیْنِہٖ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی مبارک اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ دائیں ہاتھ کی بھی آگے تفصیل ہے کہ حضور دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی یعنی چھنگلی میں یہ انگوٹھی پہنتے تھے۔

اس حدیث کی دوسری سند محمد بن یحییٰ سے شروع ہو کر شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر تک جاتی ہے۔ دونوں روایات کا مضمون یکساں ہے اس لیے امام ترمذیؒ نے اسے دوبارہ نقل نہیں کیا۔

بہر حال اس حدیث سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

درس - ۲۱　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ اَخْبَرَنَا یَزِیْدُ بْنُ ھٰرُوْنَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَیْتُ ابْنَ اَبِیْ رَافِعٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَاَیْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس احمد بن منیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یزید بن ہارون نے حماد بن سلمۃ کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ابنِ ابی رافع کو دیکھا کہ وہ انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ پس مَیں نے اُن سے اسکے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ مَیں نے عبداللہ بن جعفرؓ کو دائیں ہاتھ میں ہی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے اور عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں ہی پہنتے تھے۔"

تشریح یہ روایت حضرت عبداللہ بن جعفرؓ[1] سے مروی ہے جوکہ خورد سال صحابی ہیں جب حضرت جعفرؓ مکہّ سے ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تو حضرت عبداللہ وہیں پیدا ہوئے پھر جب مدینہ منورہ دارالاسلام بن گیا تو یہ اپنے والدین کے ساتھ مدینۃ الرسول میں آ گئے۔

اس حدیث کے راوی حماد بن سلمۃ کہتے ہیں رَاَیْتُ ابْنَ اَبِیْ رَافِعٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِهٖ کہ میں نے ابنِ ابی رافع کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ تو پوچھا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے ہیں

[1] المتوفی سنہ ۸۰ھ (فیاض)

فَقَالَ رَاَیْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ جَعْفَرٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ تو انھوں نے جواب دیا کہ مَیں نے عبداللہ بن جعفرؓ کو دائیں ہاتھ میں ہی انگوٹھی پہنتے ہوئے دیکھا۔ لہٰذا میں بھی دائیں ہاتھ میں پہنتا ہوں اور انھوں نے اپنے عمل کے جواز میں فرمایا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ کہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم بھی دائیں ہاتھ میں انگوٹھی مبارک پہنتے تھے، اس لیے اُن کے اتباع میں مَیں بھی دائیں ہاتھ میں پہنتا ہوں۔

یہ حدیث لاکر امام ترمذیؒ نے ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام چونکہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اس لیے ان کے اتباع میں اُمّت کے دیگر اکابرین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

درس - ۲۱　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ يَحْيَى أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ أَنْبَأَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِيلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۴۷)

ترجمہ: "ہمارے پاس موسیٰ بن یحییٰ نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبداللہ بن نمیر نے خبر دی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابراہیم بن فضل نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے واسطہ سے اس روایت کی خبر دی ۔ اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی مبارک اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے ۔"

تشریح یہ روایت خورد سال صحابی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے منقول ہے اور حدیث کا مضمون بعینہٖ وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے ۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ ۔ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے ۔

باب - ۱۳
درس - ۲۱
حدیث - ۴

حَدَّثَنَا اَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُوْنٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ - (ترمذی مع شمائل ص۵۷۴)

ترجمہ؛ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابو الخطاب زیاد[۱] بن یحییٰ نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبد اللہ بن میمون نے خبر دی انھوں نے یہ روایت جعفر[۲] بن محمد سے اور انھوں نے اپنے باپ[۳] سے نقل کی ۔ وہ صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔"

تشریح | اس حدیث کا مضمون بھی اس باب کی سابقہ احادیث کے ساتھ ملتا ہے۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔ تو اس حدیث کے راوی صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ یعنی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے ۔

---

[۱] المتوفی ۲۵۴ھ ، [۲] المتوفی ۱۴۸ھ
[۳] محمد بن علی المتولد ۵۶ھ والمتوفی ۱۱۸ھ - (فیاض)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ وَلَا إِخَالُهُ إِلَّا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ - (ترمذی مع شمائل صـ۵۷۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن حمید رازی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت جریر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے نقل کی۔ انھوں نے یہ روایت صلت بن عبداللہ سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انگوٹھی مبارک اپنے دائیں ہاتھ میں ہی پہنا کرتے تھے۔"

تشریح سابقہ احادیث کی طرح یہ حدیث بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ اگرچہ آپ کے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی روایات بھی موجود ہیں مگر امام ترمذیؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ آپ دائیں ہاتھ میں ہی انگوٹھی پہنتے تھے اس سے دائیں ہاتھ کی فضیلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

اس حدیث کے راوی صلت بن عبداللہ کہتے ہیں کَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهٖ کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ صلت بن عبداللہ کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہوئی

ہے اور اس لحاظ سے وہ تابعین میں سے ہیں۔ گویا انھوں نے صحابی رسول کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں وَلَا اِخَالُہٗ اِلَّا قَالَ اور مجھے خیال ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ یہ بھی کہا کرتے تھے۔ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی انگوٹھی مبارک اپنے دائیں ہاتھ میں ہی پہنا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا عمل حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عمل کے مطابق تھا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے اس لیے حضرت ابن عباسؓ نے بھی اسی سنّت پر عمل کیا اور اپنی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی ۔

باب - ۱۳

شمائل ترمذی

حدیث - ٦

درس - ۲۱

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ مُوْسٰی عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّۃٍ وَجَعَلَ فَصَّہٗ مِمَّا یَلِیْ کَفَّہٗ وَنَقَشَ فِیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَنَھٰی اَنْ یَّنْقُشَ اَحَدٌ عَلَیْہِ وَھُوَ الَّذِیْ سَقَطَ مِنْ مُعَیْقِیْبٍ فِیْ بِئْرِ اَرِیْسَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس (محمد) ابن عمر نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہمارے پاس سفیان نے ایوب بن موسیٰ اور انھوں نے نافع کے واسطہ سے بیان کی انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ سے سُنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف (نیچے کی طرف) ہوتا تھا اور اس انگوٹھی میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کندہ کروایا تھا۔ آپ نے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی میں نقش بنوائے۔ یہ وہی انگوٹھی ہے جو حضرت معیقیبؓ کے ہاتھ سے بئر اریس میں گر گئی تھی۔"

تشریح: یہ وہی انگوٹھی ہے جو آپ نے صحابہ کے مشورہ سے دستاویزات پر مہر لگانے کے لیے بنوائی تھی اور جس کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ مہر کے الفاظ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تھے جو بعض روایات کے مطابق ایک ہی سطر میں تھے اور بعض کے مطابق اوپر نیچے تین سطور میں کندہ کرائے گئے تھے اور اس کی بھی دو مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) محمد رسول اللہ یا (۲) اللہ رسول محمد۔

گزشتہ باب میں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ مہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی، پھر جب اُن کا دورِ خلافت ختم ہوا تو حضرت عمرؓ کی تحویل میں آگئی۔ جب آپ اس دُنیا سے رخصت ہو گئے تو یہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کی تحویل میں آئی، تاہم وہ ہمیشہ صحابی رسول حضرت معیقیبؓ کے پاس ہی رہی۔ ایک موقع پر حضرت عثمانؓ اور حضرت معیقیبؓ بئر اریس پر تشریف فرما تھے کہ حضرت عثمانؓ نے انگوٹھی طلب کی، حضرت معیقیبؓ نے وہ انگوٹھی آپ کو دینا چاہی تو اسی پکڑنے پکڑانے میں انگوٹھی کنوئیں میں گر گئی مگر تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔

تو یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے جو کہتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ وَجَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا یَلِیْ کَفَّهٗ اور آپ نے اُس کا نگینہ نیچے ہتھیلی کی طرف رکھا۔ ہم عام طور پر جو انگوٹھی پہنتے ہیں اُس کا نگینہ اُوپر کی طرف رکھتے ہیں کیونکہ ہم یہ انگوٹھی زینت کے لیے پہنتے ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جو انگوٹھی مہر لگوانے کے لیے بنوائی تھی، وہ محض اسی مقصد کے لیے تھی اور اس سے زینت کا اظہار مقصود نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے آپ اس کے نگینہ کو انگلی کے اوپر والے حصے میں رکھنے کی بجائے نیچے ہتھیلی والی طرف رکھتے تھے تاکہ اس پر موجود نقش کی حفاظت رہے کیونکہ اُس سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خطوط وغیرہ پر مہر لگاتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں وَنَقَشَ فِیْهِ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اس انگوٹھی پر محمد رسول اللہ کے الفاظ کندہ تھے۔ جب آپ کسی تحریر کے آخر میں مہر لگاتے تو یہ الفاظ نقش ہو جاتے تھے۔ چونکہ اس نقش کو اسلامی ریاست کے نشان کے طور پر لگایا جاتا تھا اور اس کا عام لوگوں کے پاس ہونا درست نہیں تھا۔ لہٰذا وَنَهٰی اَنْ یَّنْقُشَ اَحَدٌ عَلَیْهِ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے شخص کو ایسا نقش بنوانے سے منع فرما دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مزید بیان کرتے ہیں۔ وَهُوَ الَّذِیْ سَقَطَ مِنْ مُعَیْقِیْبٍ فِیْ بِئْرِ اَرِیْسَ یہ وہی انگوٹھی ہے جو حضرت معیقیبؓ کے ہاتھ سے بئر

اریس میں گر پڑی تھی۔ گزشتہ روایت میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے انگوٹھی کے کنوئیں میں گرنے کا ذکر بھی آچکا ہے۔ دونوں روایات درست ہیں۔ اگر حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں سے گری ہے تو یہ حقیقت ہے اور اگر معیقیبؓ کے ہاتھ سے گری ہے تو اسے بھی حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے کیونکہ حقیقی طور پر تو وہ انگوٹھی بحیثیت خلیفہ حضرت عثمانؓ کے قبضہ میں ہی تھی البتہ آپ نے حضرت معیقیبؓ کی سپردداری میں دے رکھی تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے طلب کرنے پر حضرت معیقیبؓ نے ان کو دینا چاہی ہو اور اسی لین دین میں کنوئیں میں گر پڑی ہو کیونکہ اس وقت دونوں حضرات بئر اریس پر تشریف فرما تھے۔ واللہ اعلم۔

شمائل ترمذی　　　　باب - ۱۳
درس - ۲۱　　　　حدیث - ۷

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَتَخَتَّمَانِ فِيْ يَسَارِهِمَا.

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے حاتم بن اسمٰعیل نے خبر دی۔ انھوں نے جعفر بن محمد سے یہ روایت نقل کی جنھوں نے یہ حدیث اپنے باپ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ دونوں حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔"

سندِ حدیث یہ روایت منقطع ہے کیونکہ یہ کسی صحابی تک بھی نہیں پہنچتی۔ یہ حدیث امام ترمذیؒ نے اپنے استاد قتیبہ بن سعید سے سُنی جن کی اور بھی بہت سی روایات امام ترمذیؒ نے نقل کی ہیں۔ انھوں نے یہ حدیث اپنے استاذ حاتم بن اسمٰعیل سے سُنی۔ وہ یہ حدیث جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں جب کہ وہ اسے اپنے باپ محمد باقر سے نقل کرتے ہیں۔ امام محمد باقر، امام زین العابدین کے بیٹے ہیں اور آپ امام حسینؓ کے فرزند ہیں۔

امام جعفر صادق بن امام محمد باقر باپ بیٹا دونوں بڑے پائے کے عالم اور محدث ہوئے ہیں۔ یہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہؒ کے استادالمرشد ہیں۔ امام محمد باقر کا اصل نام محمد اور باقر لقب تھا جو اسی وجہ سے پڑگیا تھا لِاَنَّهٗ بَقَرَ الْعُلُوْمَ کہ آپ علوم کے سمندر چاک کرکے آگے نکل جاتے تھے انکے فرزند امام جعفر صادق ہیں۔ انکا بھی اصل نام جعفر اور صادق لقب تھا۔ آپکی کنیت ابوعبداللہ ہے یہ سب حضرات اہلِ سُنّت کے صحیح العقیدہ امام ہیں مگر شیعہ حضرات ایسے خواہ مخواہ انھیں اپنی طرف منسوب کر لیا ہے اور اسطرح انھوں نے جھوٹی موٹی روایات ان بزرگوں کے کندھے پر رکھ کر چلادی ہیں۔

امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ دونوں حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کا احترام اس حد تک کرتے تھے کہ ان کا انکار کرنے والوں کے متعلق کہا کرتے تھے کہ ان کا تو اسلام ہی قابلِ قبول نہیں کسی نے کہا کہ آپ حضرات شیخین کو محض تکلفاً بزرگ مانتے ہیں تو جواب دیا کہ اگر میں ایسی بات کروں تو اللہ تعالیٰ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ کرے میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحیح جانشین اور منصبِ خلافت کے اہل اور حقدار تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت علیؓ کے فرزندان امام حسنؓ اور امام حسینؓ خورد سال صحابی ہیں مگر ان دونوں حضرات کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔ ان کے فضائل میں بہت سی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں یہ صرف صاحبزادگانِ رسول ہی نہیں بلکہ اللہ کے نبی نے انھیں جنتی ہونے اور جنت کے نوجوانوں کے سردار ہونے کی بشارت بھی سنائی ہے۔ امام حسنؓ سے تو بلا واسطہ بائیس روایات بھی منقول ہیں۔ آپ نے کئی دفعہ جہاد میں بھی حصہ لیا۔ حتیٰ کہ آپ جہاد ہی کے سلسلے میں سندھ تک بھی آئے۔ علم اور امّت کی تربیت میں آپ کا وافر حصہ ہے۔ ناصبی لوگ کہتے ہیں کہ ان میں صاحبزادگی کے سوا کیا رکھا تھا۔ بھائی ایسی بات نہیں ہے۔ اللہ کے نبی نے اُنکی خاص فضیلت بیان فرمائی ہے شیعیت، ناصبیت اور خارجیت سب گمراہی کے زینے ہیں، یہ لوگ غلط عقائد کے حامل ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔

بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

امام جعفر صادقؒ اپنے والد امام محمد باقرؒ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَتَخَتَّمَانِ فِيْ يَسَارِهِمَا وہ کہتے ہیں کہ اُن کے دادا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ یہ واحد حدیث ہے جو امام ترمذی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق نقل کی ہے اس سے پہلے ساری روایات دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق تھیں۔ تاہم یہ روایت مرفوع نہیں ہے۔

درس - ۲۱　　　　حدیث - ۸

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى وَهُوَ ابْنُ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِيْ يَمِيْنِهٖ -

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَرَوٰى بَعْضُ اَصْحَابِ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِيْ يَسَارِهٖ وَهُوَ حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ اَيْضًا - (ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر محمد بن عیسیٰ طباع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عباد بن[1] عوام نے سعید بن ابی عروبہ[2] کے حوالے سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت قتادہ سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہمیں معلوم نہیں کہ سعید بن ابی عروبہ والی روایت جس کو قتادہ نے حضرت

---

[1] المتوفی ۱۸۵ھ ، [2] المتوفی ۱۵۶ھ یا ۱۵۷ھ۔ (نیاض)

انسؓ کے واسطے سے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بیان کیا ہے اسی طرح مگر اسی طریق سے اور قتادہ کے بعض اصحاب نے قتادہ کے حوالہ سے حضرت انسؓ کے واسطے سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔"

سند حدیث

اس روایت کو بیان کرنے والے امام ترمذیؒ کے استاذ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ثقہ راوی ہیں۔ ان کو یہ حدیث اُن کے استاذ محمد بن عیسٰی کے ذریعے پہنچی۔ یہ طباع مشہور تھے کیونکہ انگوٹھیاں بنانے اور ان پر نقش ونگار کرنے کا کام کرتے تھے۔ آپ حافظ الحدیث تھے۔ ابوداؤد کا قول ہے کہ ان کو چالیس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔ انھوں نے یہ روایت عباد بن عوام سے اخذ کی۔ وہ سعید بن ابی عروبہ سے اور وہ مشہور تابعی امام قتادہ سے نقل کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ روایت خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔

دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

صحابی رسول بیان کرتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

اس پورے باب میں امام ترمذیؒ صرف ایک حدیث لائے ہیں جو انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہننے پر دلالت کرتی ہے مگر وہ بھی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اب یہ حدیث پھر دائیں ہاتھ میں پہننے سے متعلق ہے۔ امام ترمذیؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ تاہم دوسری کتب احادیث میں بائیں ہاتھ میں پہننے سے متعلق احادیث بھی موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کا معمول دونوں طرح تھا۔ کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں۔ البتہ دائیں ہاتھ میں پہننا افضل ضرور ہے کیونکہ اس میں تیمن بھی پایا جاتا ہے۔

---

[1] المتوفی ۱۲۴ھ۔ (فیاض)

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ
بْنِ اَبِيْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَرَوٰى بَعْضُ اَصْحَابِ قَتَادَةَ
عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِيْ يَسَارِهِ
وَهُوَ حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ اَيْضًا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے
ہمیں معلوم نہیں کہ سعید بن ابی عروبہ والی روایت جس کو قتادہ نے حضرت انس کے واسطے
سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیان کیا ہے اسی طرح مگر اسی طریق سے اور قتادہ
کے بعض اصحاب نے قتادہ کے حوالہ سے حضرت انسؓ کے واسطے سے روایت کی ہے
کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ یہ حدیث بھی صحیح
نہیں ہے۔

شمائل ترمذی　　　　　　　　　　　　　باب - ۱۳
درس - ۲۱　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۹

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فَكَانَ يَلْبَسُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَ مِنْ ذَهَبٍ فَطَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَا اَلْبَسُهٗ اَبَدًا فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن عبید اللہ المحاربی[1] نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالعزیز بن ابی حازمؒ[2] نے بیان کی ۔ انھوں نے یہ روایت موسیٰ بن عقبۃ سے اور انھوں نے نافع سے اخذ کی ۔ وہ یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی جسے آپ دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے ۔ آپ کے اتباع میں دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوا لیں پس آپ نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور فرمایا کہ اب میں یہ کبھی نہیں پہنوں گا ۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں ؛

---

[1] المتوفی ۲۴۵ھ ، [2] المتوفی ۱۸۴ھ (فیاض)

مردوں کے لیے سونے کی حرمت

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدا میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سونے کی بنی ہوئی انگوٹھی بھی پہنی ہے مگر بعد میں اسے ترک کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَھَبٍ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی فَکَانَ یَلْبَسُہٗ فِیْ یَمِیْنِہٖ جسے آپ دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اتباع میں فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِیْمَ مِنْ ذَھَبٍ بعض دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں اور پہننے لگے۔ ایک روز آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ وحی کے ذریعے مردوں کے لیے سونے کی حرمت کا حکم آگیا فَطَرَحَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پس آپ نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور ساتھ واضح کر دیا وَقَالَ لَا اَلْبَسُہٗ اَبَدًا کہ میں یہ انگوٹھی اب کبھی نہیں پہنوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے سونے کا زیور حرام قرار دے دیا ہے۔ جب دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے انگوٹھی اتار پھینکی ہے۔ فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِیْمَھُمْ تو انھوں نے بھی اپنی سونے کی بنی ہوئی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔ پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور دوسری روایات میں اس کو پھینک دینے کا ذکر بھی آتا ہے اس کے بعد جب مراسلات پر مہر لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے دوبارہ چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں مہر کے الفاظ بھی نقش کرلئے۔ اس کا ذکر گزشتہ احادیث میں آچکا ہے۔

---

(۱۴) بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے بیان میں۔"

یہ چودھواں باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے بیان میں ہے کہ آپ کی تلوار مبارک کس وضع کی تھی، نیز یہ بھی کہ آپ نے اپنی زندگی میں مختلف غزوات میں متعدد تلواریں استعمال فرمائیں۔ اس باب میں چار احادیث بیان ہوئی ہیں۔

گزشتہ باب کے ساتھ مناسبت

گزشتہ دو ابواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک کے بیان میں تھے کہ آپ کی انگوٹھی کیسی تھی۔ اس پر نگینہ کس چیز کا تھا، اس پر نقش کیا تھا اور آپ اسے کس طرح استعمال کرتے تھے؟ آپ پڑھ چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی صحابہ کے مشورہ پر محض اسلیے بنوائی تھی تاکہ اُسکے ذریعے بیرونِ عرب بھیجے جانے والے مکتوبات پر مہر لگائی جاسکے۔ اب یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلوار مبارک کے متعلق ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ آپ کا لایا ہوا دینِ اسلام سیف و قلم کا دین تھا۔ علم الاخلاق والوں کی اصطلاح میں سیف و قلم آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا دین نہ تو محض دُنیا کے ملوک کا سا قانون ہے جس کا تعلق محض اس دُنیا کی زندگی سے ہو اور نہ ہی یہ کوئی راہبانہ دین ہے جس کا تعلق دُنیا سے نہ ہو بلکہ یہ صرف آخرت کے متعلق ہدایات دیتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام دُنیا اور آخرت دونوں زندگیوں کے متعلق لائحہ عمل بتلاتا ہے اور اس لحاظ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام صاحبِ سیف و قلم تھے۔

اسلام ایک عالمی اور اجتماعی دین

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا انگوٹھی کے ذریعے اہم تحریرات پر مہر لگانا اس چیز کو واضح کرتا ہے کہ آپ کا لایا ہوا دین اور مذہب انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ آپ ایک طرف تو دین کے مبلّغ

تھے تو دوسری طرف فوج کے کمانڈر انچیف بھی تھے۔ آپ ایک حیثیت میں اللہ کے نبی تھے تو دوسری حیثیت میں خلیفۃ اللہ بھی تھے۔ جہاں آپ کے فرائض میں لوگوں کو کفر اور شرک کی گندگیوں سے نکال کر ایک خدائے واحد کی طرف بلانا تھا، وہاں آپ کے ذمے معاشرے کا نظم و نسق چلانا بھی تھا تاکہ اللہ کی یہ زمین فتنہ و فساد سے پاک ہو کر امن و سکون کا گہوارہ بن جائے جس طرح حضرت داؤد علیہ السّلام سلیمان علیہ السّلام اور موسیٰ علیہ السّلام منصب نبوت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ خلیفۃ اللہ بھی تھے، اسی طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی اللہ کے آخری رسول اور زمین پر خلیفۃ اللہ بھی تھے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت خلافت کبریٰ کے طریقے پر ہوئی ہے چنانچہ آپ نے شریعت کا نظام سارے عالم میں جاری و ساری کرنے کا آغاز کر دیا۔ آپ نے ایسی جماعت قائم کر دی جو اس نظام کو لے کر سارے عالم میں پھیل گئی، اللہ کا پیغام گھر گھر پہنچایا اور پھر اللہ کا عطا کردہ قانون اللہ کی زمین پر نافذ کر کے دکھا دیا۔ شخصی کوتاہیوں کے باوجود یہ نظام چھ صدیوں تک چلتا رہا اور اسکے بعد انحطاط شروع ہو گیا۔

الغرض، حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت تھے تو نبی ملحمہ بھی تھے۔ آپ نے نہ صرف اللہ کی مخلوق کو کفر و شرک اور اخلاقی برائیوں سے نجات دلائی بلکہ جہاں فتنہ و فساد زبان اور قلم سے فرو نہیں ہوا وہاں تلوار اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ آپ غزوات کے باب میں پڑھیں گے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حیاتِ مبارکہ میں پچاس غزوات پیش آئے جن میں سے انیس[19] غزوات میں آپ نے بالفعل حصّہ لیا اور مجاہدین کی میدانِ جنگ میں خود قیادت فرمائی۔ باقی غزوات میں اپنے جاں نثار مجاہدین کو خود ہدایات دے کر بھیجا۔ ان حالات میں یہ کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے آخری نبی نے صرف تبلیغ کا فریضہ ہی انجام دیا اور نظامِ سلطنت کے قیام میں آپ کا کوئی حصّہ نہیں ہے۔ بھائی! قرآن پاک کی مختلف سورتیں پکار پکار کہہ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو پورا نظامِ سلطنت عطا کر کے مبعوث فرمایا مثلاً سورۃ البقرہ میں ایک تو یہودیوں کی غلط کاریوں کو اجاگر کر کے اُن کی اصلاح کا پروگرام ہے اور دوسری نمایاں چیز خلافتِ کبریٰ کا پورا

نظام بتلا دیا گیا ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں نصاریٰ کا تذکرہ اور ان کے لیے اصلاحی پروگرام ہے۔ آگے سورۃ النساء میں نکاح کے سلسلہ میں حلّت و حرمت کا قانون بیان کیا گیا ہے، جو اصلاحِ معاشرہ کا اوّلین پروگرام ہے۔ پھر سورۃ المائدہ میں اکل و شرب سے متعلق حلّت و حرمت کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ آگے سورۃ الانعام میں عقائد کی اصلاح کا مکمل بیان ہے۔ پھر آگے سورۃ الاعراف میں حضور خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمی نبوّت و رسالت کا تذکرہ کیا گیا ہے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (آیت : ۱۵۸) اے دُنیا جہان کے لوگو ! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام کا عالمی پروگرام بھی پیش کر دیا گیا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بطور قومی اور بین الاقوامی نبی لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام کما حقہ پہنچا کر اپنا فریضۂ نبوت و رسالت تو ادا کر دیا اور اگر پھر بھی بعض لوگ نہیں مانتے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں تو پھر اُن کے خلاف تلوار اُٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال اور توبہ جیسی مدنی سورتیں نازل فرما کر اسلام کے قانونِ صلح و جنگ کا مکمل خاکہ پیش کر دیا تاکہ اگر جنگ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ان قوانین کے تحت یہ کام بھی انجام دیا جائے۔

الغرض ! گزشتہ اور یہ ابواب آپس میں مربوط ہیں۔ گزشتہ باب دستاویزات پر مہر لگانے سے متعلق تھا جو کہ نظامِ حکومت کی طرف اشارہ ہے اور یہ باب تلوار کے بیان میں ہے جو کہ جنگ کا پیش خیمہ ہے۔

بہرحال یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلوار کے بیان میں ہے۔

تلوار بطور آلۂ حرب سیف (جمع سیوف) تلوار کو کہتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تلوار، نیزہ اور تیر سب سے اہم آلاتِ حرب شمار کیے جاتے تھے۔ جانوروں میں سے گھوڑے اہم ترین جانور تھے جو جنگ میں کام دیتے تھے۔ پیدل سپاہی اور گھوڑ سوار میں بڑا فرق ہوتا تھا اور ایک ایک گھوڑ سوار بیسیوں پیدل سپاہیوں پر بھاری ہوتا تھا۔ اسی لیے قرآن نے جنگی تیاری کے لیے یہ قانون جاری کر دیا وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم

مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال: ۶۰) جہاں تک ممکن ہو دشمن کے مقابلے کے لیے افرادی قوت اور گھوڑوں کی تیاری سے مستعد رہو۔ مادی لحاظ سے اب جہاں دُنیا کے دیگر اُمور میں بے پناہ ترقی ہوئی ہے۔ وہاں آلاتِ حرب وضرب اور جنگی چالوں میں بھی بڑی ترقی ہُوئی ہے اب گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے لے لی ہے، تیر کی جگہ بندوق اور توپ آگئی ہے، جنگ کے طور طریقے تو بدل چکے ہیں مگر اللہ نے ایک اصول قائم کر دیا ہے کہ اے ایمان والو! اگر تمھیں دُنیا میں باعزّت زندگی گزارنا ہے تو پھر اپنے دفاع کے لیے اپنے اندر افرادی قوت بھی پیدا کرو اور آلات حرب وضرب کو بھی جدید ترین بناؤ، ورنہ دُنیا میں تمھاری ساکھ ختم ہو جائے گی اور تم ذلیل وخوار ہو کر غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ جب دنیا میں غیر مسلم اقوام نے خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کی سازش کی تو ہمارے بزرگوں نے چیخ چیخ کر کہا تھا کہ مسلمانو! خبردار ہو جاؤ تمھارے اجتماعی نظام کو ختم کیا جا رہا ہے جس کے بعد تم اغیار کے ظلم وستم کا نشانہ بن جاؤ گے۔ آج ہم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں کے نام

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت اجتماعی تھی۔ تبلیغِ دین کے ساتھ ساتھ آپ نے جہاد بھی کیا ہے۔ دوسری روایات کو مدّنظر رکھتے ہوئے شارحین نے آپ کی متعدد تلواروں کے نام بھی لکھے ہیں جنھیں آپ وقتاً فوقتاً جہاد میں استعمال کرتے تھے، جیسے ماثور، قضیب، قُلعِی (ایک دیہاتی مقام کا نام جہاں تلواریں بنائی جاتی تھیں)، بتّار (توڑ پھوڑ یعنی قتل وغارت کرنے والی)، حتف (موت آور)، رسوب، صمصامہ، لحیف اور ذوالفقار[1] یہ وہی تلوار ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو عطا کی تھی اور جو چلتے چلتے خلیفہ مہدی تک آئی تھی اس کی پشت پر اٹھارہ فقار یعنی مُہرے بنے ہوئے تھے۔

تلوار کے ذریعے معجزات

تلوار ہی کے سلسلہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ پر بعض معجزات بھی ظاہر ہوئے۔ جنگِ بدر میں عکاشہ صحابیؓ

---

[1] عضب اور مجذم یا المخذم بھی آپ کی تلواروں کے نام ہیں۔ (فیاض)

کی تلوار ٹوٹ گئی تو اللہ کے نبی نے اس کو ایک لکڑی پکڑا دی۔ جونہی وہ لکڑی صحابی کے ہاتھ میں پہنچی، تلوار بن گئی اور وہ اسی کے ساتھ دشمنوں پر وار کرتے رہے یہ تلوار اس صحابی نے مابعد جنگوں میں بھی استعمال کی حتیٰ کہ وہ خود ایک جنگ کے دوران شہید ہو گئے۔

جنگِ اُحد کے دوران بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ایک عظیم مجاہد عبداللہ بن جحش رضؓ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُسے کسی لکڑی کا چھلکا دے دیا۔ خدا نے اُس چھلکے کو تلوار میں تبدیل کر دیا اور وہ اُسی کے ساتھ لڑتے رہے۔

بہرحال یہ باب حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلوار کے بیان میں ہے امام ترمذیؒ نے اس باب میں چار احادیث جمع کی ہیں جن میں آپ کی تلوار کی ساخت کا تذکرہ ہے۔

باب - ۱۴

درس - ۲۲

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ اَنْبَانَا اَبِىْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن بشار نے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث وہب بن جریر سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ روایت اپنے باپ سے سنی۔ انھوں نے حضرت قتادہ سے اور قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار مبارک کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی بنی ہوئی تھی۔"

تشریح: اس حدیث کے راوی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خادم اور جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالکؓ ہیں جو کہتے ہیں كَانَ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی بنی ہوئی تھی۔ قبضہ تلوار کا وہ حصّہ ہوتا ہے جو تلوار چلاتے وقت ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے اس کا اوپر والا موٹا حصّہ قبیعہ کہلاتا ہے۔ یہ لفظ قبعہ کے مادہ سے ہے جس کا معنیٰ ٹوپی (HAT) ہوتا ہے۔

باب - ۱۴
شمائل ترمذی
حدیث - ۲

درس - ۲۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ کَانَتْ قَبِیْعَةُ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت معاذ بن ہشام نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث قتادۃ سے اور انھوں نے سعید بن ابی الحسن[1] (بصری) سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔"

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی بعینہٖ پہلی حدیث والا ہی ہے۔ اس کے راوی سعید بن ابی الحسن بصری ہیں جن کا بیان ہے کَانَتْ قَبِیْعَةُ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کے تلوار کے قبضہ کی ٹوپی (مٹھ) چاندی کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ چاندی کی نہیں، بلکہ اس سے ملتی جلتی دھات گلٹ کی تھی۔ بعض دیگر محدثین فرماتے ہیں کہ تلوار کی ٹوپی چاندی کی بنانا بھی روا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] المتوفیٰ سنہ ۱۱۰ھ۔ (فیاض)

شمائل ترمذی　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　باب - ۱۴

درس - ۲۲　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا اَبُوْجَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ صُدْرَانَ الْبَصْرِيُّ اَخْبَرَنَا طَالِبُ بْنُ حُجَيْرٍ عَنْ هُوْدٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَّفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: "ہمارے پاس بیان کیا ابوجعفر محمد بن صدران بصری نے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی طالب بن حجیر نے بواسطہ ہود کے جو عبد اللہ بن سعید ہیں ۔ وہ اپنے نانا سے نقل کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا۔ طالب کہتے ہیں کہ مَیں نے (اپنے استاذ) سے چاندی کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی ۔"

تشریح | اس حدیث کے راوی عبداللہ بن سعید اپنے نانا سے روایت کرتے ہیں جو کہ صحابی رسول ہیں۔ یہاں پر جد کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے دادا اور نانا دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ تاہم محدثین کرام کہتے ہیں کہ یہاں پر نانا مراد ہیں جن کا نام مزیدہ رضؓ تھا۔

پہلی دو روایات میں صرف چاندی کا ذکر آیا ہے تاہم اس روایت کے راوی کہتے ہیں دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ کہ اللہ کے رسول فتح مکہ کے دن شہر میں داخل ہوئے ۔ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَّفِضَّةٌ اور آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی لگے ہوئے تھے۔ راوی کو فوراً خیال آیا کہ سونا تو مردوں

کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے تلوار پر سونے کا ذکر شاید سہواً کر دیا ہے۔ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُ عَنِ الْفِضَّةِ چنانچہ طالب کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول سے چاندی کے متعلق دریافت کیا کہ اس کا کون سا محل تھا؟ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً" تو انھوں نے بتایا کہ تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی مطلب یہ ہے کہ وہ سونے کی نہیں بلکہ چاندی کی بنی ہوئی تھی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُوْ عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِيْ عَلٰى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهٗ صَنَعَ سَيْفَهٗ عَلٰى سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا۔

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد[1] بن شجاع بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ــــ ابو عبیدۃ حداد نے عثمان بن سعد کے حوالے سے خبر دی اور انھوں نے یہ روایت ابن سیرینؒ[2] سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار سمرۃ بن جندبؓ صحابی رسول کے نمونے پر بنوائی اور سمرۃؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی تلوار حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرز پر بنوائی تھی، اور وہ قبیلہ حنفیہ کی تلواروں جیسی تھی۔

دوسری سند اس حدیث کی دوسری سند کے طور پر امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عقبۃ[3] بن مکرم بصری نے بیان کی انھوں نے یہ حدیث محمد بن بکر سے عثمان بن سعد کے حوالے سے اخذ کی۔ انھوں نے اسی سند کے ساتھ اس حدیث کے ہم معنی

---

[1] المتوفیٰ ۲۴۴ھ، [2] المتوفیٰ ۱۱۰ھ، [3] المتوفیٰ ۲۴۳ھ (فیاض)

روایت بیان کی ۔"

تشریح اس حدیث کے راوی امام ابنِ سیرین کہتے ہیں صَنَعْتُ سَیْفِیْ عَلٰی سَیْفِ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ کہ میں نے اپنی تلوار صحابی رسول حضرت سمرۃ بن جندب کے نمونے پر بنوائی ۔ وَزَعَمَ سَمُرَۃُ اَنَّہٗ صَنَعَ سَیْفَہٗ عَلٰی سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور سمرۃ کہتے تھے کہ ان کی تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے موافق بنائی گئی ہے ۔ وَکَانَ حَنَفِیًّا اور وہ تلوار قبیلہ حنفیہ کے نمونے پر بنائی گئی تھی ۔ یہ مسیلمہ کذاب کا قبیلہ تھا جو بڑے جنگجو لوگ سمجھے جاتے تھے ۔ ان کی تلواریں بھی خاص طرز پر بنائی جاتی تھیں جن کا بھالا ذرا چپٹا ہوتا تھا ۔ تو ابنِ سیرین نے اپنی تلوار حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی تلوار کے موافق بنوائی اور ان کی تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے موافق تھی اور آپ کی تلوار قبیلہ حنفیہ کے لوگوں کی تلواروں کی طرز پر بنائی گئی تھی یا حَنَفِیًّا کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تلوار کو بنانے والے کاریگر کا تعلق بنی حنیفہ سے تھا ۔ واللہ اعلم ۔

(۱۵) بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ دِرْعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زرہ کے بیان میں"

اس سے پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلوار کا بیان تھا۔ اب یہ باب امام ترمذیؒ نے آپ کی زرہ کے متعلق باندھا ہے جس میں دو روایات بیان کی گئی ہیں۔ زرہ لوہے کی قمیص ہوتی ہے جسے سپاہی لڑائی کے وقت پہن لیتے ہیں تاکہ دشمن کا وار براہِ راست جسم پر نہ پڑے بلکہ زرہ اس کو روک کر جسم کو زخمی ہونے سے بچا سکے۔ پرانے زمانے میں جب دست بدست لڑائی ہوتی تھی اور فریقین تلوار، نیزہ یا تیر کو بطور آلاتِ حرب استعمال کرتے تھے، اس وقت زرہ حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ تھی کیونکہ اس کی وجہ سے مذکورہ اوزار کی زد جسم پر نہیں پڑتی تھی۔ زرہ کا استعمال اس زمانہ میں بھی اپنی ترقی یافتہ صورت میں موجود ہے۔ اندرونِ ملک تو امن وامان کی بحالی کے لیے پولیس، زرہ، خود اور ڈھال استعمال کرتی ہے کیونکہ جب عوام کی طرف سے پتھروں کی بارش ہوتی ہے تو پولیس انھی چیزوں کا سہارا لے کر آگے بڑھتی ہے۔ دشمن کے ساتھ کھلم کھلا جنگ میں توپوں اور ہوائی جہازوں سے گولہ باری ہوتی ہے، ایک دوسرے فریق پر میزائل چھوڑے جاتے ہیں تو دفاع کے لیے مورچے بنائے جاتے ہیں، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں، عام سپاہی زرہ اور خود پہنتے ہیں تاکہ حتی الامکان جانی نقصان سے محفوظ رہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں زرہ کا استعمال عام تھا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جنگ کے دوران زرہ پہنی ہے جس کا ذکر آمدہ احادیث میں آرہا ہے محدثین کرام بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں متعدد زرہیں استعمال کی ہیں جن میں سے سات کے نام بھی گنوائے گئے ہیں۔

(۱) **ذات الفضول** | یہ وہی زرہ ہے جس کا ذکر احادیث کی اکثر کتابوں میں ملتا ہے اور جو آپ نے ایک یہودی (ابوشحم) کے پاس رہن رکھی ہوئی

تھی۔

(۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی (۴) فضہ

(۵) سغدیّہ یا سعدیہ (۶) بتراء (۷) خرنق ۔

درع کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے ۔ درع عورت کی قمیص کو بھی کہتے ہیں جو کہ مذکر استعمال ہوتی ہے اور لوہے کی درع عربی زبان میں بطور مؤنث استعمال ہوتی ہے ۔

درس - ۲۲　　　　حدیث - ۱

حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَشَجُّ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ يَحْيٰى بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَاَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهٗ وَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ قَالَ فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ[1] کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابوسعید عبداللہ بن سعید اشجؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس روایت کی یونس[2] بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت یحییٰ بن عباد بن عبداللہ[3] بن زبیر سے ان کے والد اور دادا کے واسطہ سے اخذ کی۔ تو حضرت زبیر[4] بن العوامؓ کہتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ مبارک پر دو زرہیں تھیں۔ آپ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے مگر اس کی طاقت نہیں پا رہے تھے۔ پس آپ نے حضرت طلحہؓ کو اپنے نیچے بٹھایا اور اس کے ذریعے اوپر چڑھے، زبیرؓ کہتے ہیں کہ ـــــ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ طلحہؓ نے واجب کر لیا۔"

---

[1] المتوفی ۲۷۵ھ، [2] المتوفی ۱۹۹ھ، [3] المتوفی ۲۷۳ھ، [4] المتوفی ۳۶ھ (فیاض)

جاں نثارانِ نبوّت

اس حدیث کے راوی زبیر بن العوامؓ جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پھوپھی زاد بھائی اور عظیم المرتبت صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ اُن دس خوش قسمت صحابہ میں سے ہیں جن کو حضور نے ان کی زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری سُنادی تھی۔ اس حدیث میں انھوں نے حضرت طلحہؓ کے حوالے سے جنگِ اُحد کا ایک واقعہ بیان کیا ہے حضرت طلحہؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ایمان لانے میں خاندانِ قریش میں سے ان کا ساتواں نمبر ہے۔ مجلس شوریٰ کے ارکانِ ستّہ میں سے ایک تھے۔ بڑے عظیم مجاہد تھے۔ جنگِ بدر کے موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کو مسلمانوں کی کسی مصلحت کے پیشِ نظر شام کی طرف بھیجا ہوا تھا اس لیے آپ اس جنگ میں شریک نہ ہو سکے البتہ آپ حکماً اس لڑائی میں شریک تھے اور اسی بناء پر آپ نے مالِ غنیمت میں سے حصّہ بھی لیا۔ اس جنگ کے علاوہ آپ نے باقی تمام جنگوں میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے شانہ بشانہ جہاد کیا اور بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ اللہ نے انکو صاحبِ ثروت بھی بنایا تھا۔ آپ نے زمین کا ایک ٹکڑا سات لاکھ سے زیادہ درہم میں فروخت کیا اور اُسی شام تک سارا مال محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ آپ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ اس مال میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔ (حضرت طلحہؓ نے ۳۰ یا ۳۶ھ میں وفات پائی اور بصرہ میں دفن ہوئے۔ (فیاض)

جنگِ اُحد میں زرہ کا استعمال

زبیر بن العوامؓ بیان کرتے ہیں کَانَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی لڑائی کے دن اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اُس جنگ میں معاملہ بڑا سخت تھا۔ مدینہ پر تین ہزار کے لشکر نے یلغار کر دی تھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صحابہ کے ساتھ مشورہ کے بعد شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ کفار کو جبلِ اُحد کے دامن میں روک کر جنگ کی گئی۔ اس جنگ میں منافقوں نے بھی دھوکہ دیا، پھر تیر اندازوں کی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی چنانچہ اگرچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو زرہ پہننے کی ضرورت تو نہ تھی مگر صحابہ کی تعلیم کے لیے ظاہری اسباب کا اختیار کرنا بھی ضروری تھا چنانچہ آپ نے اپنے ذاتی دفاع کے لیے دو زرہیں پہن رکھی تھیں جب کفار نے مسلمانوں پر پلٹ کر پیچھے سے حملہ کیا تو مسلمانوں کو سخت تکلیف اٹھانا پڑی جسکے نتیجہ میں ستر صحابہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی

زخمی ہوکر ایک گڑھے میں گر گئے۔ صحابی بیان کرتے ہیں فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے فَلَمْ يَسْتَطِعْ مگر اوپر چڑھنے کی ہمت نہیں پارہے تھے آپ زخمی ہو چکے تھے، سر میں زخم آئے تھے اور آپ کا دانت مبارک بھی شہید ہوگیا تھا خود کی کڑیاں سر میں چبھ گئی تھیں ایک تو ویسے بھی نقاہت ہوگئی تھی، دوسرے دو زرہیں پہن رکھی تھیں لوہے کی ان زرہوں کا بھی کافی بوجھ تھا جسکی وجہ سے چٹان پر چڑھنے میں دقت محسوس کر رہے تھے۔

پھر آپ نے ایسا کیا فَاَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهٗ کہ حضرت طلحہؓ کو نیچے بٹھایا اور انکی پشت پر قدم مبارک رکھا وَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور آپ اوپر کی طرف چڑھے حَتَّى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ یہاں تک کہ آپ چٹان پر پہنچ گئے حضرت زبیرؓ کہتے ہیں قَالَ فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ کہ میں نے اس وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضرت طلحہؓ نے اپنے اوپر واجب کرلی یعنی انھوں نے اپنے اوپر جنت کو واجب کرلیا یا میری شفاعت کو واجب کرلیا یا ثواب کو واجب کرلیا۔

یہ وہی طلحہؓ ہیں کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی تو انھوں نے سارے تیر اپنے ہاتھ پر روکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچنے دیئے۔ ان کے ہاتھ پر پچاسی تیر لگے جس سے ہاتھ بالکل شل ہوگیا۔ حضرت طلحہؓ اس وقت کہہ رہے تھے حضور! آپ اپنا سر اوپر نہ اٹھائیں مبادا کوئی تیر آپ کو آلگے۔ آپ اپنی جاں نثاری کا ثبوت یوں کہہ کر بھی دے رہے تھے نَحْرِيْ دُوْنَ نَحْرِكَ حضور! میرا سینہ آپکے سینہ مبارک سے پہلے دشمنوں کے مقابلہ میں آئے گا۔

اسی جنگ میں ایک جلیل القدر صحابی ابودجانہؓ نے بھی بڑی جاں نثاری کا ثبوت دیا انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دفاع کے لیے اپنی پشت کو ڈھال بنایا اور اسّی سے زیادہ تیروں کو اپنی پشت پر برداشت کیا۔ انصار مدینہ میں سے یہ بڑے بہادر اور نڈر مجاہد تھے۔

اب غور فرمائیے کہ مسلمان کہلانے والوں میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو ان مجاہدینِ اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ دُنیا دار تھے اور ان کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے محبت نہیں تھی۔ اللہ کے بندو! ان جاں نثارانِ رسول سے زیادہ محبت کس کو ہوسکتی ہے جنھوں نے اپنا تن، من، دھن ہر چیز نبی کی ذات اور اسلام کی خاطر قربان کردی۔

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خُصَیْفَۃَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ عَلَیْہِ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاھَرَ بَیْنَھُمَا - (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ :- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس (احمد) ابن ابی عمر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سفیان بن عیینہ نے یہ روایت بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث یزید بن خصیفہ سے سائب بن یزید کے حوالے سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ جنگِ احد کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھّی تھیں۔

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی پہلی حدیث سے ملتا جلتا ہی ہے۔ پہلی حدیث میں بھی احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو زرہیں پہننے کا ذکر تھا اور اس حدیث میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے، البتہ اس حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں قَدْ ظَاھَرَ بَیْنَھُمَا۔ ظَاھَرَ کا معنیٰ اوپر نیچے پہننا ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت ضروری تھی تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس دو زرہیں تھیں جو کہ آپ عَلٰی سَبِیْلِ الْبَدَلِیَّۃِ پہنتے تھے یعنی کبھی ایک پہن لی، پھر وہ اتار کر دوسری پہن لی۔ ظَاھَرَ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بیک وقت اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں ظَاھَرَ کا یہ معنیٰ عربی لغت میں عربی شاعر کی زبان سے بھی واضح ہوتا ہے۔

مُظَاھِرُ سِمْطَیْ لُؤْلُوءٍ وَّ زَبَرْجَدِ

(سبعہ معلقہ المعلقۃ الثانیہ ص۱۸)

میرے محبوب نے موتی اور زمرد کے دو ہار اوپر نیچے پہن رکھے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اس کتاب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلوار اور زرہ کا تھوڑا

سا تذکرہ کیا جب کہ بہت سی دیگر چیزوں کا ذکر یہاں نہیں کیا۔ ان اشیاء کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانوں، ڈھالوں اور گھوڑوں وغیرہ کا ذکر بھی محدثین نے کیا ہے ہمارے ہاں تو کسی چیز کو عام طور پر ایک ہی نام سے ڈھگی، وچھی وغیرہ کہہ کر پکارا جاتا ہے مگر عربی زبان بڑی وسیع ہے جس میں ہر چیز کی مختلف ساختوں اور ہر جانور کی مختلف عمروں کے لحاظ سے اُن کے مختلف نام ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سات تلواروں کے نام تو میں نے اس باب کے آغاز میں عرض کر دیئے تھے۔ احادیث میں آپ کی چھ کمانوں کا ذکر بھی آتا ہے جن کے مختلف نام ہیں:

(۱) الزوراء (۲) الروحاء (۳) الصفراء (۴) شوحط (۵) الکتوم (۶) السداد [۱]

تلوار کے ساتھ ساتھ ڈھال کا استعمال بھی ہوتا تھا۔ ایک ہاتھ میں وار کرنے کے لیے تلوار ہوتی تھی تو دوسرے ہاتھ میں دفاع کے لیے ڈھال رکھی جاتی تھی اور ان کے استعمال کے لیے باقاعدہ تربیت حاصل کی جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین ڈھالیں تھیں جنکے نام (۱) الذلوق اور (۲) الفتق (یا فتق) تھے اور تیسری ڈھال پر عقاب یا مینڈھے کی تصویر بنی ہوئی تھی جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا تو وہ تصویر معجزانہ طور پر غائب ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیر ذخیرہ کرنے کا ایک تھیلہ بھی تھا جسے جعبہ (یا جمع) کہا جاتا تھا آپکے اس تھیلے کا نام کافور تھا۔ جعبہ لکڑی کے تھیلے کو اور کنانہ چمڑے کے تھیلے کو کہتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس پانچ قسم کے نیزے بھی تھے جو آپ وقتاً فوقتاً استعمال میں لاتے تھے۔ ان کے نام (۱) المثوی (۲) المثنی (یا المنثنی) (۳) البغاء (یا بیضاء) تین تھے اور دو اور نیزے عنزہ اور حربہ تھے۔

آپ نے سات [۲] گھوڑے بھی رکھے ہیں اور ان سے کام لیا ہے۔ ان کے نام یہ تھے:

(۱) السلیب (۲) المرتجز (۳) الظرب (یا طرب) (۴) اللحیف (۵) اللزاز (۶) الورد (۷) سبحہ۔

---

[۱] اور بعض سیرت کی کتب میں شداد اور بیضاء نام بھی درج ہیں۔

[۲] بعض کتب میں تعداد نو ہے (۸) ضریس (۹) ملاح اور بعض نے ایک نام بحر بھی لکھا ہے۔ (فیاض)

(۱۶) بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِغْفَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خود کے بیان میں۔"

غفر کا معنیٰ ڈھانپ لینا ہے جو غفران کے مادہ سے ہے۔ اس کا اصطلاحی معنیٰ بخشش ہے کیونکہ یہ انسان کے گناہوں کی بخشش کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت انسان کے گناہوں کو اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لیتی ہے اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

اس باب میں آمدہ لفظ مغفر بھی اسی مادہ سے ہے جس کا معنیٰ وہ خود ہوتا ہے جو سر کو چوٹ سے بچانے کے لیے پہنا جاتا ہے۔ چونکہ یہ بھی آدمی کے سر کو ڈھانپ لیتا ہے اس لیے اس کو مغفر کہا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں لوہے کا خود جنگ کے دوران سر پر پہن لیا جاتا تھا تاکہ سپاہی تلوار وغیرہ کے وار سے محفوظ رہ سکے۔ موجودہ زمانے میں بھی خود کی افادیت مسلم ہے اور فوج اور پولیس کے سپاہی اسے استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ کسی ممکنہ حملہ سے بچ سکیں۔ اب تو ہماری حکومت نے موٹر سائیکل سواروں کے لیے بھی خود پہننا ضروری قرار دے دیا ہے۔ دو پہیّوں والی یہ سواری بڑی تیز رفتار ہوتی ہے اور بعض اوقات دوڑتے وقت پھسل جاتی ہے ایسی صورت میں موٹر سائیکل سوار اکثر زخمی ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس قسم کے حادثات میں اموات بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ چونکہ سر پر لگنے والی چوٹ جسم کے دیگر حصوں کی نسبت زیادہ خطرناک ہوتی ہے، اس لیے اب موٹر سائیکل سوار کے لیے سر پر لوہے کا خود پہننا ضروری ہو گیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مجاہدین اسلام نے بھی لوہے کا خود سر پر پہنا ہے۔ اس باب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خود کا ذکر ہو رہا ہے جو آپ نے فتح مکہ کے روز شہر مکہ میں داخل ہوتے وقت پہن رکھا تھا۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے صرف دو روایات نقل کی ہیں۔[1]

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خود کے اسماء ۱۔ موشح اور ۲۔ ذو السبوغ تھے۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّۃَ وَعَلَیْهِ مِغْفَرٌ فَقِیْلَ لَهٗ ھٰذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَۃِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت مالک بن انس نے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث ابن شہاب سے نقل کی اور وہ خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فتح مکہ کے دن) شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سرِ مبارک پر خود تھا آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ ابنِ خطل ہے جو خانہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ چپٹا ہوا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ اس شخص کو قتل کر دو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پہننا،

اس حدیث میں دو چیزوں کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں لوہے کا خود بھی سر پر پہننا ہے اور دوسری یہ کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص عبدالعزیٰ بن خطل نے حرم میں داخل ہو کر جان کی امان چاہی ہے مگر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کی جان بخشی نہ کی بلکہ اُس کے قتل کا حکم دے دیا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خود پہننے کا ذکر تو اس باب میں آمدہ دونوں روایات میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ آپ کے پگڑی باندھنے کا ذکر اگلے باب میں آرہا ہے بعض محدثین کو اشکال ہوا کہ خود والی اور پگڑی والی روایات میں کون سی زیادہ درجۂ صحت کو پہنچتی ہیں

آپکے عمامہ مبارک کا ذکر تو اکثر روایات میں آتا ہے مگر خود پہننے کا ذکر فتح مکہ کے دن کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ امام ابن حجر کہتے ہیں کہ خود پہننا بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بہت سے صحابہ سے منقول ہے۔ دراصل فتح مکہ کے دن آپ نے پگڑی بھی پہن رکھی تھی اور پھر اس کے اوپر خود بھی پہن لیا تھا۔ پھر شہر میں پہنچ کر آپ نے خود اتار دیا اور پگڑی سر پر ہی رہنے دی، اس کا ذکر اگلی روایت میں بھی آئے گا۔

ابن خطل کا قتل

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَکَّۃَ وَعَلَیْہِ مِغْفَرٌ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب فتح مکہ کے دن شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے سر پر خود پہن رکھا تھا فَقِیْلَ لَہٗ پھر آپ سے کہا گیا، یعنی ایک شخص غالباً حرم شریف سے آرہا تھا، کہنے لگا ھٰذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْکَعْبَۃِ حضور! ابن خطل نامی آدمی بیت اللہ شریف کے پردے پکڑ کر اُس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ دراصل اس شخص کے متعلق ہدایات لینے کی خاص وجہ تھی۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عام معافی کا اعلان فرما دیا تھا اور کہا تھا کہ جو آدمی اپنے گھر میں داخل ہو جائے اُسے امان حاصل ہے، جو بیت اللہ شریف میں داخل ہو جائے اُسے بھی امان ہے اور جو ہتھیار ڈال دے اسے بھی امان حاصل ہے مگر یہ ابنِ خطل ان چار اشخاص میں سے تھا جن کے متعلق نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ ان کو امان نہیں دی جائے گی۔ جب لوگوں نے اس کو بیت اللہ شریف کے غلاف میں لپٹا ہوا پایا تو دوبارہ اس کے متعلق حکم حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حکم دیا فَقَالَ اقْتُلُوْہُ اسے قتل کر دو کیونکہ اس شخص کے جرائم ناقابلِ معافی ہیں۔ دراصل یہ آدمی پہلے مسلمان

لہ واخرج الدارقطنی والحاکم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اربعۃ لا اؤمنھم لا فی حل ولا فی حرم، الحویرث بن نفید وھلال بن خطل ومقیس بن صبابہ وعبد اللّٰہ بن ابی سرح۔ روھذا اسلم وحسن اسلامہ، جمع الوسائل ص ۱۹۲ ج ۱)۔ سواتی۔

ہو گیا تھا۔ اس کا ذکر کاتبین میں بھی ملتا ہے مگر اسکی فطرت صحیح نہیں تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کو کسی علاقے میں زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے لیے بھیجا اور خدمت کے لیے ایک خادم بھی ساتھ دے دیا کسی مقام پر پہنچ کر اس نے خادم کو کھانا تیار کرنے کے لیے کہا۔ کھانے میں دیر ہو گئی تو ابنِ خطل نے غصے میں آکر خادم کو قتل کر دیا۔ ایک مسلمان کو قتل کرنے کے بعد اسے قصاص کا خوف پیدا ہوا تو وہ مُرتد ہو کر مکے میں مشرکوں کے پاس چلا گیا۔ پھر اس پر ہی اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اپنی دو لونڈیوں کو ناچنے گانے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی مذمت کے اشعار گانے پر مجبور کرتا تھا پھر جب مکہ فتح ہوا تو خانہ کعبہ کے غلاف کے ساتھ چمٹ کر معافی کا خواستگار ہوا مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حکم دیا کہ اس بدبخت کو قتل کر دو۔ چنانچہ یہ شخص مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان ابو برزہ اسلمیؓ کے ہاتھوں قتل ہُوا۔

ان چار غیر امان یافتہ اشخاص میں سے صرف ایک شخص عبد اللہ بن ابی سرح قتل ہونے سے بچ گیا۔ یہ شخص فتح مکہ کے موقع پر کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ پھر بعد میں تائب ہو گیا تو اللہ کے نبی نے اس کا اسلام قبول کر کے اس کو امان دے دی بعد میں اس شخص نے اسلام کی خاطر بڑے بڑے کام کیے۔

باب - ۱۶
شمائل ترمذی
حدیث - ۲
درس - ۲۳

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ قَالَ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَبَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ[1] کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عیسٰیؒ بن احمد نے بیان کی۔ انکے پاس یہ روایت عبداللہ بن وہب نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے مالک بن انس نے ابنِ شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سُنی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔ پھر جب آپ نے اُس کو اتار دیا تو ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کو قتل کر دو، ابنِ شہاب کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ اس روز حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام احرام کی حالت میں نہیں تھے "

شہر مکہ میں احرام باندھ کر داخل ہونا | امام ترمذیؒ کا رجحان اس اختلافی مسئلہ میں امام شافعیؒ کی طرف تھا جو کہتے ہیں کہ کسی آفاقی شخص

---

[1] المتوفی ۲۶۸ھ (فیاض)

کا مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت احرام کی حالت میں ہونا ضروری نہیں ہے اسکے برخلاف امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ میقات کے باہر سے آنے والا آدمی شہر مکہ میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہوسکتا۔ امام شافعی کی دلیل یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے شہر میں داخل ہوئے تھے مگر آپ کو یہ بھی یاد ہے کہ عام حالات میں تو واقعی حدود حرم میں لڑائی جھگڑا، فسق وفجور حرام ہے مگر فتح مکہ والے دن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو عصر کے وقت تک کے لیے کفار کے ساتھ جنگ کی بھی اجازت دے دی تھی کیونکہ خطرہ تھا کہ آپ کا فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخلہ مشرکوں کو بالکل نہیں بھائے گا اور وہ لڑائی بھڑائی پر آمادہ ہوسکتے ہیں۔ اس لیے آپ فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخلے کے وقت مُحرم نہیں تھے۔ یہ غیر معمولی اور ہنگامی حالات تھے جن میں بغیر احرام کے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ تاہم عام حالات میں امام ابوحنیفہ کا مسلک ہی زیادہ صحیح ہے کہ کوئی آفاقی آدمی شہر مکہ میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہوسکتا۔

(۱۷) بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ عِمَامَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک کے بیان میں"

سر پر پگڑی باندھنا سنت ہے

یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دستار مبارک کے بیان میں ہے جس میں امام ترمذیؒ نے پانچ احادیث جمع کی ہیں۔ عمامہ پگڑی یا دستار کو کہتے ہیں۔ سر پر پگڑی باندھنا سنّتِ مطہرہ میں سے ہے۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بھی دستار مبارک پہنی ہے۔ اس کی تعریف بھی فرمائی ہے اور اس کو پہننے کی ترغیب بھی دی ہے تمام شرفاء لوگ سر پر پگڑی باندھتے رہے ہیں جو کہ باعثِ عزّت و وقار ہے۔

سر پر صرف پگڑی باندھ لیں یا اس کے نیچے ٹوپی یا کلاہ وغیرہ رکھ لیں دونوں طرح درست ہے۔ بعض روایات میں صرف پگڑی باندھنے کا ذکر آتا ہے جس کو مشرکین کے ساتھ مشابہت کا نام دیا گیا ہے مگر محدثین کرام کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی زمانے میں مشرک لوگ صرف پگڑی باندھتے ہوں اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کے تشابہ کو ناپسند فرمایا ہو جیسا کہ اب بھی یہی حکم ہے۔ بعض لباس بذاتہٖ ممنوع نہیں ہوتے تاہم کسی دوسری قوم یا فرقہ سے مشابہت کی بناء پر انھیں مکروہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً کالی پگڑی یا لباس کا کوئی دوسرا سیاہ کپڑا ممنوع نہیں ہے مگر محرم کے دنوں میں چونکہ شیعہ حضرات خصوصیت کے ساتھ ماتم کے اظہار کے لیے سیاہ لباس پہنتے ہیں لہٰذا ان مخصوص ایام میں سیاہ لباس یا سیاہ پگڑی پہننے سے گریز کرنا چاہیے۔ ان دنوں کے علاوہ آپ بے شک سیاہ پگڑی باندھیں اچکن یا کوئی دوسرا کپڑا پہنیں، کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح پگڑی کے نیچے ٹوپی رکھ لیں یا خالی پگڑی باندھ لیں، درست ہے۔

امام ابن قیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) اپنی سیرت کی مشہور کتاب زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ ٹوپی اور بغیر ٹوپی کے پگڑی باندھنا روا ہے۔ ہم نے بڑے بڑے بزرگوں کو صرف ٹوپی پہنتے بھی دیکھا ہے۔ ہمارے زمانے کے جید عالم دین مفتی کفایت اللہؒ صرف ٹوپی پر ہی اکتفا کرتے تھے اور ہم نے کبھی اُن کو پگڑی باندھے نہیں دیکھا۔ ہمارے شیخ مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سر پر ٹوپی

رکھ کر اس کے اوپر پگڑی باندھتے تھے بعض اوقات ٹوپی کے اوپر رومال بھی لپیٹ لیتے تھے۔

مختلف قسم کی پگڑیاں

اگر پگڑی کے مختلف نمونے دیکھنے ہوں تو لکھنؤ چلے جائیں۔ وہاں عجائب گھر میں ایک لمبا چوڑا ہال محض پگڑیوں کے مختلف نمونوں، اُنکی طوالت اور اُنکے باندھنے کے طریقوں کے لیے مختص ہے۔ خدا جانے حضرت آدم علیہ السّلام یا کرشن جی مہاراج کے زمانے سے لے کر پگڑیوں کے ہزاروں نمونے وہاں رکھے گئے ہیں۔

پگڑی کے لیے کوئی خاص معیار مقرر نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے علاقے اور اپنے اپنے رسم ورواج کے مطابق لوگوں نے پگڑیوں کی وضع قائم کرلی ہے ہم کسی ایک کو بھی معیار قرار دے کر رد نہیں کر سکتے۔ ہمارے اپنے پاکستان میں مختلف قسم کی پگڑیاں رائج ہیں۔ پنجابی، پوٹھوہاری اور سرحدی پگڑی میں طوالت اور باندھنے کے طریقے میں فرق ہے۔ اسی طرح سندھی اور بلوچی پگڑیاں اگرچہ قدرے ملتی جلتی ہیں مگر علاقائی تفاوت ان میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہم نے راجپوتانے کے راجپوتوں کو چالیس چالیس گز کی پگڑیاں باندھے دیکھا ہے جیسے دو دو تھان سر پر لپیٹ رکھے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مُبارک

ہاں اگر آپ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دستار مبارک کے متعلق پوچھتے ہیں تو اس سلسلہ میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔ آپ کی بڑی پگڑی بارہ ہاتھ لمبی اور چھوٹی پگڑی جس کے لیے عصابہ کا لفظ بھی آیا ہے چھ یا سات ہاتھ لمبی ہوتی تھی۔ کل کی روایت میں گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پگڑی کے اوپر خود بھی پہن رکھا تھا۔ جہاں تک پگڑی کے رنگ کا تعلق ہے، زعفرانی اور کسنبہ رنگ کے علاوہ ہر رنگ کی پگڑی پہننا روا ہے البتہ آپ نے سفید پگڑی کی تعریف فرمائی ہے اور سیاہ رنگ کی پگڑی بھی پہنی ہے۔

باب - ۱۷

شمائل ترمذی

حدیث - ۱

درس - ۲۳

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ (ح) وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ :" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالرحمٰن بن مھدی نے بیان کی ۔ ان کو یہ روایت حماد بن سلمہ کے واسطہ سے پہنچی (تحویل) ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی، انھوں نے وکیع سے اور انھوں نے حماد بن سلمہ سے انھوں نے ابن ابی زبیر کے حوالے سے نقل کی ۔ وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہر مکہ میں داخل ہوئے اور آپکے سر پر سیاہ دستار مبارک تھی۔"

تشریح: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں صحابی رسول حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام شہر مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ تو آپ نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا۔ سیاہ دستار پہننا حضور سے ثابت ہے مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کسی ایسے موقع پر سیاہ پگڑی یا سیاہ لباس پہننا جس سے اغیار کی مشابہت ظاہر ہوتی ہو مکروہ ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَاَیْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِمَامَةً سَوْدَآءَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: "ہمارے پاس یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت سفیان سے اور انھوں نے مساور وراق سے اخذ کی وہ یہ روایت جعفر بن عمرو بن حریثؓ سے اور وہ اپنے باپ عمرو بن حریثؓ سے نقل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سیاہ رنگ کی دستار مبارک دیکھی۔"

تشریح: اس حدیث کے ایک راوی مساور الوراق ہیں۔ ورق کا معنیٰ کاغذ ہوتا ہے اور وراق کاغذ بنانے والے یا کاغذ کا کاروبار کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ورق سونے یا چاندی کے بھی بنائے جاتے ہیں۔ جن کو مختلف اشیاء میں استعمال کیا جاتا ہے، تاہم یہاں پر وراق سے مراد کاغذ بنانے والا ہے۔ یہ راوی خود کاغذ بناتے تھے یا اس کا کاروبار کرتے تھے۔ اُس زمانے میں ہاتھ سے موٹی قسم کا کاغذ بنایا جاتا تھا۔ اب تو مشینی دور میں اس صنعت نے زبردست ترقی کر لی ہے۔ یہ جعفر بن عمرو بن حریثؓ اپنے والد عمرو بن حریثؓ سے نقل کرتے ہیں۔ رَاَیْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِمَامَةً سَوْدَآءَ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاہ عمامہ پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کا مضمون بھی پہلی حدیث جیسا ہی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَيُوسُفُ بْنُ عِيسٰى قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہمارے استاد محمود بن غیلان اور یوسف بن عیسٰی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت وکیع نے بیان کی انھوں نے یہ روایت مساور وراق سے اخذ کی۔ انھوں نے یہ حدیث جعفر بن عمرو بن حریث سے نقل کی جو اپنے باپ عمرو بن حریثؓ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ لوگوں سے خطاب کیا جبکہ آپ سیاہ دستار مبارک باندھے ہوئے تھے۔"

تشریح یہ روایت بھی سابقہ روایت سے ملتی جلتی ہے اور اس کے راویان مساور وراق اور جعفر بن عمرو بن حریث مشترکہ ہیں، عمرو بن حریثؓ بیان کرتے ہیں۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ ایک موقع پر حضور نبی کریمؐ نے لوگوں سے خطاب کیا۔ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ جبکہ آپ سیاہ رنگ کی پگڑی سر پر پہنے ہوئے تھے۔ شارحین کے مختلف اقوال ہیں کہ وہ کون سا خطبہ تھا جس کا ذکر اس روایت میں آیا ہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۱۷

درس - ۲۳ — حدیث - ۴

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدَنِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہمارے استاذ ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے بیان کی۔ اُنکے پاس یہ روایت یحییٰ بن محمد مدنی نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبدالعزیز بن محمد سے اور انھوں نے عبیداللہ بن عمر سے اخذ کی۔ وہ روایت نافع کی طرف منسوب کرتے ہیں جنھوں نے اسے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پگڑی مبارک باندھتے تو اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان ڈال لیتے۔ اس روایت کے راوی نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے اور عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔"

عمامہ باندھنے کا طریقہ

اس باب کی پہلی تین روایات سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دستار مبارک کے سیاہ رنگ کی وضاحت ہوتی ہے اب اس چوتھی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ باندھنے کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے حضرت

لہ المتوفی ۲۵۸ھ (فیاض)

عبداللہ بن عمرؓ اس حدیث کے راوی ہیں قَالَ وہ کہتے ہیں کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَمَّ کہ جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دستار مبارک سر پہ باندھتے۔ سَدَلَ عِمَامَتَہٗ بَیْنَ کَتِفَیْہِ تو آپ اُس کا کنارہ دونوں کندھوں مبارکوں کے درمیان لٹکا دیتے۔ ظاہر ہے کہ پگڑی کی لمبائی کم ہو یا زیادہ اُس کے کنارے تو دو ہی ہوتے ہیں۔ پگڑی باندھتے وقت عام طور پہ پہلا کنارہ پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان نیچے کی طرف لٹکا دیا جاتا ہے اور پھر پگڑی کا باقی حصہ سر پہ لپیٹ کر اُس کا دوسرا کنارہ لپیٹے ہوئے کپڑے کی تہوں میں پھنسا دیا جاتا ہے تاکہ پگڑی سر پہ سے سرکنے نہ پائے بعض لوگ یہ دوسرا کنارہ بھی تھوڑا سا پھنسا کر اس کا کچھ حصّہ پیچھے کی طرف لٹکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر یہ حصہ کسی مادہ کے لگانے سے اکڑا ہوا ہو تو یہ سر پہ کھڑا ہو جاتا ہے ورنہ ویسے پیچھے کی طرف یا دائیں بائیں کسی طرف بھی لٹک جاتا ہے پنجاب کے علاقے میں پیچھے کی طرف لٹکنے والے لمبے کنارے کو لڑ کہتے ہیں، اور سر کے اوپر آنے والے چھوٹے سرے کو شملہ کہتے ہیں۔

لباس التقوٰی پرانے زمانے میں پگڑی باندھنے کا رواج عام تھا جو آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ پگڑی کی جگہ رومال اور ٹوپی نے لی اور اب وہ بھی بہت حد تک متروک ہو رہے ہیں۔ پگڑی باندھنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے مختلف خطوں میں آب و ہوا کی مناسبت سے مختلف طرز کی پگڑیاں باندھی جاتی ہیں۔ اکبر بادشاہ کا ایک معتمد مولوی ملاں دو پیازہ کا نام تو آپ نے سُنا ہوگا۔ اس کی پگڑی کا پیچھے لٹکنے والا پلّو اتنا لمبا ہوتا تھا کہ جب وہ چلتا تھا تو دو آدمی اس کو پیچھے سے اُٹھا کر چلتے تھے تاکہ زمین پر گھسٹتا نہ چلا جائے، وہ کہتے تھے کہ یہ علم کا شملہ ہے۔ یہ بات تو اسراف اور تکبّر میں داخل ہے۔ لباس ایسا ہونا چاہیئے مَالَمْ یَکُنْ مَخِیْلَۃٌ وَّلَا سَرَفٌ جس میں نہ تو تکبّر پایا جائے کہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھا جائے اور نہ اس میں فضول خرچی کا عنصر موجود ہو۔ پیچھے کی طرف لٹکنے والے حصّے کی حد یہ ہے کہ وہ نصف پشت تک جائے، اس سے زیادہ لمبا نہ ہو۔

صحابہ کرام کا عمل

اس حدیث کے ایک راوی نافع کہتے ہیں وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُ ذٰلِکَ کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے پر ہی پگڑی باندھا کرتے تھے یعنی پگڑی کا ایک کنارہ پیچھے کی طرف دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے۔ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ وَرَاَیْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا یَفْعَلَانِ ذٰلِکَ اس سند میں روایت کرنے والے دوسرے راوی عبیداللہ کا بیان ہے کہ انھوں نے قاسم بن محمد (المتوفی ۱۰۸ھ) جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے ہیں، ان کو بھی اسی طریقے پر پگڑی پہنے ہوئے دیکھا ہے نیز حضرت عمر فاروقؓ کے پوتے سالم بن عبداللہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت کے مطابق اسی طریقے سے پگڑی باندھا کرتے تھے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پگڑی باندھنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے بعض لوگ ایک کنارہ چھوڑتے ہیں اور بعض دونوں کنارے دائیں بائیں لٹکا لیتے ہیں بعض بالکل کوئی کنارہ نہیں چھوڑتے اور بعض چھوٹا شملہ چھوڑتے ہیں۔ تاہم بہتر طریقہ یہی ہے جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ نے اختیار کیا یعنی پگڑی کا ایک کنارہ پیچھے کی طرف دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا دیا جائے۔

شمائل ترمذی

باب - ۱۷
حدیث - ۵
درس - ۲۳

حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا اَبُوْسُلَیْمَانَ وَھُوَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِیْلِ عَنْ عِکْرِمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَیْہِ عِصَابَۃٌ دَسْمَآءُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت یوسف بن عیسیٰ نے بیان کی۔ اُن کے پاس وکیع نے اور اُن کے پاس ابو سلیمان نے یہ حدیث بیان کی جن کا نام عبدالرحمٰن بن غسیل ہے۔ وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر لوگوں سے خطاب فرمایا تو اس وقت آپکے سر مبارک پر چکناہٹ زدہ پگڑی تھی"۔

تشریح پہلی چاروں روایات میں دستار مبارک کے لیے عمامہ کا لفظ آیا ہے جبکہ اس روایت میں عِصَابَۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عصابہ کا اطلاق عام طور پر چھوٹی پٹی پر ہوتا ہے، تاہم اس مقام پر اسے پگڑی پر محمول کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی چھوٹی دستار مبارک ہو۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت عباسؓ کے فرزند کو کہا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے، ذرا پٹی باندھ دو۔ چنانچہ انھوں نے کس کر پٹی باندھ دی، ہو سکتا ہے وہ چھوٹی پگڑی ہی ہو۔

دسماء، دسومت کے مادہ سے ہے اور یہ اس کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایسی چھوٹی پگڑی یا پٹی باندھ رکھی تھی جس سے دسومت یعنی تیل کی چکناہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ بعض اوقات آپ نے اس قسم کی پگڑی بھی باندھی ہے۔
یاد رہے کہ شمائل کے بعض نسخہ جات میں عصابۃ کا لفظ آیا ہے اور بعض

میں عمامہ کا لفظ بھی آیا ہے۔ بہر حال مطلب ایک ہی ہے کہ جس پگڑی کا ذکر یہاں ہو رہا ہے وہ کوئی چھوٹی پگڑی ہوگی جسے سر میں درد کی وجہ سے سر پر مضبوطی سے باندھ دیا گیا ہو۔ چونکہ آپ کثرت سے سر میں تیل بھی لگایا کرتے تھے اس لیے پٹی کا تیل زدہ ہونا بھی قرینِ قیاس ہے۔

---

(۱۸) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ اِزَارِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند کے بیان میں"

یہ باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تہ بند کے بارے میں ہے کہ آپ کس قسم کا تہبند لنگی، چادر یا شلوار وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ دراصل ازار اُس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو کوئی شخص جسم کے نچلے حصہ میں پہنتا ہے جسم کے اوپر والے حصہ میں عام طور پر قمیص یا کُرتہ وغیرہ پہنا جاتا ہے یا پرانے زمانے میں لوگ بڑی چادر یا کمبل وغیرہ سے ہی گزارا کر لیتے تھے تو اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند کا ذکر ہے کہ وہ کیسا ہوتا تھا اور آپ اس کو کس طرح زیب تن کرتے تھے۔

اس باب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف تہبند باندھنے کا ذکر ہے البتہ بعض دوسری روایات میں شلوار کا ذکر بھی آتا ہے کہ آپ نے کسی موقع پر شلوار خریدی، اس کی تعریف بھی کی مگر خود شلوار پہننے کا کسی صحیح روایت سے ثبوت نہیں ملتا جس طرح تہبند باندھنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالفعل ثابت ہے۔ اس طرح پاجامہ یا شلوار کا پہننا ثابت نہیں ہے اگرچہ اس کا پہننا شرعاً جائز اور صحیح ہے جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں کے یہودی صرف شلوار پہنتے تھے، تہبند نہیں باندھتے تھے۔ اس سلسلہ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم شلوار اور تہبند دونوں چیزیں استعمال کیا کرو تاکہ نہ تو یہودیوں کی بالکل موافقت رہے اور نہ بالکل مخالفت۔ بہرحال شرعاً شلوار اور تہبند دونوں اشیاء استعمال میں لائی جا سکتی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے چار احادیث جمع کی ہیں۔

باب - ۱۸

درس - ۲۳

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كِسَاءً مُّلَبَّدًا وَّاِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَيْنِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ اُن کے پاس اس کو ایوب نے بیان کیا انھوں نے یہ روایت حمید بن ہلال سے اخذ کی، اور اُن تک یہ حدیث ابوبردہ (سے اُن کے باپ مشہور صحابی ابوموسیٰ اشعریؓ) کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہمارے سامنے ایک پیوند زدہ کمبل اور ایک موٹی چادر نکال کر دکھائی اور فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح انھی دو کپڑوں میں قبض کی گئی تھی۔"

پیوند زدہ کپڑے

اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر آیا ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد دکھائیں۔ ایک تو پیوند زدہ کمبل تھا اور دوسرا موٹی قسم کا سادہ تہبند تھا۔ جن میں آپ نے زندگی کے آخری سانس لیے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا کمبل مبارک کثرتِ استعمال سے پھٹ گیا ہوگا جسے مزید استعمال کے لیے پیوند لگانا پڑے معلوم ہوا کہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا مستحب ہے۔ ایسے کپڑے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

---

[۱] المتوفی ۵۲ھ بعض نسخوں میں ابوموسیٰ اشعریؓ کا بھی ذکر ہے کہ انکے بیٹے نے اپنے والد سے روایت بیان کی ہے اور بعض روایات میں عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ کے الفاظ بھی ہیں۔ (فیاض)

پہنے اور آپ کے صحابہ کرام نے بھی ۔ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کا واقعہ تو آپ سب جانتے ہیں کہ جب آپ شام و فلسطین کو فتح کرنے کے لیے گئے تو اس وقت آپ کی قمیص میں سترہ پیوند لگے ہوئے تھے ۔ وہاں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المؤمنین کی خدمت میں عرض کیا ، حضور ، یہاں کے لوگ بڑے آسودہ حال ہیں جو اچھے مکانوں میں رہتے ہیں اچھی سواریاں استعمال کرتے ہیں اور عمدہ لباس پہنتے ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کا پیوند زدہ لباس دیکھ کر آپ کو حقارت آمیز نظر سے دیکھیں ۔ لہٰذا اگر آپ چاہیں تو ہم اچھا لباس آپ کی خدمت میں پیش کر دیں ۔ ابو عبیدہؓ کی یہ بات سُن کر امیر المؤمنین ناراض ہو گئے ۔ فرمایا ، ابو عبیدہؓ تم کس خیال میں ہو ، کیا تمھیں یاد نہیں ہے کُنَّا اَذِلَّةً فَاَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ فِیْ غَیْرِهٖ اَذَلَّنَا اللّٰهُ ۔ ہم تو نادار لوگ تھے ، اللہ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت بخشی ہے ۔ اب اگر ہم دین کے تقاضوں کو چھوڑ کر عزت تلاش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا کر دے گا ۔ اس وقت پیوند زدہ کپڑوں میں بھی اتنا رُعب تھا کہ امیر المؤمنین کا یہ جواب سُن کر سب دم بخود رہ گئے ۔

سادہ لباس لباس کا دوسرا کپڑا جو ام المؤمنین نے اس موقع پر دکھایا وہ ایک موٹی قسم کی سادہ سی چادر تھی جسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بطور تہبند استعمال کیا کرتے تھے ۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آخری ایام میں بھی آپ کا لباس اس قدر سادہ اور پیوند زدہ تھا ۔ مسلم شریف کی درجہ اوّل کی صحیح روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ایک جبّہ کا ذکر بھی آتا ہے جو ام المؤمنین کے پاس رکھا ہوا تھا ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اس سادگی پسندی سے یہود و نصاریٰ کا یہ اعتراض بالکل لغو بن کر رہ جاتا ہے کہ اللہ کے نبی کی مکّی زندگی تو عسرت میں گزری مگر مدینہ پہنچ کر جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو پھر آپ نے شاہانہ زندگی بسر کرنا شروع کر دی ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نہایت سادگی سے گزری اور اس میں کبھی کوئی تغیّر واقع نہیں ہوا ۔ سیرت کی کتابوں میں تو یہاں تک موجود ہے کہ

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی کی آخری شب آپ کے گھر میں چراغ روشن کرنے کے لیے تیل بھی نہیں تھا اور امّ المومنین نے پڑوسیوں کے گھر سے عاریتاً حاصل کر کے چراغ جلایا تھا۔ ان حالات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی پر فضول اعتراض کرنا بالکل ہی بے ہودہ بات ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرّکات

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بعض روایات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چغہ کا ذکر بھی آیا ہے جو کہ امّ المؤمنین نے اپنے پاس بطور تبرک رکھا ہوا تھا۔ آپ وہ چغہ پانی میں ڈال کروہ پانی مریض کو پلا دیتیں تو اللہ تعالیٰ شفا بخش دیتا۔

شمائل ترمذی ‏ ‏ ‏ ‏ باب - ۱۸

درس - ۲۳ ‏ ‏ ‏ ‏ حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوٗدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّتِیْ تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا قَالَ بَيْنَا اَنَا اَمْشِیْ بِالْمَدِيْنَةِ اِذَا اِنْسَانٌ خَلْفِیْ يَقُوْلُ ارْفَعْ اِزَارَكَ فَاِنَّهٗ اَتْقٰی وَاَبْقٰی فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هِیَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ اَمَا لَكَ فِیَّ اُسْوَةٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اِزَارُهٗ اِلٰی نِصْفِ سَاقَيْهِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہمارے استاد محمود بن غیلان نے بیان کی۔ ان کے پاس اس روایت کی خبر ابوداؤد نے شعبہ سے اور انھوں نے اشعث بن سُلیم کے حوالہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنی پھوپھی سے یہ روایت ان کے چچا کے حوالے سے اخذ کی۔ (اُن کا نام عبید بن خالد تھا) وہ کہتے ہیں کہ مَیں مدینہ (کی کسی گلی یا بازار) میں جارہا تھا کہ میرے پیچھے آنے والے کسی آدمی نے کہا کہ اپنے ازار (تہبند) کو اُوپر اُٹھاؤ کیونکہ زیادہ تقوٰی اور زیادہ باقی رہنے والی یہی بات ہے۔ (صحابی بیان کرتا ہے کہ مذکورہ جملہ سُن کر مَیں نے پیچھے مڑ کر دیکھا) تو یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مَیں نے عرض کیا، اللہ کے رسولؐ! یہ تو معمولی سی دھاری دار چادر ہے۔ آپ نے فرمایا، کیا تیرے لیے میرا اُسوہ کافی نہیں ہے؟ مَیں نے دیکھا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا تہبند نصف پنڈلیوں تک تھا۔"

تہبند باندھنے کا طریقہ

اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تہبند مبارک باندھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت صحابی رسول حضرت عبید بن خالدؓ سے ہے قَالَ بَيْنَمَا اَنَا اَمْشِيْ بِالْمَدِيْنَةِ اِذَا اِنْسَانٌ خَلْفِيْ يَقُوْلُ وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ کے کسی بازار یا گلی سے گزر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی شخص نے مجھے آواز دی اِرْفَعْ اِزَارَكَ اپنا تہبند اٹھاؤ۔ فَاِنَّهٗ اَتْقٰى وَاَبْقٰى کیونکہ ایسا کرنے میں ہی تقویٰ اور حفاظت ہے۔ ظاہر ہے کہ میرا تہبند نیچے زمین پر گھسٹتا جا رہا تھا جس کے متعلق مجھے کہا گیا کہ اسے اُوپر اُٹھاؤ۔ اور پھر ایسا کرنے کا فائدہ بھی بتلا دیا گیا کہ اُوپر اٹھانے میں ایک تو پرہیزگاری اور تقویٰ کا عنصر پایا جاتا ہے، دوسرا اس سے تمہارا تہبند زیادہ دیر تک چلے گا، کیونکہ اس طرح زمین پر گھسٹنے سے وہ جلدی پھٹ جائے گا۔ راوی بیان کرتا ہے فَالْتَفَتُّ کہ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا کہ یہ آواز کس کی ہے فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو میں نے دیکھا کہ وہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنھوں نے مجھے تہبند اوپر اُٹھانے کے لیے حکم دیا تھا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے عرض کیا، حضور! اِنَّمَا هِيَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ یہ تو دھاری دار معمولی سی چادر ہے، یہ پھٹ بھی جائے گی تو کیا حرج ہے؟ مَلْحَاءُ کے دونوں معنے لیے جا سکتے ہیں۔ ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ یہ ایک معمولی سی چادر ہے اگر اس کا پلّو نیچے بھی لگ جائے تو کوئی بات نہیں۔ دوسرا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تو دھاریدار خوشنما چادر ہے، ہم اسے شوق سے پہنتے ہیں، اگر یہ نیچے بھی لگ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ اَمَا لَكَ فِيَّ اُسْوَةٌ آپ نے فرمایا، کیا تیرے لیے میرا نمونہ کافی نہیں ہے یعنی جس طرح میں نے تہبند باندھا ہوا ہے، کیا یہ طریقہ تمھیں پسند نہیں ہے؟ آپ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تم اپنے عمل کی توجیہ بیان کر رہے ہو، یہ بات نہیں چلے گی۔ اللہ کا فرمان تو یہ ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱) تمہارے لیے تو اللہ کا رسول بہترین نمونہ ہے۔ تم اس کا نمونہ کیوں اختیار نہیں کرتے؟ جس طرح میں نے اپنا تہبند باندھا ہوا ہے، تم بھی اُسی طریقے سے باندھو۔ راوی بیان کرتا

ہے۔ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اِزَارُہٗ اِلٰی نِصْفِ سَاقَیْہِ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تہبند پر نظر ماری تو وہ آپ کی نصف پنڈلیوں تک اونچا بندھا ہوا تھا۔

ٹخنوں سے نیچے تک تہبند لٹکانا غرور و تکبر کی علامت ہے۔ اس زمانے میں بھی آسودہ حال لوگ قیمتی اور عمدہ تہبند پہنتے تھے اور انھیں زمین تک نیچے لے جاتے تھے یہ معاشرے میں شرافت و وقار اور آسودہ حالی کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا سفیر بنا کر اہلِ مکہ کے پاس گفت و شنید کے لیے بھیجا۔ اُن ایام میں آپ کچھ کمزور اور زرد رنگ دکھائی دے رہے تھے۔ جب آپ مکہ پہنچے تو آپ کے چچازاد بھائیوں نے آپ کو گھیر لیا اور کہنے لگے کہ آپ تو اچھے خاصے خوب صورت نوجوان تھے، مدینہ جا کر آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کمزور ہو گئے ہیں، نیز یہ کہ تم نے یہ تہبند کیسا اوپر اٹھا رکھا ہے، جبکہ ہمارے درمیان رہ کر تو تم ہمارے جیسا باوقار طریقے سے تہبند باندھتے تھے جو نیچے تک لٹکتا تھا۔ اب یہ نصف پنڈلی تک چادر پہننے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ھٰکَذَا اِزَارَۃُ صَاحِبِیْ میں نے تہبند باندھنے کا یہ طریقہ اپنے صاحب یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر اختیار کیا ہے۔ لہٰذا میں اپنے آقا کے اُسوۂ حسنہ کو ترک نہیں کر سکتا۔

آج کل بھی آپ دیکھتے ہیں کہ بعض دیہات کے چوہدری صاحبان بڑے بڑے تہبند باندھتے ہیں جو زمین پر گھسٹتے چلے جاتے ہیں وہ انھیں عزت و وقار اور خوشحالی کی علامت سمجھتے ہیں حالانکہ تقویٰ اور حفاظت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُسوہ اختیار کرنے میں ہی ہے۔

باب ـ ۱۸

درس ـ ۲۳

حدیث ـ ۳

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ عُثْمَانُ يَأْتَزِرُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ وَقَالَ هٰكَذَا كَانَتْ إِزْرَةُ صَاحِبِي يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سوید بن نصر نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت عبداللہ بن مبارک نے موسیٰ بن عبیدہؒ[1] کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ایاس بن سلمۃ بن اکوع سے اُن کے باپ کے حوالے سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اپنی نصف پنڈلیوں تک تہبند باندھتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے صاحب یعنی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تہبند باندھنے کی یہی ہیئت ہوتی تھی۔"

تشریح گزشتہ روایت کی طرح اس حدیث میں بھی نصف پنڈلی تک تہبند باندھنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں راوی نے حضرت عثمانؓ کے تہبند باندھنے کے طریقہ اور اس کی ہیئت کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کَانَ عُثْمَانُ یَأْتَزِرُ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ اپنا تہبند اپنی پنڈلیوں کے نصف تک لٹکایا کرتے تھے اور پھر اس کی یہ توجیہہ بھی بیان کرتے تھے،

---

[1] المتوفی ۱۵۳ھ۔ (فیاض)

وَقَالَ هٰكَذَا كَانَتْ اِزْرَةُ صَاحِبِيْ يَعْنِى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
کہ میرے صاحب یعنی حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کا تہبند اسی طرح کا ہوتا تھا یعنی آپ
بھی تہبند اپنی نصف پنڈلیوں تک ہی لٹکایا کرتے تھے۔
افضل طریقہ یہی ہے۔ تاہم اگلی روایت میں آرہا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ طریقہ پسند
نہ ہو اور وہ اپنا تہبند نیچے لٹکانا چاہے تو اس کے ٹخنے بہرحال برہنہ رہنے چاہئیں
یعنی تہبند کسی حالت میں بھی ٹخنوں سے نیچے نہیں لٹکنا چاہیئے کہ ایسا کرنے والا سخت
گنہگار ہوگا۔

باب ۔ ۱۸

درس ۔ ۲۳

حدیث ۔ ۴

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ اَخْبَرَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نُذَيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَةِ سَاقِيْ اَوْ سَاقِهٖ فَقَالَ هٰذَا مَوْضِعُ الْاِزَارِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاَسْفَلَ فَاِنْ اَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْاِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۵۷۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہؒ نے بیان کی ۔ انھوں نے اس روایت کی خبر ابو الاحوص سے انکے باپ (ابی اسحٰق) کے حوالے سے دی ۔ انھوں نے مسلم بن نذیر سے اخذ کی اور انھوں نے حذیفہؓ بن یمانؓ سے سُنی ۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی کا عضلہ یعنی گوشت والا حصّہ پکڑا ، یا آپ نے اپنی پنڈلی کا عضلہ پکڑ کر فرمایا کہ تہبند باندھنے کی یہ جگہ ہے اور اگر تم ناپسند کرو اور نیچے تک لٹکانا چاہو تو پھر ٹخنوں کو تہبند کے ساتھ ڈبونے کا حق نہیں ہے ۔"

تشریح اس روایت میں تہبند لٹکانے کی زیادہ سے زیادہ حد بتلائی گئی ہے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اَخَذَ بِعَضَلَةِ سَاقِيْ میرے عضلہ (گوشت والے حصّے) کو پکڑا اَوْ سَاقِهٖ یا خود اپنے عضلہ کو پکڑ کر واضح کیا ، راوی کو تردّد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پنڈلی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا

لہ المتوفی ۱۳۶ھ ۔ (فیاض)

یا میری پنڈلی پر ہاتھ لگا کر بتایا ھٰذَا مَوْضِعُ الْاِزَارِ کہ تہبند باندھنے کا یہ مقام ہے
عضلہ دراصل انسانی جسم میں موجود خالص گوشت والے حصے کو کہتے ہیں جسے ہم مچھلی بولتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں بہت سے جوڑ، ہڈیاں، رگیں اور تسمے پیدا کیے ہیں، ایسے
ہی ایک قول کے مطابق انسان کے جسم میں خالص گوشت کی پانچ سو مچھلیاں مختلف جگہوں
میں موجود ہیں۔ ایسی ہی مچھلیاں انسانی پنڈلیوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ تو راوی بیان کرتا
ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پنڈلی کے مچھلی والے حصّے پر ہاتھ لگا کر بتایا کہ تم اپنا
تہبند یہاں تک لٹکایا کرو۔ فَاِنْ اَبَیْتَ فَاَسْفَلَ اور تم کو اتنا اونچا تہبند باندھنا
پسند نہ ہو یعنی نیچے لٹکانا چاہو فَلَا حَقَّ لِلْاِزَارِ فِی الْکَعْبَیْنِ تو پھر اتنا بھی نیچے
تک نہیں آجانا چاہیئے کہ تمھارے ٹخنے بھی تہبند میں ڈوب جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے
تہبند کو اوّل تو پنڈلی کی مچھلی یعنی اس کے نصف تک رکھو جیسا کہ پہلی روایت میں بھی گزر
چکا ہے اور اگر تم اسے مزید نیچے کی طرف کرنا چاہتے ہو تو پھر ٹخنے تو ہر صورت میں برہنہ رہنے
چاہئیں یعنی ٹخنوں سے نیچے تہبند کو لٹکانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی حالت اور نظریہ کے تحت ٹخنوں
سے نیچے تہبند لٹکانے والا گنہگار ہے البتہ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ صرف غرور و تکبّر کی وجہ سے
ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، اگر یہ بات نہیں تو پھر وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

(۱۹) بَابُ مَاجَآءَ فِیْ مِشْیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رفتار مبارک کے بیان میں۔"

شمائل ترمذی کا یہ انیسواں باب ہے جس میں امام ترمذیؒ نے تین ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال یا رفتار مبارک پر روشنی پڑتی ہے کہ چلنے میں آپ کی رفتار ہلکی تھی، درمیانی تھی یا تیز تھی۔

شمائلِ ترمذی

باب - ۱۹

درس - ۲۴

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ لَھِیْعَۃَ عَنْ اَبِیْ یُوْنُسَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ مَارَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ وَمَا رَاَیْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِیْ مِشْیَتِہٖ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰی لَہٗ اِنَّا لَنُجْھِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّہٗ لَغَیْرُ مُکْتَرِثٍ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ہمارے استاذ قتیبۃ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس روایت کی خبر ابن لہیعۃؒ نے ابن یونس کے واسطہ سے دی، اور انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابوہریرۃؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسین

---

۱ المتوفی ۱۷۴ھ (فیاض)

چیز کوئی نہیں دیکھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سورج آپ کے چہرۂ مبارک پر چل رہا ہے اور میں نے رفتار میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ تیز رفتار کوئی نہیں دیکھا، گویا کہ زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہے۔ ہم تو اپنے آپ کو مشقّت میں ڈال دیتے تھے جب کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی طبعی رفتار سے چل رہے ہوتے تھے۔"

تشریح یہ مضمون شمائل ترمذی کے پہلے باب (حلیہ مبارکہ) میں بھی مختلف روایات میں بیان ہو چکا ہے کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور اس قدر حسین تھا گویا سورج آپ کے چہرۂ مبارک پر ہی چل رہا ہے یعنی چمک رہا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو سورج کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

رفتار کے متعلق بھی کہتے ہیں وَمَا رَاَیْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِیْ مِشْیَتِهٖ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار کوئی شخص نہیں دیکھا۔ آپ کی چال مبارک اتنی تیز تھی کَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰی لَهٗ۔ گویا کہ زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہے۔ باوجود اسکے کہ آپ اپنی طبعی رفتار سے چلتے تھے مگر ہمیں آپ کے ساتھ چلنے کے لیے لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَیْرُ مُکْتَرِثٍ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا پڑتا تھا یعنی بڑی مشکل کے ساتھ آپ کی تیز رفتار کے ساتھ چل سکتے تھے جب کہ آپ اپنی طبعی رفتار سے چل رہے ہوتے تھے۔

شمائل ترمذی

درس - ۲۴ باب - ۱۹

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ مَوْلٰی غُفْرَۃَ حَدَّثَنِیْ اِبْرَاھِیْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وُلْدِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ عَلِیٌّ اِذَا وَصَفَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَشٰی تَقَلَّعَ کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ فِیْ صَبَبٍ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر اور دیگر بہت سے لوگوں نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عیسیٰ بن یونس سے ملی ۔ ان تک یہ روایت عمر بن عبداللہ سے پہنچی جو کہ غفرۃ کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ حدیث ابراہیم بن محمد نے بیان کی جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے تو یوں کہتے کہ جب آپ چلتے تو قوت سے پاؤں اٹھا کر چلتے ، گویا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں "

تشریح: یہ مضمون بھی پہلے باب میں گزر چکا ہے تَقَلَّعَ کا معنیٰ قدم اُٹھا کر چلنا ہوتا ہے گویا آپ عورتوں کی طرح قدم گھسیٹ کر نہیں چلتے تھے ۔ کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ فِیْ صَبَبٍ گویا کہ آپ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چلتے وقت اپنا جھکاؤ آگے کی طرف رکھتے تھے ۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی نشیبی جگہ میں اُتر رہے ہیں حالانکہ آپ ہموار زمین پر چل رہے ہوتے ۔

درس - ۲۴　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبِي عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس اس روایت کی خبر میرے باپ نے مسعودی کے حوالے سے دی۔ اُن کو یہ حدیث عثمان بن مسلم بن ہرمز سے ملی۔ اُن کے پاس یہ روایت نافع بن جبیر بن مطعم کے ذریعہ سے پہنچی اور وہ اس کو حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے تو جھک کر چلتے تھے۔ گویا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں۔"

تشریح: یہ حدیث بھی پہلے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ حضور کی چال مبارک ایسی تھی کہ ہموار جگہ پر چلتے ہوئے بھی ڈھلوان میں اترتے ہوئے نظر آتے تھے۔ آپ اس طریقے سے جھک کر چلتے تھے جیسا کہ کوئی آدمی نشیبی جگہ میں اُتر رہا ہو۔ کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ کا یہی مطلب ہے۔

(۲۰) بَابُ مَا جَاءَ فِی تَقَنُّعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قناع کے بارے میں"

امام ترمذیؒ اس باب میں صرف ایک حدیث لائے ہیں۔ قناع وہ کپڑا یا رومال کہلاتا ہے جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سر پر رکھ کر اس کے اوپر دستار مبارک باندھ لیتے تھے۔ چونکہ آپ سر میں اکثر تیل لگاتے تھے اسلیے قناع رکھ لینے سے عمامہ مبارک تیل سے آلودہ نہیں ہوتا تھا بلکہ زائد تیل مذکورہ کپڑے تک ہی محدود رہتا تھا تو اس باب میں لائی گئی روایت سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قناع کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

شمائل ترمذی

باب - ۲۰

درس - ۲۴

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی اَخْبَرَنَا وَکِیْعٌ اَخْبَرَنَا الرَّبِیْعُ بْنُ صَبِیْحٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبَانٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ الْقِنَاعَ کَاَنَّ ثَوْبَہٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت یوسف بن عیسٰی نے بیان کی۔ ان کے پاس اس روایت کی خبر وکیع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس روایت کی خبر ربیع بن صبیح نے زید بن ابان کے حوالے سے بیان کی اُن کے پاس یہ حدیث صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

سر پر اکثر کپڑا رکھتے تھے جو کہ تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا ۔"

تشریح یہ روایت چوتھے باب میں بھی گزر چکی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بالوں ــــــ میں اکثر تیل لگایا کرتے تھے اور پھر سر پر کوئی کپڑا رومال یا ٹوپی پہن کر اوپر عمامہ باندھ لیا کرتے تھے۔ کپڑے پر تیل اس قدر لگ جاتا تھا کہ کَاَنَّ ثَوْبَہٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ گویا کہ وہ کسی تیل نکالنے یا تیل کا کاروبار کرنیوالے آدمی کا کپڑا ہوتا ہے جو تیل کا کام کرنے کی وجہ سے تیل آلود رہتا ہے ۔

(۲۱) بَابُ مَا جَاءَ فِي جِلْسَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کے بارے میں"

شمائل ترمذی

باب - ۲۱

درس - ۲۴

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ اَنْبَاَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ عَنْ جَدَّتَيْهِ عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اَنَّهَا رَأَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءِ قَالَتْ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ فِي الْجِلْسَةِ اُرْعِدْتُّ مِنَ الْفَرَقِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عفان بن مسلم نے۔ اُن کے پاس خبر دی عبداللہ بن حسان نے اپنی دادی اور نانی کے حوالے سے جنھوں نے قیلہ بنت مخرمہؓ سے روایت نقل کی وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو اس عاجزانہ حالت میں دیکھا تو میں دہشت کی وجہ سے کپکپا اٹھی۔"

نشستِ رسولؐ

یہ باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نشست سے متعلق بعض تفصیلات فراہم کرتا ہے کہ آپ کس طریقے سے کسی مقام پر تشریف فرما ہوتے تھے مختلف مواقع پر آپ نے بیٹھنے کے لیے مختلف وضعیں اختیار کی ہیں جن میں دو زانو ہوکر

قدرے کی طرح بیٹھنا، چوکڑی مار کر بیٹھنا اور گوٹ مار بیٹھنا وغیرہ شامل ہیں اس باب میں امام ترمذیؒ نے تین احادیث جمع کی ہیں۔

اس باب کی پہلی حدیث میں صحابیہ رسول حضرت قیلہ بنت مخرمہؓ کہتی ہیں۔ اَنَّھَا رَاَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَھُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءَ کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس مقام پر اس وضع میں بیٹھنے کو قرفصاء کا نام دیا گیا ہے۔ اس نشست کو احتبیٰ بھی کہتے ہیں جیسا کہ اس باب کی تیسری روایت میں ذکر ہوا ہے۔ قرفصاء یا احتبیٰ ایسی وضع کا نام ہے کہ آدمی کے سرین زمین پر لگے ہوئے ہوں، پاؤں زمین سے اوپر اُٹھے ہوئے ہوں اور دونوں بازوؤں نے گھٹنوں کا احاطہ کیا ہوا ہو۔ عام طور پر کوئی آدمی اس حالت میں اُس وقت بیٹھتا ہے جب وہ سخت متفکّر ہو اور کسی گہری سوچ میں مبتلا ہو۔

قَالَتْ فَلَمَّا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَخَشِّعَ فِی الْجِلْسَۃِ حضرت قیلہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو ایسی متواضع حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو اُرْعِدْتُّ مِنَ الْفَرَقِ میں خوف کے مارے کانپ اُٹھی کہ خدا جانے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کون سی فکر دامن گیر ہے۔ آپ کو اُمت کی فکر ہمیشہ رہتی تھی۔ صحابیہ کو خیال ہوا کہ خدا نہ کرے امّت پر کوئی عذاب آ رہا ہو، جس کی وجہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس قدر متفکّرانہ اور عاجزانہ حالت میں مسجد میں تشریف فرما ہیں۔

اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن حسان ہیں، جنھوں نے یہ روایت اپنی دو دادیوں کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اس بات کی وضاحت باب ۸ کی حدیث ۱۲ میں بھی کی جا چکی ہے کہ راوی کی دادیوں کے نام دحیبہ اور علیبہ نہیں تھے بلکہ ان میں سے ایک دادی اور دوسری نانی تھی۔ ان دونوں کے نام صفیہ اور دحیبہ تھے اور وہ دونوں علیبہ کی بیٹیاں تھیں۔

درس - ۲۴　　　　　　　　　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی سفیان نے زہری کے حوالے سے، انھوں نے یہ روایت عباد بن تمیم سے ان کے چچا کے حوالہ سے نقل کی (چچا کا نام عبداللہ بن زید تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا بایں حالت کہ آپ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا۔"

تشریح عرب میں عام طور پر تہبند باندھنے کا رواج تھا اور ایسی حالت میں چت لیٹ کر ایک پاؤں کو اُٹھا کر دوسرے پاؤں پر رکھنے سے ستر کھل جانے کا احتمال ہوتا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تو ستر کھل جانے کے معاملہ میں نہایت ہی محتاط تھے۔ تاہم ہمیں اس طرح لیٹنے سے گریز کرنا چاہیئے کہ کہیں آدمی برہنہ ہی نہ ہو جائے۔ ہاں اگر شلوار یا پاجامہ پہن رکھا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ اَنْبَانَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الْمَدَنِيُّ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ رُبَيْحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِي سَعِيدٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ اِحْتَبٰى بِيَدَيْهِ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث سلمۃ بن شبیب نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن ابراہیم مدنی سے اخذ کی۔ انھوں نے یہ روایت اسحٰق بن محمد انصاری سے نقل کی جنھوں نے یہ حدیث ربیح بن عبدالرحمٰنؒ ابن ابی سعید سے اخذ کی اُنھوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا ابوسعید خدریؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو گوٹ مار کر بیٹھتے۔"

تشریح | صحابی رسول حضرت ابوسعید خدریؓ اس حدیث کے راوی ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ اِحْتَبٰى بِيَدَيْهِ جب مسجد میں بیٹھتے تو گوٹ مار کر بیٹھتے۔ گوٹ مار کر بیٹھنے کی وضاحت اس باب کی پہلی حدیث میں بھی عرض کی جا چکی ہے۔ اس وضع کے لیے یہاں پر احتبیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ گزشتہ حدیث میں

۱؎ المتوفی ۱۳۹ھ　(فیاض)

قرفصاء آیا ہے۔
جیسا کہ میں نے عرض کیا گوٹ مار کر بیٹھنے کی وضع اس طرح ہوتی ہے کہ آدمی سُرین زمین پر لگا کر، دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر لے اور اپنے دونوں بازوؤں سے گھٹنوں کے گرد حلقہ بنا لے۔ ہمارے یہاں بھی بعض اوقات بعض لوگ اس طریقے سے بیٹھتے ہیں۔ بعض اوقات ہاتھوں کا حلقہ قائم کرنے کی بجائے کوئی چھوٹا موٹا کپڑا کمر کے پیچھے سے لا کر دونوں گھٹنوں کے ساتھ باندھ لیتے ہیں۔ عام طور پر ایسا کسی گہری سوچ بچار کرتے وقت کیا جاتا ہے۔

---

(۲۲) بَابُ مَا جَآءَ فِيْ تُكَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تکیہ کے بیان میں"

اس باب میں امام ترمذیؒ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نشست کے دوران کسی چیز کا تکیہ استعمال کرنے کے متعلق پانچ احادیث جمع کی ہیں۔ عام طور پر لوگ فرش، پلنگ یا تخت پوش پر بیٹھ کر اپنی دائیں، بائیں یا پچھلی جانب کسی چیز کا سہارا لے لیتے ہیں، اُس چیز کو تکیہ کا نام دیا گیا ہے یعنی وہ چیز جس کا بیٹھے بیٹھے سہارا لیا جائے۔ تکیہ لگا کر بیٹھنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور مباح ہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۲۲

درس - ۲۴ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِيُّ الْبَغْدَادِيُّ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِسْرَآئِيْلَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ عَلٰى يَسَارِهٖ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے پاس عباس[1] بن محمد دوری بغدادی نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت اسحٰق بن منصور سے حاصل کی۔ اُن کو یہ روایت اسرائیل سے اور اس نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان کی اور انھوں نے اسے

---

[1] المتوفی ۲۷۱ھ (فیاض)

صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃؓ سے سماعت کی۔ حضرت جابرؓ
کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ
لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا، اور تکیہ آپ کی بائیں طرف تھا۔"

تشریح اس حدیث میں دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ آپ کسی مقام پر بیٹھ کر تکیہ کا سہارا لیے ہوئے تھے اور دوسری بات یہ کہ آپ نے تکیہ مبارک اپنی بائیں طرف رکھا ہوا تھا۔

ایسے امور میں حضور علیہ السلام عموماً دائیں طرف کو ترجیح دیتے تھے مگر ہو سکتا ہے کہ جس موقع کی یہ روایت بیان ہو رہی ہے، اس وقت بائیں طرف تکیہ لگانے کی کوئی خاص وجہ ہو۔ اگر کوئی مجبوری نہ بھی ہو تو بھی اپنی سہولت کے مطابق آدمی دائیں یا بائیں کسی طرف بھی تکیہ لگا سکتا ہے۔ اگر کوئی تکلیف ہے تو اپنے پیچھے بھی تکیہ رکھ کر اُس کے ساتھ ٹیک لگا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ہر طرح سے درُست ہے۔ البتہ دائیں طرف کی اوّلیت کا مسئلہ الگ ہے، اور وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ کوئی عذر نہ ہو۔

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ اَخْبَرَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ وَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث حمید بن مسعدۃ نے بیان کی ۔ ان کے پاس خبر دی بشر بن مفضل نے ۔ انھوں نے یہ روایت جریری سے اخذ کی جنھوں نے اسے عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ کے حوالے سے بیان کیا اور انھوں نے یہ حدیث اپنے والد حضرت ابو بکرۃؓ سے سماعت کی ۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کی مجلس میں) فرمایا ، کیا میں تمھارے سامنے وہ گناہ نہ بیان کروں جو کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے بڑے ہیں ۔ لوگوں نے عرض کیا ، حضور (کیوں نہیں ضرور ، آپ نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا ، راوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ

— گئے حالانکہ آپ اُس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ بات برابر کہتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش کہ آپ خاموش ہو جائیں "

تشریح اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کو سب سے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے ۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، خواہ وہ شرک ذات میں ہو، صفات میں ہو، عبادت میں ہو، استعانت میں ہو یا علم وقدرت اور تصرف وتدبیر میں ہو۔ ۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا، حتّٰی کہ اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ جب والدین بوڑھے ہو جائیں تو انھیں اُف تک بھی نہ کہو، چہ جائیکہ اُن کے کسی جائز کام سے انکار کر دیا جائے۔ ۳۔ تیسری چیز فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا۔ راوی کو تردّد ہے کہ آپ نے جھوٹی گواہی دینا فرمایا تھا یا کوئی بھی جھوٹی بات کہنا کبیرہ گناہوں میں شمار کیا تھا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بار بار کہا اور ہم آپ کے اس تکرار سے اس قدر خوف زدہ ہو گئے کہ ہم تمنّا کرنے لگے کاش کہ حضور اب یہ بیان ختم کر دیں۔

باب - ۲۲

درس - ۲۴

حدیث - ۳

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی ۔ ان کے پاس یہ روایت شریک نے علی بن اقمر کے حوالے سے بیان کی ۔ وہ صحابیِ رسول حضرت ابو جحیفہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کسی چیز سے ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا ۔"

تشریح حدیث کے الفاظ واضح ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا کہ میں کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ ویسے تکیہ لگا کر بیٹھنا تو درست ہے مگر تکیہ لگا کر کھانا کھانا متکبرین کی علامت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون تواضع پسند ہو سکتا ہے ، لہٰذا آپ نے کبھی اس وضع کے ساتھ کھانا نہیں کھایا۔ آپ ہمیشہ یک زانو یا دو زانو ہو کر عاجزی کے ساتھ بیٹھتے اور یہ کھانا تناول فرماتے ۔ اس کی مزید تفصیلات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے باب میں بیان ہوں گی ۔

شمائل ترمذی

باب - ۲۲

درس - ۲۴

حدیث - ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان سے علی بن اقمر کی وساطت سے پہنچی۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔"

تشریح

سند میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ بھی سابقہ حدیث والے ہی ہیں۔ دونوں روایات کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے روایت کرنے والے آپ کے صحابی ابو جحیفہؓ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وہی ہے کہ میں مغرور لوگوں کی طرح کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا، بلکہ متواضعانہ طور پر ایک زانو یا دو زانو بیٹھ کر جو کچھ میسّر آتا ہے کھا لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

حَدَّثَنَا یُوسُفُ بنُ عِیسٰی حَدَّثَنَا وَکِیعٌ حَدَّثَنَا اِسرَائِیلُ عَن سِمَاکِ بنِ حَربٍ عَن جَابِرِ بنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَاَیتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَۃٍ قَالَ اَبُو عِیسٰی لَم یَذکُر وَکِیعٌ عَلٰی یَسَارِہٖ ھٰکَذَا رَوٰی غَیرُ وَاحِدٍ عَن اِسرَائِیلَ نَحوَ رِوَایَۃِ وَکِیعٍ وَلَا نَعلَمُ اَحَدًا رَوٰی فِیہِ عَلٰی یَسَارِہٖ اِلَّا مَا رَوٰی اِسحٰقُ بنُ مَنصُورٍ عَن اِسرَائِیلَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث یوسف بن عیسٰی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تک یہ روایت وکیع کے ذریعے پہنچی ۔ وکیع کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسرائیل نے سماک بن حرب کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے جابر بن سمرۃؓ سے یہ حدیث سُنی ۔ کہتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ امام ترمذیؒ نے یہاں پر کلام کیا ہے کہ اس روایت میں وکیع نے بائیں جانب کے الفاظ ذکر نہیں کیے ، اور بہت سے لوگوں نے اسرائیل سے وکیع کے ہم معنی روایت ہی بیان کی ہے ۔ اور ہم اسرائیل سے روایت کرنے والے اسحٰق بن منصور کے سوا کسی ایک راوی کو بھی نہیں جانتے جس نے بائیں جانب کے الفاظ ذکر کیے ہوں "

تشریح در اصل امام ترمذیؒ کو اس باب کی پہلی حدیث کے الفاظ عَلٰی یَسَارِہٖ پر اعتراض ہے اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے اور تکیہ جس پر آپ نے ٹیک لگا رکھی تھی، وہ آپ کی بائیں جانب تھا امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت اُن کے پاس کئی اسناد کے ذریعے پہنچی ہے، مگر بائیں جانب کے الفاظ ماسوائے اسحٰق بن منصور کے کسی دوسرے راوی نے اسرائیل سے روایت نہیں کیے۔ مَیں نے پہلی روایت کی تشریح میں بھی عرض کیا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام چونکہ عام معاملات میں دائیں طرف کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے امام ترمذیؒ کو خیال ہے کہ شاید عَلٰی یَسَارِہٖ کے الفاظ سہوًا زیادہ نقل ہو گئے ہیں امام ترمذیؒ کا تجزیہ بجا طور پر درست ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تکیہ بائیں طرف رکھا ہو تو اس وقت کسی عذر کی بناء پر ایسا کیا ہو۔ ویسے بھی تکیہ کو دائیں طرف رکھنا لازم نہیں بلکہ اوّلیت کی بات ہے اور بائیں طرف رکھنے میں بھی حرج نہیں ہے۔ اسحٰق بن منصور بھی صحیح راوی ہیں اور ان کے بارے میں زیادہ شک میں نہیں پڑنا چاہیے۔

---

(۲۳) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اِتِّکَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے سہارا لے کر چلنے کے بیان میں"

گزشتہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بیٹھ کر کسی چیز کا سہارا لینے کے بیان میں تھا۔ بعض اوقات اگر جسم میں تکلیف ہو تو آدمی چارپائی، فرش یا کسی اور چیز پر تکیہ، لکڑی یا پتھر وغیرہ کا سہارا لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سہارا لے کر چلنے کے بیان میں ہے۔ بعض اوقات آدمی کسی تکلیف کی وجہ سے چلنے میں دقّت محسوس کرتا ہے تو ایسی صورت میں کسی دوسرے آدمی کا سہارا لے لیتا ہے۔ کوئی ڈنڈا وغیرہ ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے یا بغلوں کے نیچے بیساکھیاں استعمال کرتا ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے دو احادیث نقل کی ہیں جن میں دوسرے آدمی کا سہارا لے کر چلنے کا بیان ہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۲۳

درس - ۲۴ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ شَاکِیًا فَخَرَجَ یَتَوَکَّأُ عَلٰی اُسَامَۃَ وَعَلَیْہِ ثَوْبٌ قِطْرِیٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِہٖ فَصَلّٰی بِھِمْ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث

عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے عمرو بن عاصم نے نقل کیا۔ انھوں نے یہ روایت حماد بن سلمہ سے روایت کی اور انھوں نے اسے حمید سے اخذ کیا۔ وہ اس حدیث کو خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے آپ اس حالت میں گھر سے نکلے کہ آپ نے اُسامہؓ کا سہارا لے رکھا تھا۔ اس وقت آپ پر قطر کا ساختہ کپڑا تھا، جس کو آپ نے کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

تشریح اسامہ بن زیدؓ حضور کے متبنیٰ زید بن حارثہؓ کے فرزند تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں باپ بیٹا سے بڑی محبت تھی۔ بیماری کی وجہ سے آپ چلنے میں تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ لہٰذا حضرت اسامہؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سہارے سے گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے اس وقت آپ نے قطری کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ توشح ایسی حالت کو کہتے ہیں کہ کوئی چادر یا کمبل وغیرہ پوری طرح نہ اوڑھ رکھا ہو بلکہ دونوں کندھوں پر ڈال رکھا ہو کہ اس کا کچھ حصہ ایک طرف آجائے اور کچھ حصہ دوسری طرف چلا جائے۔

درس - ۲۴

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَفَّافُ الْحَلَبِيُّ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ وَعَلٰى رَاْسِهٖ عِصَابَةٌ صَفْرَاءُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا فَضْلُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُشْدُدْ بِهٰذِهِ الْعِصَابَةِ رَاْسِيْ قَالَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ عَلٰى مَنْكِبِيْ ثُمَّ قَامَ وَدَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مبارک سے پہنچی ۔ ان کو یہ روایت عطاء بن مسلم خفاف[1] حلبی کے ذریعے ملی ۔ ان کے پاس اسے جعفر بن برقان[2] نے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ حدیث عطاء بن[3] ابی رباح سے اخذ کی ، جنھوں نے اسے فضل بن عباسؓ سے روایت کیا ۔ فضلؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس بیماری کے دوران حاضر ہوا جس میں آپ کی وفات ہو گئی تھی اُس وقت آپ کے سر مبارک پہ زرد رنگ کا ایک ٹپکا تھا میں نے آپ کو سلام کیا ، تو آپ نے فرمایا ، اے فضل!

---

[1] المتوفی ۱۹۰ھ ، [2] المتوفی ۱۵۴ھ ، [3] المتوفی ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ (فیاض)

میں نے عرض کیا، اللہ کے رسول حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ
پٹکا میرے سر پر کس کر باندھ دو۔ پس میں نے ایسا ہی کیا۔
پھر آپ بیٹھ گئے اور اپنا ہاتھ مبارک میرے کندھے پر
رکھا۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور مسجد میں تشریف لے آئے
اور اس حدیث میں ایک لمبا واقعہ بیان ہوا ہے۔"

سندِ حدیث اس حدیث کے ایک راوی عطاء بن مسلم صدوق راوی ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ غلطی بھی کر جاتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض بہتان ہو تاہم یہ ٹھیک ٹھاک راوی ہیں اور امام ترمذیؒ نے ان کی روایت کو قبول کیا ہے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے والے آپ کے صحابی فضل بن عباسؓ ہیں جو کہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بڑے بھائی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے کئی بیٹے تھے جن میں فضل بن عباسؓ اور قثمؓ بھی شامل ہیں۔

کندھے کا سہارا حضور علیہ السلام کے چچا زاد بھائی حضرت فضل بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ میری اُس ملاقات کا واقعہ ہے جب آپ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں سخت درد ہو رہا تھا۔ آپ کے پاس زرد رنگ کا رومال، چھوٹی پگڑی یا پٹکا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ فضل! یہ پٹکا میرے سر پہ مضبوطی کے ساتھ باندھ دو۔ کہتے ہیں کہ میں نے وہ رومال آپ کے سر پہ باندھ دیا۔ پھر آپ میرے کندھے کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔

سلام کا جواب یہاں پر ایک نقطہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جب فضل بن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سب سے

پہلے سلام کیا۔ اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ آپ کا وہ فرمان نقل کیا گیا ہے جو آپ نے سر پر پٹی باندھنے کے متعلق دیا تھا۔ سلام کا جواب دینا تو قرآن وسنت کی رُو سے ایک مسلّمہ امر ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور نے فضلؓ کے سلام کا جواب دیے بغیر ہی اپنی بات شروع کر دی ہو؟ چونکہ یہ ایک معروف بات تھی کہ سب سے پہلے سلام کا جواب دیا جاتا ہے۔ اور خود شارع علیہ السّلام سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی ہے کہ آپ نے سلام کا جواب نہ دیا ہو لہٰذا ممکن ہے کہ راوی نے اس کا بیان کرنا ضروری نہ سمجھا ہو، اور اسے (UNDER STOOD) مانتے ہوئے اگلی بات بیان کر دی ہو۔ کہ آپ کے حکم کے مطابق میں نے آپکے سر پر کس کر پٹی باندھ دی۔ اس بات کا تذکرہ باب ۱۷ کی پانچویں روایت میں بھی ہو چکا ہے۔

حضورؐ کا لوگوں سے خطاب

اس روایت کے آخر میں امام ترمذیؒ کہتے ہیں وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ یعنی اس حدیث میں ایک لمبا قصّہ اور بھی بیان کیا گیا ہے جو امام ترمذیؒ نے شمائل کے اس باب میں ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ باب صرف حضورؐ کے سہارے کے متعلق ہے اور دوسرا واقعہ اس باب سے متعلق نہیں ہے۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور لوگوں کے سامنے ایک طویل خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا آخری خطابِ عام تھا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امّت کو بہت سی ہدایات دیں اور خاص طور پر حقوق کی ادائیگی کی تلقین فرمائی۔ آپ نے خود اپنے متعلق فرمایا کہ اگر کسی نے مجھ سے کوئی حق لینا ہے تو وہ لے سکتا ہے، اگر میں نے کسی کو کوئی اذیت پہنچائی ہے تو وہ اس کا بدلہ لے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر آپ سے تین درہم کا مطالبہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباسؓ کو ادائیگی کا حکم دے دیا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے بیت المال سے تین درہم خیانت سے لیے تھے کیونکہ میں اُس وقت محتاج تھا۔ آپ نے فرمایا کہ فضل! اس سے لے لو۔ ایک شخص نے نیند کی زیادتی کی شکایت کی اور اپنے حق میں دُعا کی درخواست کی چنانچہ آپ نے اسکے لیے کمالِ ایمان اور نیند کے مرض سے صحت یابی کی دعا بھی کی اور بھی بہت سے لوگوں نے عرض کیا تو آپنے اُنکے لیے بھی

(۲۴) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ اَكْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے بارے میں۔

یہ باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے متعلق ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب میں پانچ روایات جمع کی ہیں۔ کھانا کھانے میں اکل و شرب یعنی کھانا اور پینا دونوں چیزیں آتی ہیں۔ اہلِ لغت اکل کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔ اِدْخَالُ طَعَامِ الْجَامِدِ مِنَ الْفَمِ اِلَی الْبَطْنِ یعنی کسی ٹھوس چیز کو منہ کے راستے غذا کے طور پر پیٹ میں داخل کرنے کا نام کھانا ہے۔ اس میں پھل وغیرہ جو تفریح و خوش طبعی کے لیے کھائے جاتے ہیں، وہ بھی داخل ہیں، اور اگر ٹھوس کی بجائے کوئی مائع چیز منہ کے راستے پیٹ میں داخل کی جائے تو وہ شرب یا پینا کہلاتی ہے۔ اس میں پانی، دودھ، چائے، شربت اور اس قسم کی دوسری سیال چیزیں شامل ہیں۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے وہ روایات جمع کی ہیں جن کا تعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھانا کھانے کے ساتھ ہے۔ ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھانا کھانے کے طریقِ کار کا پتہ چلتا ہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۲۴

درس - ۲۵ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهٗ ثَلَاثًا قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى

وَرَوٰی غَیْرُ مُحَمَّدِ بْنِ بَشَّارٍ هٰذَا الْحَدِیْثَ قَالَ یَلْعَقُ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس حدیث کو بیان کیا محمد بن بشار نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان کے حوالہ سے بیان کی انھوں نے یہ روایت سعد بن[1] ابراہیم سے اخذ کی۔ اور انھوں نے یہ روایت کعب بن مالک کے فرزند سے حاصل کی جو اپنے باپ کعبؓ صحابی رسول سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے۔ ابوعیسیٰ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ محمد بن بشار کے علاوہ اس حدیث کو روایت کرنے والے تمام راویوں نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد اپنی تین انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔"

سندِ حدیث اس حدیث کے راوی محمد بن بشار اور سفیان بڑے ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ کعب بن مالکؓ کے فرزند اپنے باپ کعبؓ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ان سے یہ حدیث آگے بیان کرنے والے سعید بن ابراہیم ہیں۔ یہ سعید مدینہ کے فقہ کے بہت بڑے امام تھے۔ بڑے عابد، زاہد اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے آدمی تھے۔ یہ ہر رات نوافل میں پورا قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ یہ مدینہ طیبہ کے قاضی بھی تھے۔ دن کے وقت عدالت کا کام نپٹاتے اور رات کے وقت اللہ کی عبادت کرتے۔ انکی وفات ۱۲۵ھ میں واقع ہوئی۔ بعض نسخوں میں سعید کی بجائے سعد[2] چھپ گیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اس حدیث کے راوی سعید بن ابراہیم ہی ہیں۔

---

[1] المتوفی ۱۲۵ھ ، [2] المتوفی ۵ھ (فیاض)

کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا

یہ کعب بن مالکؓ کہتے ہیں اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَلْعَقُ اَصَابِعَہٗ ثَلَاثًا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد تین دفعہ اپنی انگلیوں کو چاٹتے تھے ظاہر ہے کہ کھانا کھانے سے سالن وغیرہ انگلیوں کو لگ جاتا تھا تو کھانے سے فارغ ہو کر آپ انگلیوں کو اچھی طرح چاٹ لیتے تھے تاکہ انگلیوں کے ساتھ لگا ہوا کھانے کا کچھ حصہ بھی ضائع نہ جائے۔ بلکہ وہ بھی پیٹ میں چلا جائے مطلب یہ ہے کہ جو کھانا ہاتھ یا انگلیوں کو لگ جاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دھو کر ضائع نہیں کر دیتے تھے بلکہ خوب چاٹ کر انگلیوں کو صاف کر لیتے تھے۔

امام ترمذیؒ اس بات کی وضاحت بھی کر رہے ہیں کہ شمائل کے بعض نسخوں میں کَانَ یَلْعَقُ اَصَابِعَہٗ ثَلَاثًا کی بجائے ثَلَاثٌ کا لفظ بھی آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی تین انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ تین انگلیوں یعنی انگوٹھا، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ پکڑ کر نوالہ منہ میں ڈالتے تھے۔ چونکہ یہ انگلیاں کھانے کے ساتھ ملوث ہو جاتی تھیں، لہٰذا آپ اپنی تین انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔ یہ وضاحت اسی باب کی حدیث ۴ میں کر دی گئی ہے۔

کھانا کھانے کے آداب

دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ایک انگلی سے کھانا کھانا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔ دو انگلیوں سے کھانا تکبر کی علامت ہے اور تین انگلیوں سے پکڑ کر کھانا سُنّت طریقہ ہے۔ جو شخص تین سے زیادہ انگلیاں کھانے میں استعمال کرتا ہے، اُسے حرص کا بندہ ہی سمجھا جائے گا۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کھانا کھانے کے بعد اپنی کھانے والی انگلیاں کسی دوسرے شخص کو بھی پیش کر دیتے تھے تاکہ وہ اُن بابرکت انگلیوں کو چاٹ لے۔ وہ کتنا خوش قسمت انسان ہوگا جسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

کی انگلیاں چاٹنے کا شرف حاصل ہو گیا۔ ہمارے شیخ مولانا عبد اللہ درخواستی مرحوم بھی بعض اوقات اس سُنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی انگلی دوسروں کو چاٹنے کے لیے پیش کر دیتے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں کچھ تکلیف تھی، معجون کھا رہے تھے۔ بعد میں معجون بھر انگلی میں لگا کر میرے سامنے کر دی کہ لو بھائی! چاٹ لو۔ آپ بزرگ تھے اور یہ شفقت کی انگلی تھی جسے چاٹ لینا باعثِ سعادت تھا۔

مسلم شریف کی روایت میں کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی علّت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انگلیاں چاٹنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ کہ انسان نہیں جانتا کہ اُس کے کھانے کے کس حصّہ میں اللہ نے برکت رکھی ہے[1] ممکن ہے کہ کھانے کا یہی حصہ زیادہ بابرکت ہو جو انگلیوں کے ساتھ لگ گیا ہے۔ لہٰذا ان کو تین دفعہ چاٹنے کا حکم دیا ہے یا اُن تینوں انگلیوں کو چاٹنے کا حکم دیا ہے جن کے ساتھ اُس نے کھانا کھایا ہے۔

---

[1] نیز انّك لاتدری فی ایّ طعامك تکون البرکۃ۔ مسند احمد طبع بیروت ص۲۲ (فیاض)

باب - ۲۴

درس - ۲۵

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث حسن بن علی خلال نے بیان کی ۔ اُن کے پاس یہ روایت عفان نے اور اُنکے پاس حماد بن سلمہ نے بیان کی ۔ انھوں نے ثابت سے اور ثابت نے یہ حدیث صحابی اور خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے ۔"

تشریح اس حدیث کا مضمون بھی پہلی حدیث والا ہی ہے ۔ یہ دوسری حدیث کے راوی حضرت انس بن مالکؓ خادمِ رسول ہیں جو بیان کرتے ہیں کَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ کہ کھانا تناول فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں ملوث تینوں انگلیوں کو چاٹ لیتے تاکہ انگلیوں کے ساتھ لگا ہوا کھانے کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو ۔ یہ اللہ کی نعمت ہے اور بابرکت ہے لہٰذا اسے پیٹ میں ہی جانا چاہیے ۔

باب - ۲۴
حدیث - ۳

شمائل ترمذی

درس - ۲۵

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ الصُّدَائِيُّ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِسْحٰقَ الْحَضْرَمِيُّ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ نَحْوَهُ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ[1] کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت حسین بن علیؒ بن یزید صدائی بغدادی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یعقوب بن اسحٰق حضرمی نے روایت کیا ۔ ان کو یہ حدیث شعبہ سے سفیان ثوری کی وساطت سے پہنچی انھوں نے علی ابن اقمر سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا ۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی دوسری سند اس طرح بیان کی ہے ۔ محمد بن بشار نے یہ روایت ہمارے سامنے بیان کی ۔ انھوں نے اسے عبدالرحمٰن بن مہدی سے نقل کیا انھوں نے یہ حدیث سفیان سے اور انھوں نے یہ روایت علی ابن اقمر سے نقل کی ہے ۔ جس کا مضمون پہلی حدیث جیسا ہی ہے ۔"

---

[1] المتوفی ۲۷۸ھ (فیاض)

تشریح اس سے پہلے یہ حدیث باب ۲۲ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تکیہ کے بیان میں آچکی ہے۔ وہاں بھی یہی الفاظ ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَمَّا اَنَا فَلَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا یعنی میں کبھی کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا، کیونکہ یہ مغرور ہونے کی علامت ہے۔ یہ باب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے بیان میں ہے اس لیے امام ترمذیؒ اس حدیث کو مکرر لائے ہیں کہ اس میں ٹیک لگانے کے ساتھ کھانا کھانے کا ذکر بھی ہے۔

امام ترمذیؒ نے ایک کے بعد دوسری سند بھی نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس روایت کا مضمون بھی ایسا ہی ہے۔

لہ دارمی ج ۲ ص ۳۲ میں بھی یہ روایت ہے۔ (فیاض)

باب - ۲۴

شمائل ترمذی

حدیث - ۴

درس - ۲۵

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ ابْنِ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ بِاَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَيَلْعَقُهُنَّ - (ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے بیان کی - ان کے پاس اسے عبدۃ بن سلیمان نے ہشام بن عروۃ کے واسطہ سے بیان کیا - انھوں نے یہ روایت کعب بن مالکؓ کے فرزند سے سُنی - جنھوں نے اسے اپنے باپ حضرت کعبؓ کے حوالے سے پیش کیا - وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تین انگلیوں کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے اور بعد میں انھیں چاٹ بھی لیتے تھے"

تشریح | یہ مضمون اس باب کی پہلی حدیث میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تین انگلیوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے چونکہ یہ تینوں انگلیاں کھانے میں ملوّث ہو جاتی تھیں، اس لیے آپ کھانا کھانے کے بعد ان کو اچھی طرح چاٹ لیتے تھے تاکہ کھانے کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو - پہلی حدیث میں انگلیوں کو تین دفعہ چاٹنے کا ذکر تھا، پھر دوسری حدیث میں تین انگلیوں کو چاٹنے کا بیان تھا - اب یہاں مکمل طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَاْكُلُ بِاَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَيَلْعَقُهُنَّ کھانا کھاتے وقت اپنی تین انگلیاں یعنی انگوٹھا، انگشت شہادت اور درمیانی انگلی استعمال فرماتے

تھے اور پھر کھانا کھانے کے بعد ان انگلیوں کو اچھی طرح چاٹ بھی لیتے تھے ۔ آپ نے اُمّت کو بھی یہی تعلیم دی کہ کھانا کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو خوب چاٹ لیا کرو کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے کھانے کے کون سے حصّے میں زیادہ برکت رکھی ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ زیادہ برکت والا یہی حصّہ ہو جو تمھاری انگلیوں پر لگا رہ گیا ہے ۔ لہٰذا اس حصّہ کو کپڑے سے پونچھ کر یا پانی سے دھو کر ضائع نہ کر لیا کرو ، بلکہ اچھی طرح انگلیوں کو چاٹ لینے کے بعد اگر ضرورت محسوس ہو تو آپ رومال سے صاف بھی کر سکتے ہیں یا پانی اور صابن وغیرہ سے دھو بھی سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

شمائل ترمذی

باب - ۲۴
حدیث - ۵

درس - ۲۵

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَرَاَيْتُهُ يَاْكُلُ وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوْعِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی ۔ انھوں نے یہ روایت فضل بن دکین[1] سے اخذ کی ۔ انھوں نے یہ روایت مصعب بن سلیم سے سنی اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کھجوریں لائی گئیں اور میں نے آپ کو اس حالت میں وہ کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا کہ آپ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے بھوک کی وجہ سے ۔"

تشریح: حدیث کے الفاظ ہیں وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوْعِ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اقعاء کی شکل میں بیٹھ کر کھجوریں تناول فرما رہے تھے ۔ اقعاء بیٹھنے کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک صورت یہ ہے کہ کسی تکلیف کی وجہ سے رانوں کو پیٹ کے ساتھ لگا لیا جائے اور سرین زمین سے لگے ہوں ۔ نماز میں اقعاء کی یہ صورت مکروہ ہوتی ہے ۔ مِنَ الْجُوْعِ کے الفاظ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اس حالت میں بیٹھ کر کھجوریں کھانا کسی تکلیف یا دیگر عذر کی بناء پر نہیں تھا بلکہ شدّتِ بھوک کی وجہ سے آپ کی رانیں پیٹ کے ساتھ لگ گئی

[1] المتوفی ۲۱۹ھ (فیاض)

تھیں اور پشت مبارک کو بھی کسی چیز کے سہارے ٹیک لگایا ہوا تھا۔ پیٹ پر پتھر باندھنے کے واقعات بھی روایات میں مذکور ہیں خاص طور پر جنگ احزاب کے موقع پر خندق کھودتے وقت تو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ جب پیٹ خالی ہو تو کام کاج کرنے میں سخت دقت محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے ایسی صورت میں صحابہؓ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تاکہ کام کاج میں حرج نہ ہو۔ اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہوا ہے، اس میں بھی یہی بات ہے کہ بھوک کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رانیں پیٹ کے ساتھ لگ چکی تھیں اور اس حالت میں آپ کھجوریں تناول فرما رہے تھے۔

اقعاء کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی جلسہ کے دوران دونوں ایڑھیوں کو کھڑا رکھّے جب کہ نماز میں جلسہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رہے اور نمازی بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام میں قدرے اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا جلسہ میں دونوں پاؤں کھڑے کرنا درست نہیں ہے جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک تشہد کا یہ طریقہ بھی سنّت میں داخل ہے۔

۲۵- بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ خُبْزِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی کے بارے میں۔"

گزشتہ باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے سے متعلق تھا۔ اب یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کھانے میں کھائی جانے والی روٹی کے بارے میں ہے کہ آپ کی روٹی مبارک کیسی ہوتی تھی۔ کیا آپ گندم کی روٹی تناول فرماتے تھے، جَو کی یا میدے کی یا چھنے ہوئے آٹے کی۔ میدے کی روٹی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے کھانا ثابت ہی نہیں ہوتا۔ پراٹھہ پکانے کا ذکر روایت میں ملتا ہے مگر نبی علیہ السّلام سے اس کے کھانے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس زمانے میں گندم اور پھر میدے کی روٹی تو مالدار لوگوں کو نصیب ہوتی تھی کیونکہ گندم اس سرزمین میں کاشت ہی نہیں ہوتی تھی، بلکہ شام جیسے دُور دراز علاقوں سے منگوانی پڑتی تھی۔ اسلیے کافی مہنگی ہوتی تھی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بالعموم جَو کی سادہ روٹی میسّر آتی تھی، جو آپ تناول فرما کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے آٹھ روایات جمع کی ہیں۔

درس - ۲۵　　　　حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ يَزِيْدَ يُحَدِّثُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت محمد بن مثنیٰ اور محمد بن بشار نے بیان کی وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس روایت کو شعبہ نے ابو اسحٰق کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن یزید کو اسود بن یزید سے روایت بیان کرتے ہوئے سُنا۔ انھوں نے یہ روایت امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اخذ کی۔ وہ کہتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے جَو کی روٹی بھی کبھی متواتر دو دن پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔"

راوی اسود بن یزید

اس حدیث کے ایک راوی اسود بن یزید ہیں جنھوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی ہے۔ انھوں نے اگرچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا زمانہ پایا ہے مگر بعض دوسرے لوگوں کی طرح صحابیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکے۔ کیونکہ انھوں نے ایمان کی حالت میں نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دُنیا سے رُخصت ہوجانے کے بعد ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے تو ایمان میں بھی نہایت ہی پختہ کار ثابت ہُوئے۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، روزانہ پندرہ پارے تلاوت کرتے تھے اور نہایت عبادت گزار آدمی تھے ان سے اسّی ۸۰ حج اور عمرے ثابت ہیں جو انھوں نے زندگی بھر میں ادا کیے۔ اُنھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھا ہے اور حضرت علیؓ سے بھی روایات نقل کی ہیں۔ آپ ثقہ راوی ہیں اور کثرت سے روایات نقل کرنے والے ہیں۔ ۱۴۷ھ میں ان کی وفات ہُوئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قناعت پسندی

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ نے کبھی متواتر دو دن بھی جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے رخصت ہوگئے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حینِ حیات رہے آپکے گھر والوں نے متواتر دو دن جَو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ ایک تو وہ زمانہ ہی عُسرت کا تھا اور دوسرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قناعت، سادگی اور فقر کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی تکلّف نہیں فرمایا، اور یہی حال آپکے گھر والوں کا تھا۔

اس روایت میں آمدہ لفظ "آلُ مُحَمَّدٍ" اگر مقحم (یعنی زائد) ہو تو اس سے مُراد صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہوگی کہ خود آپ نے زندگی میں کبھی متواتر دو دن بھی گندم کی بہتر روٹی تو درکنار جَو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ اور اگر لفظ آل مقحم نہیں ہے تو پھر اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سارے اہلِ خانہ بمع آپ مُراد ہیں یعنی کسی نے بھی آپ کی زندگی میں پیٹ بھر کر دو دن متواتر جَو کی سادہ روٹی بھی نہیں کھائی۔

باب - ۲۵

درس - ۲۵

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ اَبِي بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا حَرِيْزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ يَقُوْلُ مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنْ اَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِيْرِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یحیی بن ابی بکیر[1] نے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کو حریز بن عثمان نے سلیم بن عامر کے واسطہ سے بیان کیا۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہؓ باہلی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر والوں سے کبھی جَو کی روٹی بھی زائد نہیں بچی تھی۔

تشریح اس روایت کے ایک راوی سلیم بن عامر (المتوفی ۱۳۰ھ) ہیں جو کہ ثبت آدمی ہیں مگر ان میں تھوڑی سی ناصبیت پائی جاتی تھی۔ یہ بات قابل یادداشت ہے کہ کسی روایت کے راوی میں پائی جانے والی قلیل ناصبیت قادح نہیں ہوا کرتی۔ مگر انتہائی درجے کا غلو قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ اس اصول کے مطابق سلیم بن عامر کی روایت قبول کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوامامہؓ کہتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں اشیائے خورد و نوش کی اس قدر قلت

---

[1] المتوفی سنہ ۲۰۸ھ (فیاض)

ہوا کرتی تھی کہ جَو کی سادہ روٹی بھی بمشکل اہلِ خانہ کو میسّر آتی تھی، لہٰذا کسی روز اسکے فاضل بچ رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت ابو اُمامہؓ کا تعلق قبیلہ باہل کے ساتھ تھا (اور یہ شام میں مقیم ہو گئے تھے) اور یہ ابو اُمامہؓ باہلی کہلاتے تھے۔ یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ (ان کا اصل نام صدی بن عجلان ہے یہ مکثرین حدیث میں سے ہیں پہلے آپ کی سکونت مصر میں تھی پھر حمص میں آئے اور یہیں بعمر ۹۱ سال ۸۶ھ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے یہ شامی صحابہؓ میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ہیں۔) (فیاض)

درس - ۲۵　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَكَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن معاویہ جمحی نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ثابت بن یزید نے ہلال بن خباب کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عکرمہ سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے متواتر کئی کئی راتیں خالی پیٹ گزارتے تھے۔ اُن کو رات کا کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا اور اُن کی روٹی بالعموم جَو کی روٹی ہوتی تھی۔"

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ خانہ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا کئی کئی راتیں متواتر بھوکے گزار دیتے تھے۔ طَاوِيًا اگر باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہو تو اس کا معنیٰ لپیٹنا ہوتا ہے طَوٰى يَطْوِيْ طَيًّا۔ اور یہ باب عَلِمَ يَعْلَمُ سے

ل المتوفی ۲۴۳ھ ۔ (فیاض)

ہوتو طَوِیَ یَطْوٰی طَاوِیًا ہوگا جس کا معنی بھوکا رہنا ہوتا ہے۔ یہاں پر طَاوِیًا اسی معنی میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور آپ کے گھر والے کئی کئی راتیں خالی پیٹ گزار دیتے تھے کیونکہ لَا یَجِدُوْنَ عَشَاءً انکو رات کا کھانا میسّر نہیں ہوتا تھا اور اگر کچھ کھانے کے لیے دستیاب بھی ہوتا تھا وَکَانَ اَکْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِیْرِ تو وہ عام طور پر جَو کی روٹی ہوتی تھی جو کہ روٹیوں میں سے سب سے کم تر روٹی ہوتی تھی۔ اگلی روایت میں آرہا ہے کہ جَو کا موٹا موٹا آٹا ہوتا تھا جسے چھاننا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا تاکہ اس سے پکائی ہوئی روٹی قدرے نرم ہوجائے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دَور اس قدر تنگ دستی کا دَور تھا۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے وسعت بھی عطا فرمائی اور مسلمانوں کی تنگ دستی دُور ہوگئی۔

باب - ۲۵

درس - ۲۵

حدیث - ۴

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰہِ
ابْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ
هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِيْنَارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ
سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحَوَارِيَّ فَقَالَ
سَهْلٌ مَا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰہَ تَعَالٰى فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ كَانَتْ
لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ فَقِيْلَ كَيْفَ
كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِيْرِ قَالَ كُنَّا نَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ
مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْجِنُهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت ہمارے پاس
عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ اُنکے پاس بیان کیا
عبیداللہ ابن عبدالمجید حنفی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس
یہ روایت عبدالرحمٰن نے بیان کی جو کہ ابن عبداللہ بن دینار
تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابو حازم نے
صحابی رسول حضرت سہل بن سعدؓ کے حوالے سے بیان کی۔
اُن سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی
چھنے ہوئے آٹے (میدہ) کی روٹی بھی کھائی تھی؟ حضرت
سہلؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی
میدے کی روٹی دیکھی تک نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ

سے جا ملے۔ پھر آپ (حضرت سہلؓ) سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں آپ کے پاس چھانیاں بھی ہوتی تھیں؟ جواب دیا، ہمارے پاس آٹا چھاننے کی چھانیاں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ آپ جَو کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ جواب دیا، ہم اس میں پھونک مارتے تھے۔ پس اس میں سے اڑنے والی چیز (چھلکا) اُڑ جاتی تھی، پھر ہم اس آٹے کو گوندھ لیتے تھے۔"

تشریح اس حدیث کے راوی انصار مدینہ میں سے معمر صحابی حضرت سہل بن سعدؓ ہیں جنہوں نے ۸۴ھ یا ۸۵ھ (یا ۸۸ھ یا ۹۱ھ) میں وفات پائی۔ نچلے راوی ابوحازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہلؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا ہے، بھلا یہ تو بتائیں اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّقِیَّ یَعْنِی الْحُوَارِیَّ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی چھنے ہوئے آٹے یعنی میدہ کی بنی ہوئی روٹی بھی کھائی تھی؟ نقی کا معنیٰ وہ روٹی ہوتا ہے جو آٹا کو چھان کر پکائی گئی ہو۔ اس کو حواری کا نام بھی دیا گیا ہے۔ لفظ حواری مخلص دوست کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ صف میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ اللہ کے راستے میں میری کون مدد کرے گا؟ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (آیت ۱۴) اس کے جواب میں آپ کے مخلص دوستوں اور ساتھیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہر پیغمبر کا کوئی نہ کوئی مخلص دوست ہوتا ہے جب کہ میرا حواری (حضرت) زبیرؓ ہے جو کہ جنت میں بھی میرا حواری ہوگا۔

اس روایت میں آمدہ لفظ حواری بھی انہی معانی میں آیا ہے جب آٹے کو چھلنی کے ذریعے چھان لیا جائے تو چھلکا الگ ہو جاتا ہے اور باقی خالص آٹا یا میدہ رہ جاتا ہے تو حضرت سہلؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات

ہیں کبھی چھنے ہوئے آٹے سے پکی ہوئی روٹی بھی کھائی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایسی روٹی کھانا تو درکنار مَا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّقِیَّ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو زندگی بھر کبھی ایسی روٹی دیکھی تک نہیں۔

صحابیٔ رسول سے مزید پوچھا گیا، کیا اس زمانہ میں آپ کے گھروں میں آٹا چھاننے کی چھاننیاں ہوتی تھیں؟ جواب دیا مَا کَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ ہمارے ہاں ایسی چھاننیاں نہیں ہوتی تھیں۔ نچلا راوی پھر پوچھتا ہے کہ اگر آٹا چھاننے کے لیے چھاننیاں دستیاب نہیں تھیں تو پھر آپ لوگ جَو کی روٹی کیسے پکا لیتے تھے؟ اس بات کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ گندم کی نسبت جَو میں زیادہ چھلکا ہوتا ہے جسے نکالے بغیر نرم روٹی تیار نہیں ہوسکتی۔ اس کے جواب میں حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس چھاننی تو نہیں ہوتی تھی۔ البتہ ہم یوں کرتے تھے کہ جَو کا آٹا پیس کر اُس میں پھونک مارتے تھے جس سے موٹا موٹا چھلکا اُڑ جاتا تھا اور جو آٹا باقی بچ جاتا تھا، اُس کو گوندھ کر ہم روٹی پکا لیتے تھے۔

دراصل اس قسم کے تمام تکلّفات بعد میں آئے ہیں۔ ابوطالب مکّیؒ نے بھی لکھا ہے کہ خورد و نوش کا توسع صحابہؓ کے دَور کے بعد شروع ہوا۔ اگرچہ ان سہولتوں سے استفادہ کرنے کی مکمل اجازت ہے مگر وہ لوگ توسع نہیں کرتے تھے جو کہ ان کے فقر و قناعت کی علامت ہے۔ تاہم بہت زیادہ شکم پروری کی وجہ سے اگر ایک پہلو سے نہیں تو دوسرے پہلو سے ضرور کمزوری آتی ہے۔ بہرحال شکم پروری کی بدعت صحابہؓ کے دور کے بعد شروع ہوئی۔ ہماری طرح خوراک کو ضائع نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر آدھ سیر خوراک میں گزارہ ہوسکتا ہو تو ڈیڑھ دو سیر کھا جانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ بڑی بڑی دعوتیں اور پھر اُن میں پلاؤ، مُرغ اور بکروں کا بے تحاشا کھانا اور وہ بھی کھڑے کھڑے، بلاشبہ اسراف میں داخل ہے۔

باب ۔ ۲۵
شمائل ترمذی
حدیث ۔ ۵
درس ۔ ۲۵

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ یُوْنُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا اَكَلَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی خِوَانٍ وَلَا فِیْ سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلٰی مَا كَانُوْا یَاْكُلُوْنَ قَالَ عَلٰی هٰذِهِ السُّفَرِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ یُوْنُسُ هٰذَا الَّذِیْ رَوٰی عَنْ قَتَادَةَ هُوَ یُوْنُسُ الْاِسْكَافُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی معاذ بن ہشام نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے یونس کے حوالے سے بیان کی۔ انھوں نے اس کو قتادہ سے نقل کیا اور قتادہ نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی چھوٹے میز پر اور نہ ہی رکابی میں کھانا کھایا ہے، اور آپ کے لیے کبھی باریک (چھنے ہوئے) آٹے کی روٹی بھی نہیں پکائی گئی۔ نچلے راوی یونس کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے پوچھا، کہ پھر آپ کس چیز پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے تھے؟ جواب دیا، بس اسی دسترخوان پر رکھ کر۔ اس حدیث کے راوی محمد بن بشار کہتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی یونس

جس نے قتادۃ سے نقل کیا ہے ، وہ یونس موچی ہے ۔"

تشریح اس حدیث کو بیان کرنے والے خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ ہیں۔ اُن سے نقل کرنے والے مشہور تابعی حضرت قتادۃ ہیں۔ قتادۃ سے یہ روایت یونس نے روایت کی جن کی وضاحت متنِ حدیث کے آخر میں آگئی ہے۔ ھُوَ یُوْنُسُ الْاِسْکَافُ کہ یہ وہی یونس ہیں جو جوتے بنانے کا کام کرتے تھے اور بھی یونس راوی ہوں گے ان میں تخصیص کر دی گئی ہے کہ جس یونس کا اس روایت میں ذکر آیا ہے وہ یونس موچی ہیں۔

اس روایت سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خورد و نوش میں سادگی اور بے تکلّفی کی وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ مَا اَکَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی خِوَانٍ وَلَا فِی سُکُرُّجَۃٍ کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے زندگی بھر نہ تو کبھی چھوٹی میز پر رکھ کر کھانا تناول فرمایا اور نہ ہی کھانے کی کوئی چیز (سالن وغیرہ) کسی رکابی میں ڈال کر استعمال کی۔ خِوَان چھوٹے ٹیبل کو کہتے ہیں۔ آسودہ حال لوگ ایسے ہی ٹیبل پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔ کمرے میں قالین بچھی ہوئی ہو۔ پیچھے گاؤ تکیے لگے ہوئے ہوں۔ مہمان بیٹھے ہیں تو چھوٹی میز رکھ کر اس پر کھانا چُن دیا جاتا اور مہمان پورے تکلّفات کے ساتھ وہ کھانا کھاتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تکلف کبھی نہیں کیا یعنی نہ تو کھانے کے لیے میز استعمال کیا اور نہ ہی کوئی خاص چیز رکابی میں ڈال کر تناول فرمائی۔ آگے آپ کتاب ——— میں پڑھ لیں گے کہ کیا یہ تکلف حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے قصداً نہیں کیا یا اس طریقے سے کھانا کھانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا ؟ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے قصداً ایسا تکلّف نہیں کیا مگر میز کرسی پہ بیٹھ کر کھانا کھانا ممنوع نہیں ہے بلکہ عند الضرورت بالکل جائز ہے۔ اس زمانے میں تو مختلف اشیاء کے لیے مختلف رکابیاں (ڈشیں) بھی نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایک ہی بڑے تھال میں سب کچھ رکھ لیا جاتا اور سب مل کر کھا لیتے۔ مگر موجودہ دَور میں اگر ہر چیز کے لیے

علیحدہ ڈش بھی استعمال کرلی جائے تو کوئی حرج نہیں ۔
البتہ موجودہ دور میں کھڑے کھڑے اور چل پھر کر کھانا کسی طرح بھی روا نہیں ہے
یہ تو یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ والی بات ہے یعنی جانوروں کی طرح
چل پھر کر کھانا ہے یہ معیوب طریقہ ہے حالانکہ اب تو مولوی حضرات بھی احتیاط نہیں
کرتے اور کھڑے کھڑے ہی دعوتیں اُڑاتے چلے جاتے ہیں ۔ الّا ماشاء اللہ ؛
روایت کے اگلے حصّے میں ہے کہ یونس نے قتادہ سے پوچھا کہ اگر حضور
علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میز پر رکھ کر کھانا نہیں تناول فرماتے تھے ، تو پھر کس چیز پر
رکھ کر کھاتے تھے ؟ تو قتادہ کہتے ہیں عَلٰی ھٰذِہِ السُّفَرِ بس اسی دسترخوان
پر جو کہ عام طور پر کھجور کے پتوں کا ، کپڑے یا چمڑے کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ غالباً حضرت
قتادہ نے کسی ایسے ہی دسترخوان کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ ایسے ہی دسترخوان
پر روٹی ، گوشت ، کھجوریں ، سرکہ غرضیکہ جو کچھ دستیاب ہوتا رکھ دیا جاتا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم یک زانو یا دو زانو بیٹھ کر تناول فرما لیتے ۔

باب - ۲۵

درس - ۲۵

حدیث - ۶

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ الْمُهَلَّبِيُّ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَدَعَتْ لِيْ بِطَعَامٍ وَقَالَتْ مَا اَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَاَشَاءُ اَنْ اَبْكِيَ اِلَّا بَكَيْتُ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ اَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِيْ فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا وَاللّٰهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت عباد بن عباد مہلبی نے مجالد کے حوالے سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت شعبیؒ[1] سے اور انھوں نے مسروق سے روایت کی۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس گیا تو انھوں نے میرے لیے کھانا منگوایا اور پھر فرمایا کہ میں نہیں پیٹ بھر کر کھانا کھاتی مگر رونے کو جی چاہتا ہے تو میں رو پڑتی ہوں۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں اُس حالت کو یاد کرتی ہوں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے جُدا ہوئے تھے۔ بخدا آنحضرت صلی اللہ

---

[1] المتوفی ۱۰۴ھ۔ (فیاض)

علیہ وسلم نے دن میں کبھی دو دفعہ روٹی اور گوشت پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔"

تشریح اس روایت کو امّ المؤمنین سے نقل کرنے والے اُن کے رضاعی بھائی مسروق ہیں جو تابعین میں سے ہیں۔ مذکورہ تعلق کی بنا پر امّ المؤمنین کے گھر اکثر آتے جاتے تھے۔ یہ اپنے دَور کے عظیم انسان تھے وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کسی موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر گئے تو انھوں نے اپنے اس بھائی کے لیے کھانا طلب کیا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت تک مسلمانوں میں کافی وسعت آچکی تھی اور اسلام کے ابتدائی دور والی عسرت بہت حد تک چھٹ چکی تھی۔ تو یہ راوی کہتے ہیں کہ اس موقع پر امّ المؤمنین نے کہا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دُنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد جب کبھی مَیں سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو خواہ مخواہ رونے کو جی چاہتا ہے اور مَیں بے اختیار رو پڑتی ہوں۔ مسروق نے اس گریہ کی وجہ پوچھی تو امّ المؤمنین نے بتایا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ مبارکہ میں ہم اس قدر تنگ دستی سے گزر اوقات کرتے تھے کہ آپ کو زندگی بھر کبھی دو وقت پیٹ بھر کر روٹی اور گوشت میسّر نہیں آیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب ہم کو ہر چیز فراوانی سے ملنے لگی ہے۔ لہٰذا مَیں پُرانا وقت یاد کر کے رو پڑتی ہوں۔

مسروق نے امّ المؤمنینؓ کے کلام کو اس طرح نقل کیا ہے مَا اَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَاَشَاءُ اَنْ اَبْکِیَ اِلَّا بَکَیْتُ اس جملے کا مفہوم تو مَیں نے عرض کر دیا ہے کہ امّ المؤمنینؓ نے کہا کہ جب بھی مَیں سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو رونے کو جی چاہتا ہے پس مَیں رو پڑتی ہوں۔ یہ ترکیب دراصل اس قسم کی ہے مَا اَشْبَعُ اِلَّا بَکَیْتُ اس کا لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہ مَیں نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا مگر رو پڑتی ہوں۔ مَا نافیہ کے بعد جب اِلَّا کا لفظ آتا ہے تو یہی مفہوم بنتا ہے۔ اب درمیان میں فَاَشَاءُ کا لفظ آیا ہے۔ یہ فَا دو قسم کی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ فا تاکیدیہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی مَیں نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہے میرا

رونے کو جی چاہا ہے اور اگر اس فا کو سببیہ تسلیم کیا جائے تو پھر بھی یہ مطلب ہوگا کہ پیٹ بھر کر کھانا رونے کا سبب بن جاتا ہے۔ بہر حال مطلب یہی ہے کہ امّ المؤمنینؓ نے اپنا تاثر اس طرح بیان کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد جب کبھی انھوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے تو انھیں بے اختیار رونا آگیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کی تنگدستی کا موازنہ جب مابعد دَور کی فراخی کے ساتھ کیا جاتا تھا تو ظاہر ہے کہ اُس دور کی عُسرت پر امّ المؤمنین کو رونا آجاتا تھا مگر یہ نقطہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس دُنیا کی زندگی بلاشبہ عسرت میں گزاری مگر اب تو آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے بڑے انعامات پا رہے ہیں خود اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بشارت سُنا دی تھی ۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝ (الضحیٰ : ۴) کہ آپ کی اگلی زندگی اس زندگی سے کہیں بہتر ہوگی۔ تو اس حقیقت کے پیشِ نظر امّ المؤمنین کے رونے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ دراصل امّ المؤمنین کو افسوس اس بات کا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جو اجر و ثواب مذکورہ تنگدستی میں بھی اہلِ خانہ کو حاصل ہوتا تھا۔ آپ کے بعد وہ اس ثواب سے محروم ہوگئے ہیں بلاشبہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد مسلمانوں پر تنگدستی کا زمانہ تو گزر گیا مگر اس کے ساتھ وہ فضیلت بھی چلی گئی جو آپ کی موجودگی میں حاصل تھی، لہٰذا امّ المؤمنین کو بے اختیار رونا آجاتا تھا۔

شمائل ترمذی | باب - ۲۵
درس - ۲۵ | حدیث - ۷

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاؤدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ یَزِیْدَ یُحَدِّثُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَاشَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِیْرٍ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ۔ (ترمذی مع شمائل ۵۷۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث شعبہ نے ابواسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سُنا جوکہ اسود بن یزید سے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متواتر دو دِن جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔"

تشریح یہ مضمون اس باب کی پہلی حدیث والا مضمون ہے۔ دونوں روایات حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہیں جن میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی میں عسرت کا ذکر ہے۔ دونوں روایات میں صرف اس قدر فرق ہے کہ پہلی روایت میں آلِ محمد کے الفاظ ہیں جب کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہے مطلب ایک ہی ہے کہ اہلِ خانہ کو سیر ہو کر کھانا میسّر نہیں آتا تھا،

شمائل ترمذی

باب ۔ ۲۵

درس ۔ ۲۵

حدیث ۔ ۸

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَاَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا اَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰى مَاتَ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی ان کے پاس عبداللہ بن عمر اور ابومعمر[1] نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالوارث نے سعید بن ابی عروبۃ کے واسطہ سے بیان کیا انھوں نے قتادۃ سے اور قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چھوٹے ٹیبل پر کھانا نہیں کھایا اور نہ آپ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کبھی کھائی۔ یہاں تک کے اس دارِفانی سے رخصت ہوگئے"۔

تشریح اس حدیث کا مضمون اس باب کی پانچویں حدیث کے ہم معنی ہے دونوں روایات حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ میں نے پہلی حدیث کی تشریح میں عرض کیا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی پوری زندگی نہایت سادگی کے ساتھ گزاری اور کسی چیز میں کبھی تکلّف نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو آپ نے کبھی میز پر کھانا رکھ کر کھایا اور نہ کبھی عمدہ قسم کی روٹی ہی کھائی۔ ساری عمر آپ کا یہی معمول رہا۔

---

[1] المتوفی ۲۲۴ھ (فیاض)

مباحث کتاب الایمان مع تسہیل و توضیح

مقدمہ صحیح مسلم

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و معمول بہ ہے۔ اس میں "کتاب الایمان" کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلمؒ نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم و قیع اور ضروری ہیں۔ ان مباحث کی توجیہ و تعبیر درسیات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔

نیز مقدمہ میں امام مسلمؒ نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کار آمد ہیں خصوصاً مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔

علم حدیث کے طلب گاروں کے لیے بہت نافع ہو گی اور اس کے پڑھنے سے بہت لوگوں کو فائدہ ہو گا۔ مصنف : مولانا عبدالحمید خان سواتی مدظلہ

عمدہ کتابت و طباعت ، قیمت پندرہ روپے

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ